

مگر کے ہر فرد کے لئے

مہینہ

پاکینہ

جون 2012

نگار اعلیٰ

معراج رضوی

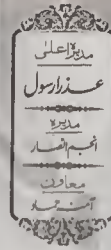
میسز احمد، نابید سلطان اختر

اقبال بانو، عالیہ حرا، عطیہ عمر

اور دیگر مصنفات کی خوب صورت تحریروں سے آراستہ



ایم ایم احمد



اداریہ

مجھے بھگت



مدیرہ 15



سلسلہ وار ناول

عکس

مدیرہ احمد 18

زندگی

نامید سلطان اختر 146



مکمل ناول

ایک دن بھارت

میونہ خورشید 68

فیضی کا گھر

عالیہ حرا 182



ناولٹ

تیرا بیان بھارت

اقبال بانو 105

بھوکا کے تغیر

شعیب فضل خالق 219



افسانے

بھارت بھارت

عطیہ عمر 61

فرحانہ ناز ملک 131

عقیلہ حق 243

شمع سید 253

شائستہ زریں 272

سلمیٰ غزل 282

انجم انصار 285

مستقل عنوانات

ادارہ 16

مدیرہ 257

عظمیٰ آفاق سعید 291

انجم انصار 295

آمنہ حماد 299

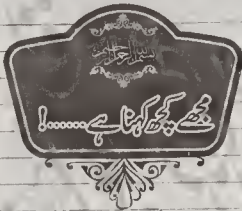
پاکیزہ بھینس 302

3033-2168391 ادارہ
3033-2256789 شہزادہ
30323-2895528 راتلجید
332-4214400 فراہل بھارت
ماڈل: ربیعہ..... میکاپ: روز بیوتی ہارلر..... فوٹو گرافر: موسیٰ رضا

جلد 40 • شمارہ 03 • جون 2012 • 600 روپے • قیمت فی پرچہ پاکستان 50 روپے •
پتا: پوسٹ بک نمبر 662 کراچی 74200 • فون: 35895313 (221) ایکس 35802551 (021) E-mail: jdpgroup@hotmail.com



پبلشر: جیو ریڈیو: عذرا رسول، مقام اشاعت: C-63 فیز II ایکس ٹینشن، بیننس کمپنل ایڈیا، مین کو رنگی روڈ، کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی



ان دنوں پوری دنیا میں نو عمر بچوں کے مسائل اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ہم ان کو گننا چاہیں بھی تو گن نہیں سکتے۔ اب ایسے ایسے مسئلے سر اٹھارہ ہیں جو نہ کبھی دیکھے تھے اور نہ ہی سنے تھے۔ تقریباً تمام والدین ہی یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ان کے بچے نہ صرف ان کے نقش قدم پر چلیں بلکہ ان کے پسندیدہ اخلاقی اور سماجی اقدار کو بھی اپنائیں۔

ماہر نفسیات کے مطابق پانچ سے دس برس کی عمر کے دوران بچے بڑے پر جوش ہوتے ہیں۔ اگر اس دوران انہیں اپنے والدین کی طرف سے کوئی رہنمائی نہ ملے تو وہ ایسی قدروں کو اپناتا سکتے ہیں جو ان کے والدین کے لیے قطعی قابل قبول نہ ہوں تو ایسے حالات میں بھی والدین کو چاہیے کہ بچوں کے ساتھ سختی نہ کریں بلکہ پیار سے سمجھائیں..... تیرا سے اٹھارہ برس کی عمر بہت بچان غیر قرار دی گئی ہے جس میں بچوں کی خصوصی نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے جس میں اپنا آپ بالکل درست اور سامنے والا بالکل غلط دکھائی دیتا ہے۔

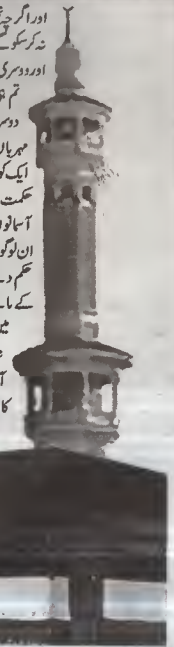
بے شمار والدین اپنے بچوں کو یہ طعنہ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ تمہاری عمر میں ہم تو یہ کرتے تھے اور وہ کرتے تھے۔ ایسے جملے بچوں کے ذہن میں عموماً منفی رد عمل کو جنم دیتے ہیں۔ یاد رکھیں محض طعنے دینے سے مسائل حل نہیں ہوا کرتے۔ اپنے بچوں کے سوالات تحمل سے سنیں اور ان سوالات کے تسلی بخش جوابات دینے کی کوشش کیجیے۔

وہ بچے بے حد خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں اپنے والدین کی توجہ اور پیار ملتا ہے۔ آپ خواہ کتنے ہی مصروف کیوں نہ ہوں اپنے بچوں کو وقت دیں..... ان کی باتیں سنیں، انہیں پیار کریں۔ ان کی تعریف کریں اور آنے جانے والوں کے سامنے ان کی خوبیاں گنوائیں..... انہیں یہ احساس دلائیں کہ وہ آپ کے لیے کتنے اہم ہیں۔ اور آج مجھے آپ سے صرف یہی کہنا ہے کہ اپنے بچوں کو قدرت کا حسین تحفہ سمجھتے ہوئے انہیں خوب سنبھال کر رکھیں۔ اور ان کی تربیت میں عقل، سمجھ، محبت اور شائستگی کا عنصر شامل رکھیں۔ باقی اللہ ہر چیز کا مالک ہے۔ (بے شک)

مدیر

انجم انصار

اور اگرچہ تم بہت چاہو (مکرمی) بیبیوں (سے برتاؤ) میں ہرگز برابری نہ کر سکو گے ہیں (ایہا تو) نہ (کہہ کر ایک ہی کی طرف) ہمدردی مائل ہو جاؤ اور دوسری (بی بی) کو مشتعل چھوڑ دو (کہ نہ کسی اور سے ان کا جھگڑنا ہے اور نہ تم ہی اس کی طرف ممانعت ہوتے ہو) اور اگر تم صلح رکھو اور (ایک دوسرے کے رنج دہیے سے) بچتے رہو تو اللہ بے شک بخشنے والا مہربان ہے (۱۲۹) اور اگر دونوں جدا ہو جائیں گے (تو) اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے بے نیاز کر دے گا اور اللہ وسعت والا صاحب حکمت ہے (۱۳۰) اور (کیا تم نہیں جانتے کہ) اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک ہم نے حکم دیا تھا ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب (الہی) دی تھی اور تم کو (بھی یہی حکم دیتے ہیں) کہ اللہ (کی نافرمانی) سے بچتے رہو اور اگر تم (اس حکم کے ماننے سے) انکار کر دے تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بڑا بے نیاز (اور) تعریف والا ہے (۱۳۱) اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ (سب کا) راز باز ہے (۱۳۲) اور (اے لوگو! کہ وہ چاہے تو تم سب کو) (ابھی قہر دم میں) لے جائے (کے ڈال دے) اور (بہ عرصہ تمہارے) (دوسروں کو) (صفر بستی میں) آئے اور اللہ اس پر قادر ہے (۱۳۳) جو کوئی (صرف) دنیا (میں اپنے اعمال) کا ثواب چاہتا ہے تو (اے کیا معلوم نہیں کہ) اللہ کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا ثواب ہے (پھر اس نے دنیا کے ثواب پر کیوں انکشاف کی) اور اللہ سزا (اور) دیکھتا ہے (۱۳۴) (سورہ نسا آیت نمبر ۲۹ تا ۱۳۴)



آنحضرت ﷺ کے اسلمے گرامی سپنا عمر

محمد ﷺ (تعریف کے قابل اسرا ہے گئے)

1- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کوئی فرد نبی پاک ﷺ سے حسن خلق میں برابر نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ اخلاقِ عمدہ کے قابل تھے۔

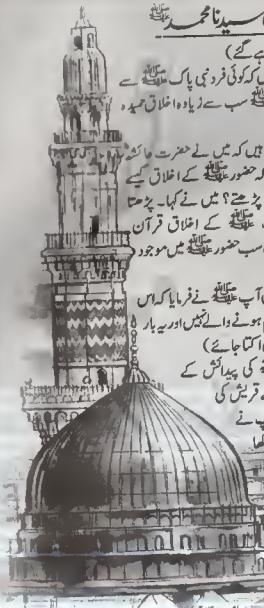
2- حضرت سعد بن ہشام فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے بتائیں کہ حضور ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ انہوں نے فرمایا: کیا تم قرآن میں پڑھتے؟ میں نے کہا: ہر صحتا ہوں۔ فرمایا: کان غلاف القرآن (آپ ﷺ کے اخلاق قرآن ہیں) یعنی جو اخلاق قرآن میں مذکور ہیں وہ سب حضور ﷺ میں موجود تھے۔ (مسلم)

(اور ای طرح قرآن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس قرآن کے عجائبات (علوم و معارف) بھی ختم ہوئے والے نہیں اور یہ بار بار کی تکرار سے بھی پرانا نہیں ہوگا کس دل اسکا جائے)

3- ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش کے ساتویں دن جب حضرت عبدالمطلب نے قریش کی دعوت کی تو لوگوں نے تو نہال کا نام پوچھا۔ آپ نے جواب دیا: میں نے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا ہے۔ یہ نام سن کر لوگوں کو تعجب ہوا اور عبدالمطلب سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے بیٹے کا نام کیوں رکھا تو آپ نے جواب دیا:

”میری آرزو ہے کہ میرے بیٹے کی ساری دنیا میں تعریف کی جائے“

قصہ حیات کی کتاب انوارِ اسلامیہ سے اقتباس



کوشش کرتے ہوئے مجھے کمرے کے لیے سر اٹھا کر آسان کو دیکھا جہاں سے ہلکی ہلکی یونڈا باندی ہو رہی تھی..... وہ برسات جواس کی آنکھوں سے نہیں برس پادری تھی وہ کہیں اور سے برسات شروع ہو گئی تھی میں نے ڈرائیور سے کچھ بات کرنے کی کوشش کی تھی جواس کے لیے دروازہ کھولنے کے لیے باہر آیا تھا۔ خود کو سنبھالنے کے لیے وہ ہر چیز کا سہارا لے رہی تھی۔

پانی کی ہلکی سی پھار نے اس کے چہرے، بالوں اور لباس کو ڈراما سٹاک اور برآمدے میں کھڑے اور اس کی بیوی کا استقبال کرتے ہوئے شیر دلنے سے ہانگل اس لئے گردن موڑ کر اس کو دیکھا تھا۔ وہ سیاہ موتیوں سے انکیر اینڈ ڈاک فنگ وڈ لاسیا میٹھوں کا لباس پہنے ہوئے تھی جواس کے متاسب جسم کو کچھ اور بھی متاسب کر رہا تھا۔ عام طور پر کھلے رستے والے کھٹے سیاہ اہل اس وقت ایک سیاہ نیٹ میں ڈھیلے جوڑے کی شکل میں اس کی گردن کے پیچھے سنے اس کی پٹلی اور ڈھیلی گردن کو نمایاں کیے ہوئے تھے۔ دائیں کندھے پر اسٹول کی شکل میں یہ شدہ وہ پٹا ڈالے وہ جابین بائیں بائیں ایک بہت چھوٹا اور خوب صورت سیاہ پرس پکڑے ہوئے تھی۔ شیر دلنے سے اس سے نظریں ہٹائیں۔ مشکل کام تھا یہ اور اس نے مشکل سے ہی کیا تھا۔ وہ مشنر اور ان کی ٹیلی کے ساتھ آئی تھی۔ کھنڈر اور ان کی بیوی کا ڈاڑی سے انحراف اندر جانے کے بجائے چندھوں کے لیے وہیں برآمدے میں رک گئے تھے۔ کھنڈر کا استقبال کرنے کے بعد شیر دل برآمدے سے نکل کر اس کی گاڑی کی طرف بڑھ آیا تھا۔ کس کی طرف جاتے ہوئے غیر محسوس انداز میں اس نے اپنی جیب میں پرائوٹھ پیپر ٹیڑھا لٹھا۔ اس کی یہ بے اختیار یو تھیر بانو نے فوس کی کچی جس کے برابر سے وہ یک دم ہٹا تھا۔ اس نے کھنڈر کی گاڑی کے پورچ سے ہٹ جانے اور عس کی گاڑی کے آگے آنے کا بھی انتظار نہیں کیا تھا۔ وہ یہیں دیکھ پائی تھی کہ عس کے گاڑی سے نکل آئے پر وہ اس کا استقبال کرنے چلا گیا تھا۔ وہ دور دور جاتے شیر دل سے نظریں ہٹانا چاہتی تھی لیکن وہ ہٹا نہیں پائی تھی۔ کھنڈر کی بیوی سے بات کرتے ہوئے بھی وہ عجیب بے چٹن انداز میں شیر دل کو بلے لے ڈے ڈے بھرے ہوئے اس گاڑی کی طرف بڑھتے دیکھتی رہی تھی جہاں اس کی طرف پشت کیے ڈرائیور سے بات کرتے ہوئے عس مراد علی کو اس نے ایک عجیب سے اضطراب کے ساتھ دیکھا تھا۔

ڈرائیور سے بات کرتے ہوئے عس جب تک ٹیلی شیر دل اس کے سامنے کھڑا تھا۔ دوفوں بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھ کر کمرائے۔ عس نے اس سے نظر چرائی۔ خود کو سنبھالا۔ پھر اسے دیکھا۔ وہ بہت بار ایک دوسرے کے اتنے ہی قریب آ کر کھڑے ہو چکے تھے۔ بہت بار ایک دوسرے کے بالمقابل اتنے ہی فاصلے پر کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں یونہی جمنا دیکھتے بھی رہے تھے۔ اور عس مراد علی نے بھی ان آنکھوں میں پہچان کی کوئی جھلک نہیں دیکھی تھی۔ نہ چڑیا کے لیے۔ نہ اس سترہ سالہ عس مراد علی کے لیے جو ایک انٹر کالجیٹ کے مقابلے میں ایک شیر دل کا نام یں کر بد گئی تھی۔ جس نے اپنے کیریئر کے بدترین تقریری مقابلے میں اسچا پر دوسرے کے پیچھے کھڑے ایک ایک لہجہ اس خوف میں گزارا تھا کہ وہ ابھی۔ ابھی چڑیا کو پہچان لے گا۔ اور وہ یہ کیوں نہ سوچتی کہ وہ اسے پہچان لے گا۔ چڑیا کی زندگی کے آٹھ سال کا ایک شیر دل کے بارے میں سوچے کر رہے تھے۔ آٹھ سال کا گرر جانے کے بعد بھی ان کو ان کی اسے ایک کا طبع وہ چھتا وہ ڈیکٹرڈ میں اس کے طبع کی ویشل بتا دیتی۔ اس کے مین ٹنٹس سے لے کر اس کے زیر استعمال اسٹیکر ڈرائیور سپورڈس ویر کے

لہجہ اور براؤن رنگ اسے پاتے۔ وہ ایک کے ساتھ کرارے ہوئے ان چندھوتوں کو اپنے ذہن کی ڈائری کی طرح چڑھ کر دیکھتی تھی۔ ایک ایک ایک ایک۔ ایک ایک ایک۔ پھر اگر وہ یہ سوچ رہی تھی کہ وہ بھی ایک ایک ایک طرح یاد ہو گئی تو یہ زیادہ بڑی خوش فہمی نہیں تھی۔ آٹھ سال کا باطل عرصہ نہیں ہوتا کہ ایک اس کے ہارے کے نقوش میں کوئی یاد کھونچ نہیں پاتا۔ لیکن ایک شیر دل اسے نہیں پہچانتا تھا۔ وہ نام سے اسے نہیں پہچان سکتا تھا کیونکہ خیر دین اسے چڑیا کہتا تھا پھر قاطم۔ اس کے نام کا دوسرا حصہ جس سے وہ چڑیا کے بعد جانی اور پہچانی جاتی تھی۔ عس کے نام سے وہ اسکول کے علاوہ اور کہیں نہیں پکڑی جاتی تھی۔ نہ کھر میں نہ خاندان میں۔ قاطم اس کے نام کا حصہ تھا جس کا اضافہ اس کی پیدائش کے بعد اس کے خاندان کے افراد نے کس نام سے اسے پکارنے میں دقت کے بعد کیا تھا۔ خیر دین نے اس کا نام بڑے شوق سے رکھا تھا کہ ان چندھوتوں میں ہی اسے اعزاز دے ہو گیا تھا کہ اس نام کو اس کے خاندان اور گاؤں والے بھی بھی صحیح تلفظ سے ادائیں کر سکتے تھے۔ خیر دین نے چڑیا کا نام نہیں بدلا صرف اس میں قاطم کا اضافہ کر دیا لیکن وہ اسکول، کالج میں کس مراد علی کے طور پر ہی جانی جاتی رہی۔ ایک بھی خیر دین کی طرح اس کے عس یا قاطم کے بجائے چڑیا ہی کہتا رہا تھا۔ چڑیا کو پھر بھی خوش فہمی تھی وہ کس کا تلفظ سننے ہی چڑیا تک پہنچ جائے گا۔ وہ اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہی اسے پہچاننے لے گا۔ یہ پہچان چڑیا کو بھی خوف زدہ نہ کرتی اگر اس رات اس نے ایک کو وہاں رینگ کے پاس فٹ سے چلائے نہ دیکھ لیا ہو۔ خوف اور دہشت کے عالم میں بھی ایک کے سامنے بے لباسی کا احساس چڑیا کا گاڑ دینے کے لیے کیا تھا۔ اس کی چیخوں نے چڑیا کی جان بھائی تھی مگر ان آٹھ سالوں میں بہت بار چڑیا اس کی نظر سے نام رہی جو اس نے ایک کو خود پر ڈالے دیکھی تھی۔ وہ جس حالت میں ایک کے سامنے آئی تھی وہ اس حالت میں بھی اس کے سامنے آنا نہیں چاہتی تھی۔ اور اسے جیسے خوف بھی نہیں تھا کہ وہ اسے پہچانے گا تو اس بے لباسی کے حوالے سے اس ایک رات کے حوالے سے پہچانے گا۔ ان چندھوتوں میں اس کے گارے ہوئے یاد رات کے حوالے سے نہیں۔

اس تقریری مقابلے کے بعد بھی اسے یقین تھا ایک کو اگر فوری طور پر وہ یاد نہیں اس کو مگر جا کر یاد آجاتی۔ چندھوں کے بعد یاد آجاتی۔ اور یہ نہیں تو کم از کم چڑیا کا پھر اس کی نظروں میں بھی اٹک جاتا۔ اس کی یہ خوش فہمی اکیڈمی میں دور ہو گئی تھی۔ عس مراد علی کے حوالے سے۔ ایک شیر دل کی کسی قسم کی کوئی یادداشت نہیں تھی۔ اسے شروع میں یقین نہیں آیا کہ وہ کتنی ہی یاد نہیں تھی۔ کئی دفعہ اسے انکو رکنی رہی صرف اسی ایک خدشے کے تحت کہ وہ اب اسے ضرور پہچان لے گا۔ اگر چڑیا کا چہرہ نہ پہچان سکا تو کم از کم سات آٹھ سال پہلے ہونے والے اس تقریری مقابلے کی کوئی یادوری ہو گئی اس کے پاس۔

اور جب عس مراد علی کو آخر یہ یقین آیا کہ ایک شیر دل کو اس کے حوالے سے ”لچھو“ یا ”نیکس“ کا تو وہ بل کر رہی تھی۔ شاخ کی ایک عجیب سی کیفیت تھی جس سے وہ دوجا رہی تھی۔ ایک شیر دل کرور یادداشت کا مالک نہیں تھا کم از کم عس کو اس حوالے سے کوئی ابہام نہیں تھا اس کے باوجود اس کا یاد نہ رہنا صرف ایک چیز کا اظہار تھا۔ چڑیا ایک کے لیے نام پاس تھی۔ وہ اس کے لیے وہ اہمیت نہیں رکھتی تھی جو ایک اس کے لیے رکھتا تھا۔ اور کیوں اہمیت رکھتی آخر وہ ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھنے والے ایک کم عمر بچے کے لیے جس کے

تھی۔

وہ اب باقی لوگوں کے قریب پہنچ چکے تھے۔ شیر دل اسے جواباً کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ کشتی کی بیوی کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے شہر بانو کس کے استقبال کے لیے کچھ آگے بڑھ آئی تھی۔ دونوں نے بیک وقت ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

”شہر بانو! عکس مراد علی“ چند لمحوں میں شیر دل نے باری باری دونوں کو ایک دوسرے سے متعارف کروایا۔ دونوں ناموں کے ساتھ کوئی سیاق و سباق نہیں تھا مگر یہی دونوں ایک دوسرے کو اس سے کہیں زیادہ جانتی تھیں۔ شہر بانو نے ان کا تعارف کروایا تھا۔ سفید شیخوں کے گلیڈز والے کرتے اور چوڑی دار پاچے میں شہر بانو ایک باری ڈولنگ رہی تھی۔ عکس اس کے لیے کوئی اور تشریح نہیں دے سکتا تھا۔ وہ آج بھی اس کی باری ڈولنگ تھی۔ ڈاکٹر فرح کی بیٹی کی پاس موجود وہ گڑیا جو اسے ہمیشہ لپکا یا کرتی تھی اور اس جی گڑیا خریدنے کے لیے اس نے خیر دین سے بہت بھرا کر کیا تھا۔

خیر دین اسے لے کر بازاروں میں کھلونوں کی دکانوں پر باری ڈول کی تلاش میں پھر تارہا تھا۔ جو سستی نقل دکانوں پر مل رہی تھی وہ چڑیا کو پھیندیں آ رہی تھیں وہ اصل اور نقل کا فرق بتائیں سکتی تھیں لیکن سمجھتی ضرور تھی اور جو اصل باری ڈول اسے چند دکانوں میں نظر آئی تھی اس کی قیمت اتنی تھی کہ خیر دین اسے چڑیا کو دیکھا سکتا تھا اور نہیں سکتا تھا۔ کئی دن بازاروں کی خاک چھاننے کے بعد بالآخر چڑیا کو پتا چل گیا تھا کہ باری ڈول اس کی استطاعت اور اوقات سے باہر کی چیز تھی اور اس کے لیے خندا یا صراحتاً خیر دین کو تکلیف اور شرمندگی کے سوا کچھ نہ دیتا۔ اس نے باری ڈول کی فراہمی ختم کر دی تھی مگر وہ اس کے حواس پر سوار رہی تھی۔ تین سالہ شہر بانو پر پہلی نظر میں بھی اسے خوب صورت اور ایک گاؤں والی وہ باری ڈول ہی یاد آئی تھی اس کے صرف بال شہری نہیں تھے مگر اس کی خوب صورتی، ناز و نرہ، لباس سب اسی باری ڈول جیسا تھا جو اس کے لیے untouchable تھی۔

اسنے سالوں بعد شہر بانو کو دیکھتے ہوئے عکس مراد علی کو آج بھی باری ڈول ہی یاد آئی تھی۔ دو دو سالگت، سیاہ لمبی خنجر اکھیں، ننھی سی نوک والی کھنکی ناک اور بے حد باریک مسکراتے ہوئے۔ عکس کے ہونٹوں پر موجود مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوئی تھی اسے دیکھ کر..... اسے آج بھی اسی پر وہی سی یاد آ رہا تھا جیسا اس کو پہلی بار دیکھ کر آیا تھا۔ اس کا دل آج بھی اس کی طرف..... اسی طرح ہکا بکا، جس طرح پہلی بار اسے دیکھ کر ہلک کر اس کی طرف گیا تھا۔ شیر دل کو اس سے زیادہ پر حریف لپکا نہیں لے سکتی تھی۔ وہ واقعی صرف شیر دل کے ساتھ تھی۔ اس کی طرف بڑھتے ہوئے عکس نے سوچا تھا۔ شیر دل کے ذہن میں سب سے پہلے شہر بانو کے حوالے سے اس طرح کا خیال ڈالنے والی وہی تھی۔

”میرا خیال ہے وہ تم سے محبت کرتی ہے۔“ اس نے فون پر شیر دل سے شہر بانو کے حوالے سے کوئی قصہ سننے کے بعد کہا تھا۔ وہ جواباً ہنسا تھا۔

”یوں ہی بات ہے جو تم مجھے بتا رہی ہو، میں جانتا ہوں وہ مجھ سے محبت کرتی ہے..... مجھ پر مروتی ہے۔“ اس نے آخری جملہ بڑے اعتماد سے بڑے جتانے والے اعزاز میں کہا تھا۔ ”کوئی پہلی لڑکی تو نہیں ہے وہ جسے مجھ سے محبت ہوگی.....“

عکس

مسٹر شاہ چلی اگر تم شیخان بگھارنا بند کرو تو میں کچھ کہوں۔“ عکس نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اسے لٹکا دیا۔ ”تم سے زندگی میں پہلی بار کوئی اچھی لڑکی محبت کر رہی ہے۔“

”Now that, s not fair“ شیر دل نے اس کی بات کاٹ کر احتجاج کیا۔ ”تم یہ کیسے کہہ آتی ہو..... تمہیں کیا پتا مجھ پر کوئی کن کرتا.....“ عکس نے اس کی بات کاٹی۔

”تم تقریر کرنے کے بجائے ان لڑکیوں کے ناموں کی ایک لسٹ بنا لو جو تم پر مرنے کا شرف حاصل کر چکی ہیں..... ہو سکتے تو تصویریں بھی لکھ لیتا ساتھ.....“ تصویریں تو ہوں گی تاہم لڑکی کی تمہارے پاس؟ عکس نے اسے اظہار بڑی تنبیہ کی سے مشورہ دیتے ہوئے کہا یوں مجھے دونوں اکیڈمی میں کوئی سینئر ٹیچر رپورٹ تیار کرنے کے بارے میں suggestion پر تیار کر لیا جائے گا۔

”ہر لڑکی اس تصویر پر میرے پاس سوائے تمہارے.....“ شیر دل نے ترکی پر تکی کہا۔

”کس نے تو اس کنگری میں ویسے ہی نہیں آئی تھی۔“ عکس نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”تمہارے ساتھ ہی سکتی ہوں۔“ عکس نے بھی اسی انداز میں کہا۔ ”تو اس لیے میں تو تمہاری سوسائٹیز کو کھنکھانے بن ہی نہیں سکتی..... ویسے شہر بانو کی طرح بات کر رہے تھے۔“ عکس نے بات کے اختتام پر اسے پھر شہر بانو یاد دلایا۔

”میں تو مرنے والی ہوں۔“ شیر دل نے اس کے من میں سمجھا دیا۔

”تم کس لڑکی پر نہیں مرنے شیر دل۔“ عکس نے من میں کہا۔ وہ بھی من میں دیا۔

”یہ بھی ٹھیک ہے۔“ اس نے اعتراف کیا۔

”شہر بانو پر غور کرو.....“ عکس گھوم پھر کر ایک بار پھر اسی موضوع پر آگئی۔

”جیسا میری اور شہر بانو کی match making میں آتی دیکھی کیوں ہے؟“ شیر دل نے ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔ ”جب تمہیں مجھ میں دیکھی نہیں ہے تو leave it۔ میں جس سے چاہے شادی کروں تمہیں کیا.....“ شیر دل نے اسی انداز میں کہا۔

”میں چاہتی ہوں تمہیں کوئی تمہارے جیسی نہ مل جائے۔“ عکس نے ترکی پر تکی کہا۔ ”تم دوست ہو.....“

اپنی پروا تو ہے مجھے تمہاری کس چیز میں نہیں کی تو میں میں نہ دوں۔“

”نہیں نہیں تم مجھے کوئی دو تو میں میں.....“ عکس نے اطمینان سے کہا کونسی آگئی۔

”تم سے کیا کہنا تھا؟“ شیر دل نے موضوع یاد کرنے کی کوشش کی۔

”تم مجھ سے شہر بانو کی بات کر رہے تھے۔“ عکس بات کو پھر دوہرنے لگی۔ ”شہر بانو کی طرف بڑھتے ہوئے عکس کو پتا چل گیا یا یاد آ رہا تھا لیکن ان تمام یادوں میں کوئی رخ یا شخص نہیں تھا وہ کچھ جیسے فطرت کی چارہی تھی۔

شہر بانو نے اس سے پہلے عکس مراد علی کا نام سنا تھا یا اس کو شیر دل کے گروپ فوٹو گراف میں دیکھا تھا۔

جہاں وہ لاگو کر کے کرنے کے باوجود بھی اس کی شکل و صورت اور طبع میں وہ خاص چیز جو کہنے میں ناکام رہی تھی جو اس کے ذہن میں کسی اور عینے یا خاندان کے ختم و پختہ لیکن آج اس پر پہلی نظر ڈالنے ہی وہ عکس مراد علی کی طرح خائف ہوئی۔ یوں ہوئی؟ کیوں؟ اسے کئی دلی تھی نہیں آئی..... نہ اسے شیر دل سے کوئی خدشہ تھا۔

عکس مراد علی اس حسن و جمال کی مالک تھی جس سے اسے کوئی احساس کمتری ہونے لگا لیکن اس کے باوجود.....

طور پر تو یہ کیونکر مشکل بات نہیں تھی۔

ان دنوں کے درمیان چند اور جملوں کا تبادلہ ہوا تھا ساتھ چلتے ہوئے..... موسم کے بارے میں..... مہمانوں کے بارے میں..... ذہن کے بارے میں اور پھر کس اس کے ساتھ اس ہال کمرے میں داخل ہوئی تھی جہاں ڈنکا انتظام تھا۔

اس ہال کمرے میں بیٹھ کر اس رات اس نے گزرنے ہوئے کل کی ساری باتوں، ساری آوازوں سے خود کو shut off کر لیا تھا بالکل اسی طرح جیسے بڑک پر خیر دین کے بھلوں کی ریڑھی پر بیٹھی اسکول سے ملنے والا بوم دھک کرتے ہوئے وہ بڑک پر سے گزرنے والے ٹریفک کے بے بہم شور سے خود کو کٹ لیا کرتی تھی۔

لوگوں کے جھوم کے بیچ بیٹھ کر عکس مراد علی نے اپنے آپ پر اپنی زندگی پر اپنی زندگی میں آنے والی تکلیفوں پر بھی ماتم نہیں کیا تھا..... بھی خود پر ترس کھاتے ہوئے خود کو دوسروں سے مکتز اور دوسروں کو برتر نہیں سمجھتا تھا..... خیر دین نے اسے زہر کے ٹھوٹے پیتے ہوئے بھی جینا اور مسکراتے ہوئے جینا سکھا تھا اور اس ہال میں اسنے سالوں کے بعد بیٹھے ہوئے وہ زندگی کے زہر آلود حصوں کو چھوئے بغیر گزر رہی تھی..... اور وہ گزر رہی تھی۔

☆☆☆

”تم یہ کیوں کرنا چاہتی ہو؟“ خیر دین نے بے حد برائی سے کس کا چہرہ دیکھا تھا۔ بیرون ملک اپنی دگری مکمل کرنے کے بعد وہ چند ہفتے پہلے پاکستان آئی تھی اور اس کی پرورش ہوئی تھی اور پرورش کے بعد اس نے آج خیر دین سے جو بات کی اس سے خیر دین کو حیران کر دیا تھا۔ وہ خیر دین کی زمین واپس لینے کے لیے سیس کرنا چاہتی تھی۔ وہ زمین جس کو خیر دین، جس بھی بھولا تھا نہیں ہمیشہ بھولنے کی کوشش کرتا رہا تھا..... لیکن رزقِ حلال پر ڈالا ہوا ڈاکا کسی انسان کو نہیں بھولتا..... خیر دین نے بھی وہ زمین نہیں اپنی ساری زندگی محنت سے کمایا اور بچایا ہوا رزقِ حلال گنوا لیا تھا..... وہ بھی تب جب وہ پانی پانی کا محتاج تھا..... اور آج اسنے سالوں بعد وہ عجیب عجیبے والی بات کر رہی تھی..... اسنے سالوں سے جا ب میں آنے کے بعد وہ ایک بار بھی گاؤں نہیں گئی تھی..... خیر دین اب گاؤں آنے جانے لگا تھا اور گاؤں میں اب وہ اس کا شاندار استقبال ہوتا تھا۔ وہ اپنے بھائیوں اور ان کی اولادوں کے اصرار کے باوجود وہاں کی کھر نہیں ٹھہرتا تھا بلکہ اسنے اسی دوست کے پاس ٹھہرتا تھا جہاں اس نے مشکل وقت میں پناہ لی تھی۔ اسنے خاندانی گھر میں نہ ٹھہرنے کے باوجود اس سے کہاں سے گزرنے ہوئے اس گھر کے دروازے پر وہ نیم پلٹ و گھبرائی تھی جس پر عکس مراد علی کا فوراً نام اس کے عہدے کے ساتھ لکھا ہوا تھا اور وہ علی بڑے نمایاں انداز میں اس گھر کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھی جہاں بھی اس کے، حلیہ اور چہرے کے لیے رہنے کی جگہ تک نہیں تھی۔ خیر دین نے گاڑی رکاوے کے آخر آنکھوں اور مسکراہٹ کے ساتھ وہ سختی دیکھی تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے اسے کئی سال پہلے کی وہ سختی یاد آئی تھی جس پر اس نے بھی ایسے ہی خیر دین انداز میں اپنا نام، اپنا مہد اور اپنے صاحب کا نام بھی لکھوا لیا تھا۔ یہ تینیں وقت زیادہ سے شرم سے یا انسان..... جو رگرت بدلنے میں اپنا ہی نہیں لکھتا خیر دین انداز میں لگی ہوئی وہ سختی دروازے پر تینیں انسان کی بے غمیری پر لگتی تھی..... خونی لٹے لٹے نصف و نصف طوائف جیسی اور سختی و فاداری بھی نہیں دکھاتے..... کتا نہیں لیس ماوہ پرستی پر یا بیچ بازار میں

اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ عکس مراد علی کو نظر انداز کرنا بے حد مشکل تھا اور اس کو پسند نہ کرنا اس سے بھی زیادہ دشوار۔

برآمدے کی انٹرنل پر ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے وہ دونوں شہر بانو کی فوٹو فریم کا حصہ لگے تھے۔ ایک پر ٹیکٹ بیکر..... دراز قد، افریکو، براعتاد، اسارت..... سیاہ لباس میں بلبوس وہ ایک ایسا چلک بگ رہے تھے جو کھر سے نکلے ہوئے toe سے top تک پر ٹیکٹ پیچنگ کر کے آئے تھے۔ کوئی بھی ایک نظر میں دیکھ لیتا کہ عکس کے ہونٹوں کی لب اسٹک کا رنگ شیر دل کی نانی کے رنگ کا ایک حصہ لگ رہا تھا..... شہر بانو نے بھی ٹوٹس کیا تھا..... ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے کسی رشتے اور تعلق کے بغیر بھی ان دونوں کی پاؤں لٹکوتج میں ایک عجیب نمکسیری تھی..... ایک عجیب شاد ربط اور تعلق تھا۔ جس کو نہ چھپانے کی کوشش کی تھی۔ نہ دکھانے کی..... لیکن وہ پھر بھی چھپ چھپ کے دکھ رہا تھا۔

شہر بانو ابھی تھکی..... اور پھر چاہتے کے باوجود وہ عکس سے ویسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کر سکی جو وہ کرنا چاہتی کی جو وہ دوسرے مہمانوں کے ساتھ کر رہی تھی اور عکس نے یہ محسوس کر لیا تھا۔ وہ نے تلے انداز میں اس کی طرف بڑھی اور عکس نے بھی اس کا ہاتھ اسی احتیاط سے پکڑا تھا جس سے وہ بے ہوا بچا گیا تھا۔ اسے اسکول میں اپنا اور باربی ڈول کا پہلا آمتنا سامنا یاد آیا تھا..... وہ تب بھی اسی طرح کی تھی اس سے..... ڈرتی، بھجتی، چھپتی.....

شہر بانو نے عکس مراد علی کے ہاتھ کی نرمی اور حد تک بیک وقت محسوس کیا۔ دونوں کی نظریں ملیں عکس کو اسے نظریں ملانے میں کوئی کام نہیں ہوئی۔ چار سال کی وہ بچی اسے بھی نہیں پہچان سکتی تھی۔ ”آپ کیسی ہیں؟“ شہر بانو نے اسے کہتے سنا۔ اس کی آواز کی ملاحت نے شہر بانو کے وجود کی سرمہری کو عجیب انداز میں چمکایا۔

”کی کوشش کی۔“

”I 'm fine, how are you“ عکس نے جواباً ایک دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ دونوں کا ذہن بیک وقت blank ہوا تھا۔ اگلا جملہ دونوں کے پاس نہیں تھا۔ شیر دل اب کھڑے کے ساتھ اندر جا رہا تھا۔ شہر بانو کو جیسے ایک عجیب اطمینان ہوا تھا اس فوٹو فریم کے ایک حصے کو وہاں سے ہٹے دیکھ کر۔

”شیر دل سے بہت تنا ہے میں نے آپ کے بارے میں..... گفتگو کا ٹوٹا سلسلہ جوڑنے کی کوشش عکس نے کی تھی۔

”اچھا.....؟ میں نے آپ کے بارے میں کبھی نہیں سنا۔“ عکس اس کی بات پر مسکرا دی۔ وہ چاہتی تھی شہر بانو نے اسے کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی اور وہ چاہتی تھی شہر بانو بھوت بھی نہیں بول رہی تھی۔ شیر دل اس کا ذکر شہر بانو سے کبھی نہیں کر سکتا تھا کسی بھی حوالے سے نہیں کر سکتا تھا..... کرنا تو عکس مراد علی کو شک لگتا..... وہ اس کی گرل فرینڈ نہیں تھی، وہ اس کا انگریج بھی نہیں تھی، وہ اس کی بیوی بھی نہیں تھی، وہ اس کی دوست بھی نہیں تھی..... اس کے باوجود وہ شیر دل کا سب کچھ تھی..... اس کا وہ راز جو ایک شیر دل ہمیشہ چھپاتا رہا تھا ہمیشہ جیسا سکتا تھا..... ایک نو سالہ بچے کے طور پر بھی وہ چڑیا guard کو کر سکتا تھا۔ ایک adult

تھا ہے۔ جب تم کالج گئی تھیں تو تم اس گاؤں سے کالج جانے والی پہلی لڑکی تھیں پھر اس گاؤں سے امتحانات میں ٹاپ کرنے والی واحد لڑکی۔ ڈاکٹر بننے والی پہلی لڑکی۔ اسٹنٹ کمشنر بننے والی پہلی لڑکی۔ سی ایس ایس کے امتحان میں ٹاپ کرنے والی پہلی لڑکی۔ یہ سارے کوئی چھوٹے اعزاز تھوڑی ہیں۔ پاکستان میں کتنی لڑکیاں ہیں جن کے پاس اتنی قابلیت ہوگی اور اس قابلیت کا صلہ بھی۔۔۔ خیر دین بچوں کی طرح خوش ہوتے اسے اسے اعزاز تو کتنا رہا۔ چائیں وہ دن میں کتنی بار چڑیا کی ان کا میاں یوں گوشت کھن کر چلا تھا۔ ”ایک دن تم اس گاؤں سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے لڑکی ہوگی اور کھڑے بننے والی بھی۔“ عکس خیر دین کی اس چٹائی پیش گوئی پر ہنس دیتی تھی۔

”نانا پاکستان میں عورتوں کو ڈیڑھ گھنٹہ پہلے کھڑا کرنا نہیں مانتے۔ ہمیں دو ڈیڑھ چلانے کے لیے نہیں دیا جاتا۔“ اس نے جیسے خیر دین کو کھانے کی کوشش کی تھی۔ ”سندھ میں شاید ایک آدھ خاتون آفریقہ کو پچھلے عرصہ کے لیے ڈیڑھ گھنٹہ کے طور پر تعینات کیا گیا تھا لیکن وہ بھی بہت کم عرصے کے لیے۔“ آپ اور خواب نہ دیکھیں میرے بارے میں۔“

”ایک دن آئے گا کہ یہ بھی ہوگا تم دیکھ لیں چڑیا تم کو ڈیڑھ گھنٹہ بھی ہوگی اور کھڑے بھی۔ لیکن شاید تب تک میں نہ رہوں۔“ خیر دین کو بات کرتے کرتے یک دم خیال آیا۔

”آپ اس بات کو چھوڑیں یہ بتائیں دروازے پر کسی اسحق پر کیا لکھا تھا؟“ عکس نے بڑی مہارت کے ساتھ خیر دین کو بھیجے اور اس ہونے سے روکا۔ وہ اب اکثر اپنی موت کا ذکر کرنے لگا تھا۔

”اس حق پر لکھا تھا ڈاکٹر عکس مرا کسی امرالہ کی بیوی خیر دین۔ اسٹنٹ کمشنر اسلام آباد۔“ خیر دین بچوں کی طرح بہلا اور اسے اس حق پر لکھی تحریر فرماتا۔ لگا۔ عکس نے کام کرتے کرتے اپنا ہاتھ روک دیا اور خیر دین کا چہرہ دیکھنے لگا۔ وہ جانتی تھی اس نے خیر دین کو زندگی میں بچنے کے لیے ہٹا رکھے دیے تھے۔ اس نے خیر دین کی جھولی کو بھردیا تھا لیکن زندگی میں جو کچھ خیر دین نے اس کے لیے کیا تھا وہ اس سے بہت زیادہ تھا جو اس کے لیے کر پائی تھی۔ وہ جانتی تھی خیر دین کی زندگی کا اب آخری حصہ اس کے پاس تھا اور وہ اس آخری حصے کے زور جانے سے پہلے خیر دین کے زندگی کے کھوئے ہوئے اٹانے بھی لوٹا دینا چاہتی تھی اسے۔ کم از کم وہ چیزیں جو خیر دین نے اس کی وجہ سے کھوئی تھیں۔

اور کئی سال بعد یہ پہلا کام ایسے کی ایک کڑی تھی۔ ”مڑے مردے اٹھانے کا قاعدہ۔“ اس رات جب اس نے بالآخر خیر دین کو یہ بتایا تھا کہ وہ زمین واپس لینے کی کوشش کرنا چاہتی ہے تو خیر دین نے اس سے کہا تھا۔

”وہ مڑا مردہ نہیں ہے۔ ہمارا حق ہے۔ اور اسے حق کے لیے آواز اٹھانی چاہیے۔ جدوجہد کرنی چاہیے۔ ہمیشہ آپ ہی سکھاتے رہے مجھے یہ بات۔“ عکس نے ہدایت جیسی سی اس سے کہا۔ وہ عکس کی بات پر کچھ دیر بول نہیں پایا۔

”میں بیٹھے بیٹھے زمین کا خیال کیسے آگیا؟“ خیر دین نے جواب اس سے پوچھا۔

”آپ خیال نہیں آیا۔ ہمیشہ سے خیال رہا ہے مجھے اس کا۔ آپ کو یاد ہے میں نے آپ سے کہا تھا میں ہاں ملنے کے بعد دو کام کروں گی۔“ عکس نے مسکراتے ہوئے اسے کئی سال پہلے کی کہی ہوئی اپنی بات یاد

جمع اکٹھا کر کے مدتی تقریریں کر کے نعرے لگوا لیں یہ وہ بیماری ہے جس کا کوئی حل نہیں۔ جسم کی بیماریاں ہوں تو کوئی علاج کوئی حل نکلتا جو کس کو لگ جائے وہ کیسے ختم ہو۔

وقت خیر دین کو دینا سے جانے سے پہلے سارے قماشے دکھا دینا چاہتا تھا اور وہ دیکھ رہا تھا۔ بعض سختیاں انسان کا دل بوجھ کر کرتی ہیں۔ عکس مراد علی کے نام کی تختی نے اسے خیر دین کا دل اس طرح بوجھ کر دیا تھا۔ ہر بار گاؤں جانے پر ایک بار پھر اس کے پاس قاشق رستے اور درختیں لے کر آئے وہ لے لوگوں کا ہتھکڑا لگنا شروع ہو گیا تھا۔ خیر دین چپ چاپ ہاتھ پاؤں کو دے دیتے اور درختوں کو اکٹھا کرتا جاتا اور پھر واپس آکر عکس کے سامنے رکھ دیتا۔ درخت لگنے کی دن اور درختوں کی منظوری اور ان پر عمل درآمد کے لیے بھاگ دوڑ میں مصروف رہتی۔ اس نے بھی ناکاوی یاد دلانے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ جن لوگوں کی مدد کے لیے اس سے کہہ رہا ہے بہت بدمذہب اور بدعنوان ہے جس بھجور ہے جنہوں نے ان لوگوں کی زندگی کے مشکل ترین دنوں میں ان کی رسوائی اور برہاد کی قماش پڑی دیکھی سے دیکھا تھا اور کسی نے آگے بڑھ کر ان کے حق کے لیے ان کی مدد کے لیے آواز نہیں اٹھائی تھی اور وہ آج بھی صرف ان کے اچھے دنوں کی جھاد سے لطف اندوز ہونے کے لیے ان کے پاس آتے تھے۔۔۔ وہ بدہمتے تھے نہ ان کا ضمیر نہ ان کا ضمیر۔ مگر خیر دین کو یہ سب یاد دلانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اور عکس کو اپنا وقت ضائع کرنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔

”تم بڑے نصیب والی ہو چڑیا۔“ خیر دین نے ایک بار گاؤں سے آنے کے بعد عکس کے پاس بیٹھے ہوئے اس کا چہرہ دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ ان دنوں اسٹنٹ کمشنر کے طور پر اسلام آباد میں پڑھائی اور خیر دین گاؤں سے سیدھا اسی کے پاس آ گیا تھا۔ وہ شام کے وقت اپنا چھوٹا کھانا لے کر آئے ہوئے ساتھ خیر دین سے گاؤں کے نصے میں رہتی تھی جب اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے خیر دین نے یک دم اس سے کہا۔ اس نے کام کرتے کرتے مسکرا کر ایک نظر خیر دین کو دیکھا اور پھر اپنا کام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”یہ بیٹھے بیٹھے آپ کو میرے خوش قسمت ہونے کا خیال کیسے آگیا؟“

”اللہ تعالیٰ نے تمہیں جتنی عزت دی ہے۔ اس قابل بنایا ہے کہ تم لوگوں کے لیے کچھ کر سکو، گاؤں والے گھر میں درجنوں بیٹے، بچیاں ہیں لیکن اس گھر کے دروازے پر کسی مرد کا نام نہیں ہے۔ بلکہ تمہارا نام ہے۔ اس پورے گاؤں میں کسی گھر کے دروازے پر کسی عورت کا نام نہیں لکھا ہوا سوائے تمہارے نام کے۔ اور ہر کوئی چٹیل یا رجب بھی اس دروازے کے سامنے سے گزرتا ہے تو رک کر اس حق کو ضرور پڑھتا ہے۔ میں تو ہر باری رک کر اس حق کو پڑھتا ہوں۔“ خیر دین بات کرتے کرتے آخری جملے پر ہنس کر شریا تھا۔ عکس کو اپنے نانا پر عجب مایا بنایا۔ وہ اس سے جیسے کوئی گہرا رازیں کر رہا تھا۔

”نانا میرا نام نہیں ہے۔ میرا عہدہ ہے جس کی وجہ سے اس گھر کے ماتھے پر میرا نام لکھا گیا ہے۔“ عکس نے اسے کام میں مصروف کر دیا۔ ہونے کی تاثر کے بغیر اس کو بھیج دیا۔

”یہ عہدہ بھی تمہاری ہی قابلیت ہے۔ گاؤں میں ہے کسی کے پاس یہ عہدہ؟“ کسی عورت کے پاس تو کیا کسی مرد کے پاس بھی نہیں ہے۔“ خیر دین اس کی بات کے جواب میں عجیب انداز میں جذباتی ہو گیا تھا۔ عکس مسکراتے ہوئے کام کرتے ہوئے خیر دین کی بات سنتی رہی۔

”گاؤں میں کیا پورے ضلع میں کسی اور عورت کے پاس یہ عہدہ نہیں ہے۔ اللہ ہر ایک کو عہدہ کہاں

لیکن کیوں؟“ عس نے بھی سنجیدگی سے پوچھا۔ ”آپ اپنی زمین جانتے بوجھتے انہیں دے دینا چاہتے

’مجھے یقین نہیں ہے کہ مجھے میری زمین مل سکتی ہے۔‘

”میں نے آپ سے کہا ہے آپ اس بات کی فکر مت کریں۔ آپ کو آپ کی زمین مل جائے گی اور کسی طویل عرصے کے بعد آپ کو یہ بھی ملے گی۔“ عکس نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

”زمین بل بھی تو تھیں اب اس عمر میں، میں نے اس زمین کا کیا کرنا ہے..... میں بل چسکا ہوں، نہ وہاں گھر بنا سکتا ہوں۔“ خیر دین اس سے انھیں ملانے بغیر کہہ رہا تھا۔ ”اور چاہا اب میرے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔ دکان ہے جس کی قیمت اب ایک کروڑ سے بھی زیادہ ہوئی ہے۔ اپنا ذاتی ڈبل اسٹوری گھر ہے۔ گاڑی ہے، دکان سے براہ راست آمدنی ہوتی ہے کہ ایک مہینے کی آمدنی سے بھی میرا پورا سال گزر سکتا ہے۔ تمہارے پاس اتنی اچھی نوکری ہے، تم بھی اپنا کماٹی اپنا کھاتی ہو۔ تو ہمیں اس چیز کو دوسرے سے چھیننے کی کیا ضرورت ہے جس سے کسی کے گھر کا چولہا جلتا ہو۔“ خیر دین کچھ رنج کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ ”اس زمین کے ٹکڑے سے حاصل ہونے والی آمدنی میں بھی اتنی بڑی فیس نہیں ہوتی کہ وہ میرے بھائی جان، ان کی اولادوں اور ان کی اولادوں کی اولادوں کو روک دے۔ وہ آج تک اسی پرانے خستہ حال گھر میں رہ رہے ہیں۔“ زمین کا بھنگولان ان کے پاس رہنے سے بھی ان کے پاس وہ بڑی فیس آسکتی جو اللہ نے ہمارے رزق میں دی ہے۔“ خیر دین بڑی جھجک اور دوسوڑی سے کہہ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا جس کے ٹکڑے کی۔ گیس سے انے نہیں ٹوکا تھا وہ کچھ خاموش اور محسوس سے خیر دین کی بات سنتی رہی تھی۔ جب خیر دین خاموش ہوا تو اس نے اس سے کہا۔

آپ بات ختم کر لیں پھر میں بات کروں گی۔"

”زندگی بہت قیمتی شے ہے چڑیا..... زندگی کا مقصد انتقام اور بدلہ بنانا اسے کوڑیوں کے بھاؤ بیچنا ہے۔“

مکس بے اختیار خیر دین کی بات پر مسکرا دی..... خیر دین نے چاندی کے ورق ٹھیکر لپیٹ کر اسے جو بات بھی سمجی وہ اس کا مطلب اور اشارہ بخوبی جانتی تھی۔

اپنی کڑی کڑی ہے ہو کر اس نے خرد دین کے ہاتھ کو بڑی نری سے دونوں ہاتھوں میں لیے ہوئے ہے۔
 کیا آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ میں آپ کی تربیت کے بعد اپنی زندگی کو سازشوں اور انتقام لینے میں مشغول
 رہا ہوں؟ کیا آپ واقعی یہ سمجھتے ہیں کہ میں اپنے دن رات ان چیزوں اور ماضی کے اس
 baggny کے بارے میں سوچتے ہوئے گزارتی ہوں؟“ خرد دین نے کچھ اچھے سے اس کا چہرہ دیکھا
 تھا۔

”نہیں میں کبھی ڈاکٹر عکس مراوٹی سے یہ توقع نہیں کر سکتا۔“ وہ ہنس دی تھی۔ خیر دین اس کا اس طرح نام لانا ناوری ہی لیتا تھا۔

"ناتوان مقام لینے میں اور احسن طریقے سے اپنا حق لینے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ میں جانتی ہوں آپ کو آپ کی بات ماننے پر مجبور کیا جائے گا، لیکن میں جانتی ہوں کہ اگر آپ کو آپ کا حق مل جائے تو وہ بددیانتی اور بدنیتی سے چھینا گیا اور میں جانتی ہوں میں آپ کو آپ کا حق دلوا سکتی ہوں۔"

دلائی۔

”یہ پہلا کام تھا تمہارا جو تم کو کرنا چاہتی تھیں؟“ خیر دین ہنس دیا تھا۔

”ہاں یہی پہلا کام تھا۔“ وہ بھی مسکرائی۔

”اور دوسرا کام؟“ خیر دین نے اس سے پوچھا۔

”ابھی ہم پہلے کام کے بارے میں بات کر رہے ہیں نا تا۔“ جس نے حمزہ دین کو بات ہمارے بیس دی۔

”دیکھو چڑیا میں اس عمر میں کورٹ پجھری کے دھکے نہیں کھانا چاہتا۔ اس نے سیر دین کی بات کاٹ دی۔“

”آپ سے کس نے کہا آپ کو کورٹ چھری کے دھلے لھانا پڑیں گے؟“

”ہمارے پاس اس زمین کا کوئی کاغذ تک نہیں ہے..... کوئی بیوت لونی لووا نہیں، ہم یہ ثابت کریں گے

۵۰ ہماری زمین ہے ہم سے چھینی گئی ہے۔“ حیرت دینے والے اسے مجھائے کی کوس کی سی۔ اس کا خیال تھا چریا

ت میں آکر پچھلے حقائق نظر انداز کر رہی تھی۔ وہ یہ بھول گیا تھا کہ چڑیا جی بی جذباتی نہیں رہی تھی۔ اس پہلے

کو کرنے سے پہلے وہ بہت سا ہوم ورک کر چلی تھی بہت سی سرسبز لگا چلی تھی۔ اسے اس معاملے کے پیچیدہ

وہاں کا خیر دین سے زیادہ ادراک نہ ہوتا تو وہ جاب پر پوسٹ ہوتے ہی زمین کے اس ٹکڑے کی ملیت سے

ہنگ و دو شروع کر دیتی کیلن اس نے یہ نہیں کیا تھا اس نے مناسب وقت کا بڑے س لے سا اظہار کیا تھا۔

پروموشن کا..... اپنے جونیئر سے سینیئر آفیسر ہونے کا..... اپنے طاقتور ہونے کا..... اور وہ بالکل سن وقت پر تھ

ہے وہ محاذ کھول رہی تھی۔ وہ انھیں بند کر کے اندھا دھند اس جنگ میں دس لوگوں کی تھی۔

”نانا آپ اس کی پروا مت لیں، ان چیزوں کو آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ اس نے میرے دین کو بڑے

بنان کے ساتھ سلی دی گئی۔

”تم اپنا وقت بے مقصد کاموں میں ضائع مت کرو۔ میرے دین کے لیے اسے دانا تھا۔ وہ میرے دین کی دولت ہے۔“

...دی گئی۔

”نانا یہ بے معصوم کامیے ہے؟ اس نے جوا بابر دین سے پوچھا۔

”بس کام کا کوئی نتیجہ نکلے گا امکان نہ ہو اس پر وقت ضائع کرنا ہے محمد بنی ہے پر دینا بہت

پیدہ ہو گیا۔ ہم اس طرح کا کوئی کام شروع کر دی تو پورا حاکمان ایک بار آپرے ہمارا دل ہو جائے

.....سے میری دینی بات بڑے س سے کہات دی۔

”نانا وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ وہ لیدر ہیں سیریں۔ صرف اندھیرے میں اس طرح نقصان پہنچا سکتے ہیں۔“

اور ہمارا اندھیرا سم ہو چکا ہے۔ وہ بڑی مجیدی سے میر دینا سے لہہ رہی لی اور آپ کو اس پر یہ لکھا ہے

میں نے اپنے لیے بعد وہ نام سے میں جوں م سردیں سے ہونا میں اپ ویسے میں ہوں وہ یہ میں میں کری

۷۔ وہ آپ سے پہلے ہی کی خبریں سن رہی تھیں، آپ کو اس خبر میں کی وجہ سے اپنی سے ایک بار پھر کے پھر

لے گا اور ہے لومٹ ڈریں۔ وہ اب آپ کو پھورنا اور دین کرے۔ ہر دین ایک بار پر مبارک ہو یا سب

سے اندازہ نہیں تھا وہ اس کے لاسور میں ہوں تک پہنچی ہوئی یہ وہ چھ کی پر تھک رہی تھی جو وہ اپنے اپنے اپنے

پارہا تھا۔ ایک صوفی حاکم نے اس سے کہا۔

میں اپنے حادان دلوں پر قانون کی اڑا میں چلاؤں گا۔ میں بڑے بڑوں کا سرور میں۔

”یہ جیسا ہی تو نہیں ہو رہی۔“ وہ بار بار عکس کے کانوں میں سرگوشی کرتا۔ ”اصلی کام ہے؟“
 ”جی ہاں..... بالکل اصلی۔“ وہ ہر بار مسکرا کر اسے جواب دیتی۔

"ہاں نا..... بالکل اصلی۔۔۔ وہ ہر بار مسکرا کر اسے جواب دیتا۔ چاند گھٹوں بعد بخوار اور قدامت مغفلہ لوگوں کے جانے کے بعد بھی خیر و عیب اچھے کے عالم میں زمین واواؤ کاغذات دیکھا کہ جواسے خواب لگ رہے تھے۔ یہ انہیں اس نے ان کا کائنات کو کسی بانگول پر بڑھا تھا۔ یہاں سے نکلتے ہی بڑی مصعومت سے کہا۔

”اب کل میں اس زمین پر جاؤں گا؟“

”نہیں نانا..... کل ہمیں کہیں اور جانا ہے۔“ عکس نے جواباً کہا۔

اور اگلی صبح وہ عکس کے ساتھ جہاں گیا تھا اس جگہ نے بھی اس کے بہت سارے زخم ہرے کر دیے تھے۔

وہ اپنی سرکاری گاڑی میں پولیس انسپکٹ کے ساتھ اسی پولیس اسٹیشن میں گئی تھی جہاں کئی سال پہلے خیر

ایک صبح حوالات کے پیچھے اٹھوا کر پھنکوا دیا گیا تھا۔ متعلقہ تھانے کے ایس ایچ او نے اپنے عملے کے ساتھ

کے کیٹ پران کا استقبال کیا تھا۔ انہیں بڑی عزت و احترام سے لا کر ایس ایچ او کے آفس میں بٹھایا گیا۔

یہیں آج اومر تھا کہ وہ اس کی لڑکی پر لٹریف ریل اور یہ پیش س مس نے سربے کے ساتھ رو لڑکی

ایشٹن، ایئر کپتان، وہ خود اپنی کتاب میں بتا جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر حملہ کیا گیا۔

ایک دن پہلے درج کرائی گئی الف آئی آر کے تحت جس کے مارے میں خیر دین کو علم نہیں تھا اور نہ وہ

سکون لوگوں کے خلاف قانونی کارروائی نہ کرنے دیتا لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ زمین کاغذات پر

کے نام ہو جانے سے اس کی ملکیت نہیں ہوتی۔ زمین اس کی ملکیت ہوتی ہے جس کے قبضے میں ہوتی

لس اس سٹم کی موٹھکائیوں کو اپنے بوڑھے نانا سے زیادہ بہتر طریقے سے جانتی تھی لیکن خیر دین اپنے

داروں کو وہاں پولیس اسٹیشن میں دیکھ کر شکوہ کیا۔ ایس ایچ او اب ان لوگوں سے اسی طرح مخاطب

طرح کئی سال پہلے اس تھانے میں وہ پرانے ایس ایچ او نے خیر دین اور عکس سے بات کی تھی۔

سچ ادا نے حیرت دین کے دو بھائیوں اور دو بیٹیوں کو یہ کہا تھا کہ وہ حوالات میں موجود اپنے تمام رشتے

سے مشورہ کرنے کے بعد یہ طے کریں کہ انہیں جگہ سازی اور فراڈ کے مقدمات چھلانے ہیں یا

سے زمین سے دسبردار ہو کر صفا کسری ہے۔ وہاں موجود چواری نے اپنے کھانوں میں سے
کے اصلی کاغذات ان لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے ان کے پاس موجود رجسٹر کو جو عیسائی کا

اور ہوا تھا۔ وہ اس بات پر مطمئن تھے کہ انہوں نے ایک بھاری رقم دے کر زمین خیر دین سے خرید لی

ایس ایچ او نے ان کے کاغذات پر موجود خیر دین کے انگوٹھے کے نشانات کو جعلی قرار دیا تھا کیونکہ

ہوئے۔

پادری کے پاس زمین کے اس انتقال کا جو ریکارڈ تھا وہ بھی جعلی تھا کیونکہ خیرودین کے بھائیوں میں سے

امین بن کر پواری کے پاس پیش ہو کر رشوت کے کچھ پیسوں کے عوض اس کی زبان بندی اور کاغذات

۴۶ بی کروا آیا تھا لیکن اس تمام چکر بازی میں اس قدر جھول تھے کہ عکس جانتی تھی وہ اگر مقدمہ لڑی تو وہ

آپ کاؤں کے اتنے لوگوں کے سفارش رتے اور درخواستیں لے کر میرے پاس آتے ہیں اور مجھے ہر وقت یہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا کچھ بچ رہا ہے اور میرا فرض ہے ان کی خدمت کرنا..... مجھ پر آپ کا بھی بھروسہ ہے۔“ خیر دین اس کی بات سنتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

”حم کرنا بہت اچھی بات ہے..... نیکی کرنا، سخاوت کرنا، رشتے داروں کا خیال رکھنا سب اچھا ہے لیکن جس طرح سے آپ کام کرنا چاہتے ہیں وہ اچھا نہیں ہے۔“ وہ اب بہت شہیدہ ہو گئی تھی۔ ”آپ اس گاؤں میں

ایک بہت غلط اور خطرناک مثال قائم کر کے چھوڑنا چاہتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ اس گاؤں میں خاندان والے

جس کو فرور اور ہنس پائیں اس کا حصہ بن کر اٹھ جائیں یہ وہ کہو گریب ہیں اور پچھلے میں چمک رہے ہیں۔
نا انسانی کی کسی تلافی نہ کی جائے۔۔۔۔۔ آپ غریب کو برائی کا لکسنس دینا چاہتے ہیں سخاوت اور رحم کا نام دے

کر..... اور آپ بہت بڑی کسی کر رہے ہیں۔ وہ بے حد مجیدی سے اپنی جارحی کی بیرونی عکاسی سے اسے
باتیں سن رہا تھا۔

”میں جتنی ہوں ہمیں وہ زمین ضرور واپس لینی چاہیے، اس گاؤں کے لوگوں کے لیے یہ بہت بڑا نیا ہوگا۔ آپ اپنے بہن بھائیوں اور ان کے بچوں کو بھوکا نہ چاہئیں دیکھ سکتے ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں ضرور کریں۔“

زمین لینے کے بعد ان کی مائی مدد کریں کہ وہ کہیں اور زمین کے لئے کیا ماہانہ پچھرم نہیں دے دیا کریں۔ ان کی مدد کریں لیکن ان کے ظلم اور زیادتی پر کسی کی چادر نہ ڈالیں..... خدا نہیں ہیں اور ہم انسانوں کے رازق بھی

نہیں ہیں۔ ہم ان سے صرف وہ چیز لے رہے ہیں جو ہماری ہے..... انسانوں کو برائیاں کرتے ہوئے یہ ضرور موحنا حاکم سے اس کا بھی ایک اجر ہوتا ہے۔ اس کی بھی فیصل کاغذی برقی ہے۔ میں نہیں سمجھتی اس زمین کو اپنا گھر نہ

لین ایک اچھا فیصلہ ہے..... لیکن وہ آپ کی زمین ہے اور آپ جو فیصلہ کریں گے بہتر ہوگا۔“ خیر دین کے پاس بیٹھی خاموشی کے سوا بہت دیر تک کچھ نہیں بول سکتا تھا۔ عکس بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی لیکن ایک مشکل کام کرنے کو کہہ رہی تھی

وہ بہت دیر ایسے ہی چپ بیٹھا رہا تھا۔ یہ بڑھا ہوا تھا جو اس کے حواس کو کمزور کر رہا تھا یا پھر جس کی

وہل..... دیر دین کو بھانجا جانی کی اور اس سے بیرونی دنیا کو جاننے والے اور دنیا سے بے خبر ہونے والے کے درمیان
 سامنے کھڑے ایک دیے تھے۔ ایک وقت تھا جب وہ اس کی انگلی پکڑ کر چٹکی تھی، خیر دین اسے رستہ دکھایا کرتا تھا اور

اب حیرت میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی رہنمائی میں پسپے لگا دیا۔

پہلے ہی پوری تھی۔ عس کا ایک بیج میٹ اس صلے میں ڈبی کھنکھنے کے طور پر فائز تھا اور وہ بہت سے احکامات پہنچنے لگے۔
وے چکا تھا۔ وہ دونوں اس باروہاں کے ایک ریٹ ہاؤس میں ٹھہرے تھے۔

ان کے وہاں پہنچنے کے چند گھنٹوں میں ہی علاقے کا پورا ہی اپنے پیچھے کھاؤں سمیت وہیں ریست ہاؤس میں آ گیا تھا۔ اس کے کھانوں میں خیر دین کی زمین کا ریکارڈ بھی موجود تھا۔ عکس کے اسٹاف کا ایک شخص پہلے ہی

اس شخص کو بھی وہاں لاپتہ تھا جس سے خیردین نے وہ زمین خریدی تھی اور وہ گواہی دی وہیں موجود تھے جنہوں نے خیردین کی ملکیت زمین کے کاغذات پر دستخط کیے تھے۔

چند گھنٹوں کے اندر خبر دین کی زمین واپس اس کے نام غفل ہو چکی تھی..... کوئی کاغذی ثبوت اپنے پاس نہ ہونے کے باوجود..... خبر دین نہ کر سکا تھا۔ وہ ان کاغذات برائعوں کا گناہ ہے جیسے یہ ہو بھلا تھا۔

وہی کام کرنا چاہتی تھی جس کا نشانہ وہ اور خیر دین کی سال پہلے بنے تھے۔

عکس

نہروں کے ان دو بھائیوں اور بیٹیوں نے ایک ڈیڑھ گھنٹے کی بات چیت کے بعد بھی یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ مقدمہ لڑیں گے، اس طرح آسانی سے اس زمین کو اپنے ہاتھوں سے جانتے نہیں دیں گے جس پر ان کی بھانجا کا دارا مدار تھا۔ عکس کو ان سے یہی توقع تھی کہ وہ گاؤں دیہات کے ان پڑھ لوگ تھے جن کے لیے عزت کا ہر سرازین سے شروع ہو کر زمین پر ختم ہوتا ہے۔ عقدے، جھگڑے، مارا پیٹا ان کے لیے نئی بات نہیں تھی، نہ ہی خاندان کی بکھری کوئی نئی چیز۔ عکس کے پاس پلان ہی پہلے ہی تھا۔ دارا خیر دین کی زمین سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھے اور بات کو وہ کورٹ بکھری تک لے کر جاتا چاہتے تھے تو پھر کورٹ بکھری میں فیصلہ صرف اس زمین کا نہیں ہوگا جو خیر دین کی ملکیت تھی بلکہ خیر دین خاندان کی ہر اور اپنے باپ کی ملکیت زمین میں سے بھی اپنے حصے کے لیے مطالبہ کرنے گا۔ خیر دین کے بھائیوں کے لیے یہ ایک بڑی پریشانی کی خبر تھی کیونکہ خیر دین نے اس سے پہلے بھی اپنے خاندانی گھر یا خاندانی زمین میں سے اپنے حصے میں دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔ قانونی طور پر وہ اب بھی اپنی اس جائداد میں سے دارا خیر دین کے حصے پر صرف ہمیشہ سے اپنے بھائیوں کے لیے اس جتنی ترحم تھا جس نے خیر دین کو اپنے حصے پر دھوکے سے روکا تھا۔ اس کے بھائی اس اچھی سرکاری نوکری میں اور وہاں سے جو کما کر ہاتھ اور اس سے بہت زیادہ اور بہتر جتنا اس کے بھائی کی گاؤں میں اپنی خاندانی زمین پر کاشت کاری کر کے کما رہے تھے۔ خاندانی گھر کا معاملہ کچھ ایسا ہی تھا۔ اس لیے چوڑے اٹھالے میں سے ترقی سے بنائے گئے کچے کچے گھر میں یہ مشکل اس کا خاندان سہا ہوا تھا۔ وہ ان سے حصے کا مطالعہ کرتا تو یہ جیسے کسی کے جسم پر موجود کپڑوں میں سے کوئی کپڑا اٹا لیتا تھا۔ اور خیر دین اپنے خونی رشتوں کو ٹکنا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ ایک کھار گاؤں آنے پر اسے چند دن کے لیے اس گھر میں خوش دلی سے رکھ لیا جاتا تھا اور یہ خوش دلی اس لیے بڑی زیادہ تھی کیونکہ اس زمانے میں خیر دین کی بارہا اپنے بھائیوں کو زانیہ طور پر تعین دہانی کر دیا تھا کہ اسے اپنے باپ کی جائداد میں سے اپنا حصہ نہیں چاہیے وہ اس سے دستبردار ہو جائے گا لیکن اب اچانک عکس کے منہ سے اس زمین اور گھر کا اس کران لوگوں کو کچھ نہیں پڑ گیا تھا۔ نہ صرف ان لوگوں کو بلکہ خیر دین بھی بے حد ہوجھکا ہو کر عکس کا چہرہ دیکھنے لگا تھا۔

وہ ان کے سامنے ایک اور حال چھڑا کر خیر دین کو ساتھ لے وہاں سے اٹھ کر واپس ریسٹ ہاؤس آگئی تھی۔ ریسٹ ہاؤس پہنچتے ہی خیر دین نے عکس سے وہی کہا جس کی وہ توقع کر رہی تھی۔
 ”کیا ضرورت تھی اس سب؟ میں نے منع بھی کیا تھا تمہیں۔“ خیر دین اب بہت خفا تھا۔ ”انتظار نہ کرو کہ کراہ میں تمہیں قاتل بکھریوں کے دیکھنے کھلاؤں گا۔“
 ”نانا قاتل بکھری میں آتی جاتی رہتی ہوں میری جاب کا حصہ ہے یہ بھی۔“ عکس نے اطمینان سے اسے کہا۔ وہ جانتی تھی خیر دین کو پریشان کرنے والی یہ بات نہیں تھی وہ اگر پریشان ہو رہا تھا تو اپنے بھائیوں اور بیٹیوں کو حالات میں اس حال میں دیکھ کر ہو رہا تھا۔
 ”اپنی عزت کرتے تھے گاؤں میں خاندان میں تمہاری اورتہ نے بیٹھے بٹھائے سب کچھ ڈھونڈ لیا۔“
 بے حد بے چہن تھا۔
 ”نانا مجھے اس سختی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے جو انہوں نے اپنے گھر کے دروازے پر گاؤں میں شو آف کے لیے اٹھائے اس سختی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

خیر دین کو خیر دین کیپ کے لفظ کا مطلب اب سمجھ میں آیا تھا۔ چڑیا بہت سی باتوں پر وہ نہیں سوچتی جو وہ سوچتا تھا یہ وہ ہمیشہ سے جانتا تھا لیکن چڑیا اس کے بہت سے فیصلوں کو غلط اور حقائق سے بھی تھی وہ پہلی بار جان کر رہا تھا۔ تکلیف وہ تھا یہ احساس۔ ساری عمر عقل کی گئی دینے والے کو اگر کوئی یہ کہہ دے کہ میں نے علم میں نقص ہے تو اس پر جو کرے گی وہ خیر دین پر بھی تو زور رہی تھی۔ چڑیا نے فراموشی نہیں کر رہی تھی کہ وہ کوئی زبردستی کرتے ہوئے اس پر اپنا فیصلہ مسلط کر رہی تھی لیکن وہ خیر دین کو خوش نہیںوں کے خوش نما باغ میں بیٹھے نہیں دے رہی تھی۔ اسے بڑی تیز اور تہذیب سے وہ تھا کہ بتا اور دکھا رہی تھی جو خیر دین کو دیکھنا چاہتا تھا۔

”میں اس عرصہ کو دلچسپی نہیں چاہتا۔“ خیر دین نے بالآخر لمبی خاموشی کے بعد بے حد کڑو لہجے میں ایک بار اسی بڑی تاویل پیش کی۔

”نانا دوستوں کے ہمیں میں دشمنوں کو ہالنے سے کھلے دشمن بہتر ہوتے ہیں۔“ خیر دین اس کی بات پر ہنس اٹھا۔ وہ بالکل اسی کی طرح ہنسنے کرنے لگی تھی اسے۔ اور اس کی ہنسنے اس کے دل پر بھی لگی تھیں۔

”مجھے اچھا نہیں لگا اپنے بھائیوں اور ان کے بیٹوں کو اس طرح ہتھیاروں میں حوالات میں دیکھ کر۔۔۔۔۔ جو وہ اپنا خاندان ہے اپنے خاندان کو اسانہ ذلیل نہیں کر سکتا۔“ خیر دین نے بالآخر چڑیا کے سامنے اپنا dilemma رکھ دیا۔

اس واقعے کے حوالے سے لیکن خلاف توقع ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ اس سے ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ انہوں نے اسے ایک ایسی کوئی شادی میں دعوت دی تھی اور جب خیر دین نے خوشی سے بے قابو ہوتے دعوت قبول کر لی تھی تو انہوں نے ساتھ ہی اس کی شادی کی تیاریوں کے لیے کچھ رقم بھی مانگ لی۔ اس کو اس پر قطعاً کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا، اس نے بڑی خوش خوشی بھائی سے اس کی کوئی شادی کے اہم پہلو کا وعدہ کر لیا تھا۔ اپنے بھائی سے فون پر بات ختم کرتے ہی خیر دین نے بڑے جوش و خروش کے عالم میں کون کا نام لیا۔

”تم بالکل ٹھیک کہتی تھیں چڑیا، وہ واقعی اب ہمیں نہیں چھوڑ سکتے۔“ خیر دین نے ساری تفصیلات چڑیا کو بتائیں۔ بعد میں اسے Judgement پر اسے داد دی لیکن تمام تفصیلات میں سے اس نے اپنے بھائی کو یاد جانے والا دم کا وعدہ چھپایا تھا۔

”نانا انہوں نے آپ سے شادی کے لیے کتنی رقم کا مطالبہ کیا ہے اور آپ نے کتنی رقم دینے کا وعدہ کیا ہے؟“ عکس نے خیر دین کی داؤ پر فخر محسوس کرنے کے بجائے بڑے اطمینان کے عالم میں اپنی اسی بیٹی اور ملائم آواز میں اٹھوانے والے انداز میں خیر دین سے پوچھا۔ خیر دین جواب نہ دے سکا۔

”چڑیا تم اونی چڑیا کے چرکے لیتی ہو۔“ خیر دین کی بات پر وہ ہنس دی۔

”چڑیا کے نہیں نانا صرف کوؤں کے۔“ اس نے جواب خیر دین کو کہا تھا لیکن خیر دین سے یہ جاننے پر اصرار نہیں کیا تھا کہ وہ اس شادی میں کیا Contribute کرنا چاہتا تھا۔ خیر دین کے خاندان سے زمین چھین لینے کے باوجود وہ اس خاندان کے مسائل سے واقف تھی۔ مالی طور پر وہ بہت کمزور سماجی حیثیت رکھتے تھے اور پہلے خیر دین اور اب عکس کا نام وہ واحد سہارا تھا جو ان کی عزت و آبرو کا سہارا تھا۔ وہ بڑے قہار اور دو گاؤں کے کیسین نہیں کھلاتے تھے۔ عکس کو اعزاز تھا کہ خیر دین کی مالی معاونت کے بغیر وہ عزت سے اپنی کی بیٹی کو نہیں بیاہ سکتے تھے اور اسے مالی امداد پر اعتراض نہیں تھا۔

خیر دین دو گاؤں میں شادی میں شرکت کرنے کچھ بچھا کر ہوا پہنچا تھا لیکن اسے وہاں یہ دیکھ کر عجیب حیرت ہوئی تھی کہ گاؤں اور خاندان میں اس کا استقبال پہلے سے بھی زیادہ گرم جوشی اور مرحومیت سے کیا گیا تھا۔ اسے عکس کی بات یاد آئی کہ اس نے کہا تھا۔ ”نانا اپنا حق لینے کے قائل ہونے کے بعد گاؤں میں آپ کا زیادہ احترام

”میں جانتی ہوں نانا اور مجھے بھی یہ بات اچھی نہیں لگی لیکن اس کے سوا اور کوئی آپشن نہیں تھا۔ وہ سہ حالات میں ضرور ہیں لیکن آپ اطمینان رکھیں ان پر کسی قسم کا کوئی تشدد نہیں ہوگا۔ اس طرح کا وقتی اور جسمانی تشدد جو انہوں نے آپ پر کر دیا تھا اور نہ ہی ان کے خاندان کی کسی عورت کو تھا۔ ... بلوا گیا ہے جیسے مجھے بلوایا گیا تھا۔“ وہ خیر دین کو بتائیں چاہتی تھی کیونکہ یہ انسان کو جہاں بھی کرے مقسم المزاج بناتی ہے، بہتر سے غلط فیصلے کرواتی ہے، بہت سی زیادتیوں بھی کروا دیتی ہے لیکن خیر دین کو قائل کرنے کے لیے وہی دی جانے والی ہر مثال اس کے دل کو عجیب سے رنج سے بھر رہی تھی اور خیر دین چڑیا کی مثالوں میں چھپی تھی اور تکلیف سے واقف تھا۔

”میں صرف ایک چیز جانتی ہوں نانا اور وہ یہ کہ اگر کم اس گاؤں میں دو بارہ بھی کوئی کسی کو بے بس دیکھ کر اس کے ساتھ وہ نہ کرے جو ہمارے ساتھ کیا گیا اور میں آپ کو ایک بات بتاؤں۔ اس زمین کو وہاں لینے کے بعد آپ کا خاندان اور یہ گاؤں آپ کی زیادہ عزت کرے گا کیونکہ آپ نے اپنا حق قانونی طریقے سے لیا ہے۔ بے بس اور مجبور ہو کر چھوڑ دیں دیا۔“ خیر دین نے ایک بار چھر چڑیا کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔ اس کی دلیلیں اب اسے تو اتار سے لا جواب کرنے کی گئیں۔

رات تک ایسے ایسے اور دوسری باتوں کی طرف سے راضی نامدے نہ کر آ گیا تھا۔ اس کے خاندان پر حیرت کے داؤد آ گیا تھا۔ خیر دین نہیں جانتا تھا کہ جس نے اسے بتایا تھا لیکن اگلے دن اس زمین سے اس کے خاندان کا قصہ ختم ہو گیا تھا۔ پولیس کی نگرانی میں اس زمین کی عہد بندی کروا کر اسے اسی علاقے کے ایک دوسرے زمیندار کو فروغ دے دیا گیا تھا۔ اور یہ سب پورے گاؤں والوں کی نظر اور چرچے کیوں کے درمیان دن دن ہاڑے کر گیا تھا۔ خیر دین بڑے سالوں بعد اس زمین پر کھڑا ہوا اس کی عہد بندی دیکھتا رہا تھا۔ اسے فخر ہونا چاہیے تھا لیکن نہیں ہوا تھا۔ اس کے دل پر ایک عجیب سا بوجھ پڑ گیا تھا۔ وہ بھٹکتا تھا کہ اس زمین کے اس طرح اچانک ہاتھ سے نکل جانے پر اس کے خاندان کے کیا تاثرات اور احساسات ہوں گے۔ یہی وہ ایسی ہی کیفیات تھیں گزرا تھا۔ اس کی اذیت ان سے اس لیے زیادہ تھی کیونکہ وہ اپنی چیز سے ناواقف بے دخل کیا گیا تھا۔ لیکن تکلیف اس کے بھائیوں کو بھی بہت زیادہ ہوئی کیوں جیسے میلا دیکھنے بھری جیب کے ساتھ کوئی جائے اور وہ دیکھنے سے پہلے ہی جیب کٹ جائے۔

راضی نامدہ ایسے ایسے پولیس اسٹیشن پر اس کی نگرانی کے بجائے متعلقہ ڈی بی او آفس میں ڈی بی او کی نگرانی میں سامنے ہوا تھا اور اس کے بعد خیر دین کے خاندان والوں کو بالآخر ہائی مل ٹی جی۔ عکس بھی خیر دین کے لیے اسی دن وہاں سے واپس لوٹ آئی تھی۔

اگلے ہی دن خیر دین اس زمین کا دوبارہ مالک بن جانے کے باوجود بھی ایک عجیب سے ملاں میں رہا گاؤں سے واپس آ جانے کے بعد کئی ہفتے اس کے خاندان میں سے کسی نے اس کے ساتھ پہلے کی طرح گرم شپ لگانے کے لیے فون پر رابطہ نہیں کیا تھا، مذہبی کسی نہ شہر آ کر اس سے ملنے کی کوشش کی تھی۔ خیر دین عکس سے بار بار اس بات کی شکایت کرتا رہا اور وہ بڑے اطمینان سے ہر شکایت پر اس سے کہتی رہی۔ ”نانا آدھے گے۔ آپ دیکھ لیجئے گا۔“ اور اس کی یہ بات بالکل ٹھیک ثابت ہوئی تھی۔ اس واقعے کے پورے ایک مہینے کے بعد گاؤں سے اس کے بھائی نے اسے پہلی کال کی تھی۔ خیر دین کا خیال تھا کہ وہ اس سے لیے کچھ ٹکڑے کرے

Be-Belle®
INNERWEAR

Splendor of Silk &
Comfort of Cotton

لا رہا تھا اس نے نظریں چرائی تھیں۔ اس نے اور ایک شیر دل نے ایک ساتھ..... پھر وہ دونوں سیدھے ہو کر
بھاگے تھے اب وہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ رہے تھے ایک دوسرے کے بالمقابل نہیں تھے صرف ساتھ بیٹھے
ہوئے تھے..... قریب، برابر، کنارے.....

”تو چڑیا اسے یاد ہے۔“ عکس نے سوچا تھا اور دور کی جھپ سی لہر آتی تھی۔ یہ خالی ماحول تھا جو اس کی...
دواستہیں ابھرا ہوا تھا۔ وہ اس سے آگے کچھ نہیں سوچتا چاہتی تھی، کچھ بھی نہیں۔ اسے اندازہ نہیں تھا نوٹس اپنی
ملدی شیر دل کی شکل تک پہنچ گیا ہوگا اس کا خیال تھا ابھی ایک دو دن اور عکس کے تب تک شیر دل سگ پور پہنچ چکا
ہوگا جو کچھ ہوگا اس کے بعد ہوگا، اندازہ کی ایک معمولی سی غلطی ہوئی تھی۔

اس کے برابر یوں بیٹھے ہوئے اس نے سوچا آخری بار وہ کب اس طرح بھرمانی حالت میں یوں برابر
خاموش بیٹھے رہے تھے۔ اسے یاد آ گیا۔ جب ایک اپنی سی کہنے پر اس کے ساتھ کیلین چھوڑنے پر تادم ہو کر
اس کے پاس واپس آیا تھا اور وہ اس کے اصرار پر اس کے پاس آگئی تھی۔ اس دن بھی وہ برآمدے کی بیڑھیوں
میں یوں ہی چپ چاپ بیٹھے رہے تھے..... ایک ریڈیٹ کی string کو تادم انداز میں ٹھیک کرتا رہا تھا، ارے
کچھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس سے کیا کہے لیکن اس کے باوجود وہ دونوں ایک دوسرے کے پاس بیٹھے رہے تھے۔
خاموشی اور کچھ سی..... کسی بات کے آکاذا انتظار کرتے کرتے.....

”تم نے بھی چیری کھائی ہے؟“ بہت دیر بعد ایک نے گفتگو کا آغاز اس طرح کیا تھا۔
”ہاں۔“ چڑیا نے محل سے جواب دیا تھا۔ ایک بچے کے طور پر بھی اسے احساس تھا وہ بے شک سوال تھا اور
اس کا آسم کے سیزن میں کرنے کا کوئی مقصد نہیں تھا جب ایک ہر روز دے کماہنے بیٹھا ہوتا تھا۔
”بھی اسٹرابیری کھائی ہے؟“ اٹھل سوال بھی دیسا ہے بے شک تھا۔

”ہاں۔“ چڑیا نے ایک بار پھر وہی محل دکھایا تھا۔
”بیڑھیوں کھائی ہے؟“ ایک اور سوال۔
”نہیں، اس بار چڑیا نے کہا تھا۔

”وہ بہت مزے کی ہوتی ہے۔“ اس بار جواب آیا تھا۔ چڑیا اس کی شکل دیکھ کر رہ گئی تھی۔ ایک کو اس کی
حال سے جیسے حیرت مند کی ہوتی تھی۔ اس نے ایک بار پھر ٹیس ریڈیٹ کی string ٹھیک کرنی شروع کر دی

ہوگا۔“ اس نے شاید میں شریک کرنے کے بعد واپس شہر جا کر عکس کو یہ بات بتائی تھی۔

”تم ٹھیک کہتی تھیں چڑیا.....“ خیر دین نے اس جملے سے اپنی بات کا آغاز کیا اور تب اسے ایک اسے احساس
ہوا کہ اب وہ اکثر عکس سے اپنی بات چیت کا آغاز اسی اعتراضی جملے سے کرنے لگا تھا۔ وہ بے اختیار مسکرا رہا تھا۔
”نانا آپ کچھ کہہ رہے تھے؟“ عکس نے اسے بات شروع کر کے پھر خاموش ہوتے دیکھ کر پوچھا۔ خیر
دین نے بے پناہ شفقت سے خود پر بھی ان کھری چکی آنکھوں کو دیکھا..... اپنی چڑیا کی آنکھوں کو..... پھر اسی طرح
مسکراتے ہوئے کہا۔

”تم ٹھیک کہتی تھیں چڑیا اپنا حق لینے کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے اور اپنا حق لینا کوئی جرم نہیں ہے۔“ عکس
خیر دین کی بات پر مسکرا دی۔

”یہ میں نہیں کہتی تھی نانا..... یہ ساری عمر آپ کہتے رہے۔“ اس نے جیسے خیر دین کو یاد دلایا۔ وہ ہولے سے
ہنسا تھا۔ عکس نے خیر دین کا ہاتھ بڑی نرمی سے اپنے ہاتھ میں لینے ہوئے کہا۔ ”نانا میں اپنی authority کا
استعمال بے مقصد انتقام لینے کے لیے بھی نہیں کروں گی لیکن میں جس چیز کو اپنا حق سمجھتی ہوں اسے حاصل کرنے
کے لیے میں سب کچھ کروں گی۔“

خیر دین کو اندازہ نہیں ہوا وہ اسے اپنے اگلے کام کے لیے انکار کر رہی تھی۔ اس نے سر جھکا کر عکس کے اس
ہاتھ کو دیکھا جس میں اس نے خیر دین کے ہاتھ کو لیا ہوا تھا۔ خوشی انکھیں والا بہت نرم ہاتھ جو کسی بہت چھوٹا سا
تھا اور خیر دین نے اسے قلم تھا کہ اس کا ہاتھ کچھ بڑھ کر اسے لکھنا سکھایا تھا۔ خیر دین میز پر لکیریں..... آڑے
ترتیب حرف..... نوٹے..... پوئے لفظ..... اور پھر اپنا نام..... عکس اور اعلی..... اور اب جب وہ ہاتھ کاغذ پر اپنا نام
لکھا کرتا تھا تو وہ کلکتی فریٹ ہوتا تھا..... اس ہاتھ میں بہت طاقت تھی اور اس قلم میں اس سے زیادہ..... جس
سے وہ اپنے علم سے دنیا کو بخار دے اور ستا کر کیا کرتی تھی..... وہ اس شخص کی بیٹی کے ہاتھ میں قلم کے بجائے جھانڈ
پکڑانے پر اصرار کرتا تو وہ بھی وہی ہوتی اور وہی جتنی جتنی گانوں اور خاندان کی ساری لڑکیاں بنی تھیں.....
بے شناخت وجود..... جن کے پاس انگوٹھا ہوتا تھا تو کتنے خاندان کے.....

بے شک تعلیم نصیب بدل دیتی ہے اور راستہ بھی..... زندگی کا بدل جانا تو پھر مقدر ہو جاتا ہے۔ خیر دین نے
نرم آنکھوں کے ساتھ اس ہاتھ کو چوما جسے ایک ٹھنڈی ہوتی مٹی سے آسان تک پہلے ہوئے بچے تک اس نے اپنے
خون سے بیجا تھا۔

☆☆☆

ایک شیر دل کے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں اس کا ہاتھ برف کا ہونٹا ہوگا..... چند لمحوں کے لیے اسے ایسا
ہی لگا تھا..... اگر وہ ہاتھ برف کا نہیں ہوا تھا تو پھر وہ خود ضرور کچھ دیر کے لیے فریڈ ہوتی تھی..... وہ اس کا
سائس..... اس کے دل کی دھڑکن..... کائنات کی گردش اور آس پاس کا شور..... آوازیں..... سب کچھ سب ہی
کچھ..... چنکے بند..... چند منٹ..... وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں پہنچیں ڈالے دیکھتے رہے پھر وہ
پہلی..... پہلی آواز شاید دل کی تھی..... دوسری سائس کی..... پھر سب کچھ ایک جیسے سے چلنے لگا تھا..... بالکل
پہلی کی طرح..... جاتی ہوئی سائس اور اوسان ایک ہی وقت میں لوٹے تھے.....

عکس نے اسی نرمی اور ہولت سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکال لیا تھا جس طرح اس نے اس کا ہاتھ

Be-Belle
INNERWEAR

Pakistan's First
2-Layer Fabric Bra

تھی۔ آج بھی ویسی ہی مشکل آن پڑی تھی اس خاموشی کو توڑنے میں۔

فلائٹ اناؤنس ہونے لگی تھی۔ ان دونوں نے بیک وقت اپنے باقی ساتھیوں کو دیکھا۔۔۔ ان میں سے کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ ان کے درمیان چند منٹ پہلے کیا ہوا تھا شاید کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ کوئی دیکھ بھی لیتا تو شیردل کو اس کی پروا نہیں تھی۔ وہ سب اپنے اپنے بیگز اٹھاتے ہوئے بورڈنگ پاس ہاتھ میں لیے جہاز میں سوار ہونے کے لیے اٹھ رہے تھے۔۔۔ وہ اور شیردل بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے ایک دوسرے سے کچھ کہہ بغیر۔ جہاز میں ان کی سیٹس ساتھ نہیں تھیں اور یہ عجیب طمانیت بخش شے تھی جیسے ان دونوں کے لیے۔۔۔ وہ ساتھ بیٹھ کر اتنا لمبا سفر خاموشی سے ایک دوسرے کے سامنے ٹوٹ جانے کے بغیر کیسے طے کرتے۔ وہ دونوں دوسرے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔

کراچی ایئر پورٹ پر ایک بار پھر وہ جیسے میکانیکی انداز میں ایک دوسرے کے پاس آکر بیٹھے تھے اور پھر سنگاپور کی فلائٹ پکڑنے تک اسی طرح بیٹھے رہے تھے۔ اپنے دوسرے ساتھیوں کے کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے۔۔۔ ان میں سے کسی کے پاس آجانے پر اس کے ساتھ گپ شپ لگاتے ہوئے۔۔۔ لیکن آپس میں بالکل خاموش۔۔۔ سنگاپور کے لی کو ان یو این سیٹیوٹ آف پبلک پالیسی میں پہلے دو دن بھی انہوں نے اسی خاموشی میں گزارے تھے۔ تیسری شام کو شیردل اور وہ بالآخر شام کو اس عمارت کے لان میں جا کر بیٹھ گئے تھے جہاں وہ رہائش پذیر تھے۔ ”تم ہمیشہ سے جانتی تھیں میں کون تھا؟“ شیردل نے کسی سیاق و سباق کے بغیر اسی طرح ایک بے تکے سوال سے گفتگو کا آغاز کیا تھا جس طرح تب چری والا سوال کیا تھا۔

”ہاں۔“ عکس نے آج بھی اسی شکل کے ساتھ وہی ایک لفظی جواب دیا تھا۔ اس کے برابر میں شیخ پر بیٹھے شیردل نے اسے دیکھنے کی کوشش کیے بغیر اس فوارے کے گرتے ہوئے پانی پر نظریں جمائے رکھتے ہوئے سر ہلایا جس سے کچھ فاصلے پر وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ یوں جیسے اپنے اندازے کے ٹھیک ہونے کا یقین تھا اسے۔ ”میرے نام سے پہچانتا تم نے۔۔۔ یا میرے چہرے سے؟ اب اسٹرابری والا سوال آیا تھا۔“

”تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟“ اس بار بالآخر بیوی والا سوال آ گیا تھا۔ ”کیا بتاتی تمہیں۔۔۔ کہ میں کون ہوں۔“ اس بار عکس نے اس سے کہا تھا۔ ایک بار پھر ایک عجیب سی خاموشی ان کے درمیان آ گئی۔

شیردل کی بھڑکیں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سے کیا کہے۔ تمہید باندھے تو تمہید کے بعد کیا کہے۔۔۔ بعض دفعہ انسان کو ٹانگیں ہوتا لفظ کوٹنے ہو جاتے ہیں اس کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔۔۔ معذرت کرتا تو کیسے اور کس بات کی۔ نہ کرتا تو۔۔۔ وہ اپنی می سے ملنے کے بعد سے جیسے اپنی راتوں کی نیند کھو بیٹھا تھا۔۔۔ شاک 26 سال پہلے بھی لگا تھا اس رات اسے لیکن عکس کے تعارف نے جو شاک اب دیا تھا اس کی شدت بھی ویسی ہی تھی۔۔۔ اس رات کے واقعات کئی بار اس کی آنکھوں کے سامنے گزرے تھے اس کے ذہن کی اسکرین پر چلتے رہے تھے وہ یعنی شاہد تھا اس واقعے کا لیکن اب عکس کے سامنے بیٹھے ہوئے اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ یعنی شاہد بن کر بات کرے یا پھر ہر چیز سے لاعلمی اور بے خبری کا ڈھونگ کرے۔۔۔ دوسرا آپشن زیادہ مناسب تھا۔ زیادہ suit کرتا تھا اسے اور وہ دوسرے آپشن ہی کا انتخاب کرتا اگر وہ عکس مراد علی نہ ہوتی اور اسے یقین نہ ہوتا کہ اسے ریننگ کے پاس کھڑا

ہوا چل ہوا ایک بھولا نہیں ہوتا۔

”جو کچھ ہوا نہیں ہونا چاہیے تھا.....“ بہت دیر کے بعد شیر دل نے بالآخر بات شروع کرنے کے لیے کچھ لے لے لنگڑے لفظ ڈھونڈ لیے تھے۔ عکس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اس کے لفظ بہم تھے۔

”جو کچھ میں نے کیا وہ؟“ اس نے شیر دل کی بات کاٹ کر اس سے پوچھا۔۔۔ اس بار شیر دل نے اسے

”نہیں..... جو کچھ اس رات ہوا.....“ وہ بات مکمل کرتے کرتے بھی مکمل نہیں کر سکا۔

عکس نے کچھ نہیں کہا۔ وہ سننا چاہتی تھی وہ کیا کہتا چاہتا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا اس میں شیر دل کا تصور نہیں تھا وہ اسے کسی لحاظ سے جواب دہ نہیں سمجھتی تھی لیکن پھر بھی سننا چاہتی تھی وہ کیا کہتا چاہتا تھا اس فیملی کے فرد ہونے کے حوالے سے۔

”اور تم یہ بھی جانتی تھیں کہ شہر بانو، انکل شہباز ہی کی بیٹی ہے؟“ شیردل نے وہ بات ادھوری چھوڑ کر اس سے اگلا سوال کیا تھا۔ اس بار وہ اسے دکھ رہا تھا۔

”ہاں۔“ عکس نے بھی اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ شیردل کے چہرے پر بے حد عجب سا تاثر آیا تھا۔ عکس کو اس تاثر کی توقع تھی اس نے شیردل کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں اور سیدھا دیکھنے لگی۔ شیردل نے اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹائی تھی۔ وہ اس عورت کو کبھی سمجھ نہیں پایا تھا نہ تب جب وہ اس سے نو سالہ ایک بچے کے طور پر پہلی بار ملا تھا نہ اتنے سالوں میں جب وہ ایک دوسرے کے بہت قریب آ چکے تھے اور نہ آج..... وہ نہ چڑیا کو سمجھ پایا تھا نہ عکس مراد علی کو..... اس نے ایک بار پھر اس کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔

”تم کچھ کہہ رہے تھے؟“ عکس نے یک دم اسے یاد دلایا۔ شیردل جان گیا تھا وہ کیا سننا چاہتی تھی اور وہی موضوع سب سے مشکل تھا۔ وہ دونوں ایک closure چاہتے تھے اور closure نہیں ہو پا رہا تھا۔

”تم یہ سب مت کرو۔“ وہ جو اس سے سننے کی توقع رکھتی تھی، اس نے وہ نہیں کہا۔ اور جو کہا تھا عکس کو اس سے عجیب مایوسی ہوئی تھی۔

”شیر دل تم اس معاملے میں مت آؤ..... یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے۔“ عکس نے جواباً بڑے مستحکم لہجے میں اس سے کہا۔

”عکس یہ سیری فیملی کا معاملہ ہے، میں اس سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔ تم جس آدمی کو بتا رہی ہو وہ میرا اکل ہے سیری بیوی کا باپ ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ میں اس معاملے میں نہ آؤں کیونکہ اس معاملے سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے..... تم واقعی سمجھتی ہو کہ میں اس معاملے سے خود کو الگ تھلگ رکھ سکتا ہوں؟“ شیردل نے بے حد مہم کی سے اس سے کہا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی بات ختم ہونے کا انتظار کرتی رہی پھر اس نے کہا۔

”تم جاہلو تو اپنے آپ کو الگ رکھ سکتے ہو.....“

”تمہیں رکھ سکتا..... میرے خاندان کی عزت کی بات ہے یہ۔“ اس نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ عکس بے

”میں یہی سننا چاہتی تھی تمہاری زبان سے..... یہ تمہارے خاندان کی عزت کا سوال ہے اسی لیے تم غلطی پر ہو گئے۔ ابھی آخری حد تک جاؤ گے مجھے اس کیس سے روکنے کے لیے۔ تم سمجھتے ہو عزت صرف تمہارے

اکی شرمیں، شہر بانو..... میں..... جی..... تمہیں اندازہ نہیں ہے انہوں نے اپنی زندگی کے آخری سال طبع کر دے تھے..... اور تم جانتی ہو انہوں نے خوشی کی قمی..... "دہ بول با تھاؤ اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔"

"مجھے کوئی افسوس نہیں ہوا۔" شیردل کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزرا۔
"میں تمہاری فیکٹو سمجھ سکتا ہوں اس لیے مجھے کوئی حیرانی نہیں ہوئی تمہاری اس بات سے۔" شیردل نے دم آواز کیا تھا۔

"شیردل تم کبھی میری فیکٹو نہیں سمجھ سکتے..... اگر مجھ سمجھتے تو شہباز حسین کے دفاع میں اتنا لبا..... argument نہ کرتے۔" عکس نے خنکی سے اس کی بات کاٹ کر کہا تھا۔ "لیکن میں تمہیں blame نہیں کروں گی..... وہ تمہارے انکل ہیں، تم انہی کی سائڈ لوگے..... اور ٹیک بھی ہے۔ تمہیں ان کو defend کرنا بھی چاہیے۔" عکس کا لہجہ دم ہو گیا تھا۔

"تم تجسسی ہو! اس کا تمہارے ساتھ نہیں ہوں تو تمہارے خلاف ہوں۔" شیردل نے بے حد تنبیہ کی سے کہا۔
"میں تمہیں بھی نقصان سے بچانا چاہتا ہوں۔"
"کیا نقصان؟" عکس نے بے حد تنبیہ کی سے اس سے پوچھا۔

"تم تجسسی ہو! میری جھلی اتنی آسانی سے تمہیں بے گیس جیتنے دے گی اور تمہیں واقعی لگتا ہے تم بے گیس جیت جاؤ گی۔" وہ اب بے حد تنبیہ کی سے اس سے پوچھ رہا تھا۔
"تمہیں لگتا ہے شیردل میں نے سوچے کچھ بغیر اس کنوئیں میں چلائی لگادی ہے میں نے کوئی calculations نہیں کی؟" عکس نے جواب اس سے پوچھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

"نہیں، میں کم از کم یہ تو نہیں سمجھتا کہ تم نے کوئی calculations نہیں کی ہوں گی۔ تم تجسپ پلیر ہو رہا جاں بہت سوچ کر چلتی ہو۔" اس کا لہجہ بات کرتے کرتے عجیب ہو گیا تھا۔ عکس نے اس سے نظر نہیں ٹوکی۔
"میں کلین چھوڑ چکی ہوں میں..... زندگی میں سے بڑھ کر یہ ہے۔" اس نے دور فوارے کو ایک بار پھر دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے شیردل سے نہیں پوچھا تھا اسے یہ کیسے یاد تھا کہ وہ جس کیلنی تھی..... اسے اندازہ ہو گیا تھا صرف وہ نہیں جیسے چیزیں یاد رکھتی آتی تھیں..... کبھی کبھار کوئی ایسا ہی نہ بھولنے والا ملتا تھا۔

"وہ تمہارا سفر کر دین گے اس کے بعد تم کیا کرو گی؟" فوارے کے پانی کو رشتیوں میں اچھلتے دیکھتے اسے اسے شیردل کی آواز آئی۔ اس نے گردن موڑ کر شیردل کو دیکھا۔
"وہ..... یعنی تمہاری جھلی؟" عکس نے بڑی تنبیہ کی سے شیردل سے پوچھا۔ وہ اس کی جھلی کے اثر دور سوخ سے واقف تھی۔

"پھر کیا کرو گی تم؟" شیردل نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اگلا سوال کیا۔ "تم نے اس طرح ایڈیشن شریں کو ڈسے دائرہ نظر رہا ہے کہ سوچ کر کہ تم وہاں بیٹھی ہو اور تم اس کیس میں شہباز حسین کے احوال کو غلط ثابت کر کے خیر دین کو بے قصور قرار دے گی اور اس کے حق میں ثبوت اکٹھے کر کے جیل کر دو گی تمہیں۔"

خاندان کی ہوتی ہے اور اس کی حفاظت کرنا صرف تمہارا حق ہے؟" وہ بڑی سزومہری سے کہہ رہی تھی۔ شیردل نے کچھ الجھ کر اس کی بات کاٹی۔
"میں نے ایسا نہیں کہا کبھی۔"

"تمہاری بات کا یہی مطلب لگتا ہے۔"
"غلط مطلب لگا رہی ہو تم۔"
"پھر تو سارا مسئلہ حل ہو گیا۔ میں بھی جو کچھ کر رہی ہوں اسے تانا کی عزت کے لیے کر رہی ہوں۔ مجھے کبھی ان کی عزت اتنی ہی پیاری ہے جتنی تمہیں اپنے انکل کی۔" شیردل چند لمحوں کے لیے اس کی بات پر کچھ بول نہیں پایا پھر اس نے جیسے کچھ غصا ہو کر کہا۔

"تم غلط comparison کر رہی ہو کس۔"
"ہو سکتا ہے۔"
"انگل شہباز پر کچھ ہیں..... تمہیں اندازہ نہیں ہے انہوں نے کتنا suffer کیا ہے..... تم انہیں معاف کیوں نہیں کر رہی۔" وہ عجیب لکڑے انداز میں بولتا تھا۔ وہ انگل شہباز کی وکالت نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اسے احساس ہوا وہ وکالت ہی کرنا تھا۔ عکس کو بھی ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔

"شیردل میں نے تم سے شادی کیوں نہیں کی تم جانتے ہو؟" اس نے عجیب رنجیدگی سے اس سے کہا۔ وہ نہ بھی کہتی تو بھی شیردل کو اس سوال کا جواب ہی دن مل گیا تھا جس دن خیر دین کی برطانی کے خلاف اور اس کی پیشین اور دوسرے واجبات کے لیے فائل کیسے کھلے گئے تھے اس نے عکس مراد کا نام دیکھا تھا۔

"ہاں جانتا ہوں۔" شیردل نے اس سے نظریں ملانے بغیر کہا۔
"شہباز حسین جیتنے میں ہے اس کی۔" عکس جیسے اس کا ذہن پڑھ رہی تھی۔ "یہ کلاس ڈفرنس ہے اس کی جو بار بار تمہاری باتوں میں جھٹکتا رہا ہے۔" شیردل نے چونک کر اسے دیکھا۔ "تمہارے لیے تمہاری تکلیف بڑی ہے دوسروں کی چوٹی۔" شیردل نے اسے بات کرتے کرتے ٹوک دیا۔

"میں نے بھی ایسا نہیں کیا۔"
"ہاں تم نے بھی نہیں کیا لیکن تم نے ہمیشہ جتایا۔ کبھی شوری طور پر کبھی لاشوری طور پر..... جیسے ابھی سمجھتے ہو تمہارے انکل نے بہت suffer کیا ہے..... خیر دین نے نہیں جس کو صفائی کا ماسخ دے بغیر چوری کے الزام میں ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔ پیش اور برطر طر کے واجبات کے محروم کر دیا گیا۔ اس نے کوئی تکلیف نہیں کائی ہوگی۔" وہ بے حد خنکی سے بول رہی تھی۔

"تم نے....." شیردل نے کچھ کہنا چاہا۔ عکس نے اس کی بات کاٹ دی۔
"میں شیردل تم پہلے میری بات سنو تم مجھ پر یہ جتنا چاہتے ہو کہ خیر دین کی تکلیف شہباز حسین کی تکلیف سے اس لیے کم ہے کیونکہ شہباز حسین کا گھر ٹوٹ گیا۔ بیوی بچی چھوڑ کر چلی گئیں اور وہ مر گیا تو اس لیے اس نے خیر دین سے زیادہ suffer کیا۔"

"نہیں، میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انگل شہباز نے جو غلط کام کیا انہیں اس کی سزا مل گئی اور اس سے بہت زیادہ نیکی جتنی کورٹ انہیں دے سکتی تھی۔ انہوں نے اپنے ہراس رشتے کو ٹھوڑا جس سے وہ پیار کرتے۔"

"نہیں، میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انگل شہباز نے جو غلط کام کیا انہیں اس کی سزا مل گئی اور اس سے بہت زیادہ نیکی جتنی کورٹ انہیں دے سکتی تھی۔ انہوں نے اپنے ہراس رشتے کو ٹھوڑا جس سے وہ پیار کرتے۔"

وہ ہلے طرف نہیں تھی..... لیکن عکس مراد علی اس کی طرح عقل سے پیدل نہیں ہوئی تھی۔ وہ بہت کچھ چھپا سکتی تھی لیکن وہ غالب اور مہارت کے ساتھ کہ کوئی دوسرا کچھ پوچھ نہیں سکتا تھا۔

”وہاں بیٹھے اسے یاد آیا تاجاب جو چار فریق کی ایک شہید تکلف کے باوجود بار بار چکرنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس نے اپنے تاجہ نیکر کھیلے تھے۔ ایک اس پر شہید تھا، ہوا تھا وہ اسے اسے فوسلہ پہنچی کی ہے لیکن مجھ رہا تھا۔ وہ قوت برداشت تھی۔ وہی قوت برداشت جو اس نے کھوڑے سے گرنے کے بعد چند لمحوں میں دوبارہ اسے کھوڑے پر بیٹھ کر دکھائی تھی۔ وہ دوڑتا اور دوسرے جاتا ہے انسان۔ لیکن محبت پر بند ہے ہاندے تھے اس نے۔ یہ ایک شہید دل کو اس سے سیکنا تھا۔“

☆☆☆

”سر ہم یہاں کیسے کے لیے آئے ہیں کیاں مارنے تو ہمیں آئے یا بچا کر؟ میں اجازت دیں ہم باہر نکلیں۔“ اکیلے لیے ہیں آپ تک میڈم کو پبل شوٹنگ کی پریکٹس کرتے رہیں، ہو سکتا ہے آپ کی برصغیر تک لگا ہوا میڈم اچھے اچھے لوگوں میں پبل شوٹنگ میں گولڈ میڈل لے کر آپ کا اور پاکستان کا نام روشن کر کے آئیں۔“ ٹکس ملے گی آپ کی شہر دل کی جھلماہٹیں رہیں اس نے سر جھکا کر تھکے ہوئے پکڑے پھل کا بائٹ چیر کھولتے ہوئے اپنی ہنسی چھپائی۔ اسے بہت دیر سے اتفاقاً قاتر دل کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہو رہا تھا کہ شہر دل اب کی بھی وقت پہنچنے والا تھا۔ وہ اس کی شکل اور باتوں سے دیکھ کر بھی اس کی جھلماہٹ اور بے زاری کو پہچان سکتی تھی۔

وہ لوگ ایلیٹ فورس کے ٹریننگ اسکول میں نشاۃِ اُزلی کی تربیت کے لیے آئے تھے۔ وہ پہلا ڈی ایم جی کا پتہ تاجن کی تربیت کا ایک حصہ بنانے یا زنی میں مہارت بھی تھا۔ تین روزہ اس تربیت کے پہلے ہی دن شیر کا موڈ اس وقت ہر طرح آف ہوا تھا جب اس نے اپنے گروپ کے انسٹرکٹر کو مکمل طور پر رکس کی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ وہ لوگ چار چار کے گروپس میں تھے اور کئی ای کے گروپ میں بھی۔ انہیں پاکستانی پولیس کے استعمال اسلحے سے متعارف کرواتے ہوئے انسٹرکٹر نے پورا محنت کس کو دیکھتے ہوئے دیا تھا بلکہ اس کا شاید بس اتنا وہ اس ٹریننگ سینٹر کو صرف دن ٹو دن کرتا۔ ایلیٹ فورس کا وہ الٹرا ہائی پاڈی ڈی ایم جی کی اس خاتون کیس کے نتیجے لگتا جو اسے سرکہ رہی تھی اور خاتون آفیسر بھی وہ جن کے لیے اکیڈمی میں موجود ہتھیار سارے آلات کدہ بننے کے لیے تیار تھے اور وہ الٹرا ہائی کسٹ تھا کہ 18 کے اس گروپ کی ”ہیریون“ اس کی فلم لگی اور اسے اپنی اس خوش قسمتی اور باقی انسٹرکٹر کی بدقسمتی کا احساس بھی تھا۔

کروپ میں شیر دل کے علاوہ دوسرے دلوں مرد انکس نے اس القات کو صرف معنی خیز کمر ایلوں کا لڑکر اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ صرف دل تھا جو نظر انداز نہیں کر سکا تھا۔ تاہم اسے انسٹرکٹ کے ساتھ کسی کی قربت اچھی لگی یا اس انسٹرکٹ کو ایک شیر دل کو ایک لڑکی وجہ سے اس بری طرح نظر انداز کرنا۔ انکس نے میں سب ایک شیر دل کے خاندان سے واقف تھے۔ ایڈیٹل سکریری کے مین کو بہت واضح انداز میں کہیں نہ نہیں کسی نہ کسی حد تک پروکول دیا جاتا تھا۔ ایک شیر دل اس پروکول کا عادی تھا۔ وہ بہت دیر تک سوچ دیتا تھا..... پریش پیشن کے دوران بھی انسٹرکٹ کی تینوں ممبرز کو کبھی چٹکی بلیاوت دینے کے بعد بار بار اس کے پاس پہنچ جاتا تھا اور شیر دل کی توجہ شوگن رنچ اور پریش پیشن سے زیادہ اسی چیز پر بھی۔ نہ مائل اس کے لڑکی پر تھی نہ وہ بلیاوت بار شوگن پریش کر رہا تھا اس کے باوجود اس نے جان بوجھ کر انسٹرکٹ کو اپنی طرف بلانا

یہ اس لیے آسان لگتا ہے کیونکہ اس میں ہم پڑھ رہے ہیں۔ اس پر جس کا کوئی بھی شائبہ نہیں ہے گا۔ وہ لوگ جنہوں نے اگلے شکل جہاز کے ماتحت عمل کے طور پر تمہارے ہاتھ کے خلاف بیانات ریکارڈ کروائے تھے اب اسے سالوں بعد ایجنسی بڑی آسانی سے غلط ثابت کر دیتی ہے۔ سب اتنا سیدھا اور آسان نہیں ہے۔ تم کو اس کے بعد ہاں یا ناہاں اور سوچ و استدلال نہیں کر سکتے۔ ہمیں فرض کرنا ہوا ویسے ہی بنا دیتے ہیں تو کیا کوئی تم پر بھروسہ کرے؟ شہر دل سے بڑی جھجکی ہے۔ مضمرات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”میں اگر یہاں پوسٹل نہ بھی ہوئی تو بھی میں ازم زندگی میں ایک بار اپنے نانا کو چوری کے اس کہیں سے اعزت بری کروا کر ملازمت سے یکطرفہ اور ناجائز برطانی کا فیصلہ غلط قرار دوانے کی کوشش ضرور کرتی..... ان کی پوسٹل اور واجبات بحال کروانے کی کوشش بھی ضرور کرتی۔“ اس نے جواباً یہ حد تک مستحکم آواز میں شیر دل سے کہا تھا۔

”میں نے زندگی میں کسی ایسے سوچاگوئے شخص کو نہیں دیکھا جس نے ہمیشہ بے سوچاگوہی میں
 بچے تاکے ساتھ ہونے والی اس زیادتی کا انزال ضرور دوں گی۔ وہ کہہ کر کافی اذیت میرے تاکے کے لیے بہت
 سختی کر رہا تھا۔ انہوں نے بڑی جھجھک کے ساتھ اس کی سختی کی۔ وہ کہہ کر کافی اذیت میرے تاکے کے لیے بہت
 deserve نہیں کرتے تھے کہ ایک رات..... اور وہ کہہ کر کافی اذیت میرے تاکے کے لیے بہت
 بھائی ہوئی آواز پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ شہر دل کے دل پر ایک عجیب سا جھجکا تھا۔

”میرے زمانہ نبوت پڑوسے ہو چکے ہیں اور ان کے پاس اب زیادہ وقت نہیں ہے اور میں جانتی ہوں کہ میں نے اسے ماتے پر لگی ہوئی ہے واحد تہمت بھانڈو..... جس کا باعث میں تھی..... میرے لیے یہ اہم نہیں ہے کہ میں یہ کیس جیتتی ہوں یا نہیں..... اس کا کوئی فائدہ ہوتا ہے یا نہیں..... میرے لیے اہم بات صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ میں نے اس کام کے لیے کوشش کی..... میں کم از کم یہ جھٹاؤ رکھنا جانتی ہوں کہ میں نے کوشش بھی کی ہے اس نے ان کے لیے کچھ کرنے کی..... میں تمہیں بالکل نہیں روکتی تم اپنے انکل کو defend کرو..... اپنے خاندان کی سپورٹ کرو..... تمہیں بالکل ایسا کرنا چاہیے..... میں صرف یہ جانتی ہوں کہ تم کبھی بھی ایسا ہی کرنے دو..... تم میرے دوست ہو..... اس مسئلے کی وجہ سے دوست نہیں رہنا چاہتے تو میری ٹھیک ہے..... وہ مزید کچھ کے بغیر اٹھ کر ہاں سے چلی آتی تھی..... شیرڈل وہیں بیٹھا شام کے اندر میرے میں اسے دور جانے دے دیکھا ہاں اس کے پاس عکس اور اس کے کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا..... اس نے پھر کبھی کوشش کی تھی..... ایک واحد اور آخری کوشش.....

وہ بیچ پر بیٹھا تب تک اس کو دیکھتا رہا جب تک وہ نظر آتی رہی.....

”تم جانتے ہو میرا دل میں نے تم سے شادی کیوں نہیں کی؟“ شہباز حسین جب تکیں سے اس کی وہ
لاٹاؤں ڈفرس جو سے جو بار بار تمہارا ہی توں میں جھٹکتا ہے۔ تمہارے لیے تمہاری تکلیف بڑی ہے دوسروں کی
ہوئی۔ ”ہاں تم نے کبھی زمان سے نہیں کہا لیکن ہمیشہ جتایا۔“ شعیب غوری طور پر کبھی لاٹاؤں کی طور پر
ہاں تم نہیں کر کے تھی کسی اس کی انکے غبار سے میں کیل کا درنگ تھی۔ ایک شیر دل کو کبھی اعزاز نہیں ہوا۔ بیاز
لی وہ بہترین جودہ اپنے وجود کے گرد چڑھتا ہے تو تھا اسے اتار کر رکھتی تھی۔ طبعاتی فرق اس کے اعزاز اور
ب۔ صلے میں اتنا نمایاں تھا کہ دوسروں کو چھتا تھا کہ کم از کم اس عورت کو ضرور چھتا تھا جس سے اس نے واقعی
بت کی تھی۔ اور پائیں وہاں بیٹھے بیٹھے اسے پہلے بار کیوں یہ یقین ہوا تھا کہ وہ بھی بالکل اسی طرح اس کی
بت میں باکل تھی۔ اس پر مٹی کسی اس کے لیے جان دے سکتی تھی۔ وہ جس چیز کو صرف اپنا پاگل نہیں سمجھتا رہا

میں ہے۔“ شیر دل جانتا تھا وہ اسی کے استقبال کے ہوئے لفٹا کو لے کر اس پر چوٹ کر رہی تھی۔
 ”دیکھیں گے۔“ شیر دل کرسی جھلاتے ہوئے سکر گیا تھا۔
 ”مروور.....“ عکس نے سکر کے کہا۔

”تم چیخ کر رہی ہو کہ تم مجھے تمہاری فریادیں نہیں لینے دو گی؟“ شیر دل نے اس کے جواب پر کہا۔ عکس جواب دینے کے بجائے اس کے کچر کسر کرادی۔“ ایک بے حد مکر کی..... بے حد حسی خیز..... لیکن چیخ کر رہی ہوئی سکر اب۔
 تقریباً آٹھ گھنٹے کے بعد CTP کی فرینک کے انتظام پر اس بار کوئی کانٹے دار مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ اسپورٹس کا ایونٹ شیر دل کا نام رہا تھا۔ لیکن کوس کے تمام بچے زین و زین ایک میں بھی ٹاپ نہیں کر سکا تھا۔ صرف وہی نہیں کر سکا کہ دوسرے آفیزر زین سے کوئی بھی ایکڑس میں کسی ایک بچے میں بھی سمر اوپنل کو beat نہیں کر سکا تھا۔ ایکڑس میں اتنی داغ اور کھٹرنے پر فارمنس کے پروڈیوسر کی فریادیں جیتنے کے لیے عکس کی باقی چیزوں میں بہت معمولی اور بیچ پر فارمنس بھی بہت کافی تھی۔ اس نے شیر دل کو کڑا جواب دیا تھا۔
 پاکستان آؤٹ ceremony اینڈ کرتے ہوئے شیر دل نے پہلی بار عکس مراد کے لیے کھلے دل سے تالیاں بجاتی تھیں۔ وہ ڈی ایم جی کی میسٹ پر پروڈیوسر کی فریادیں حاصل کرنے والی پاکستان کی پہلی خاتون آفیسر تھی اور اس کے ایوارڈ سے پہلے اس کا یہ اعزاز بھی دیا ہوا تھا۔

دوسال کی فرینک کے دوران شیر دل ایک حریف کے طور پر اسے جتنا سخت مقابلہ دے سکتا تھا اس نے دیا تھا۔ اس نے بھی کبھی عکس مراد کی سیست اور قابلیت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ یہی کچھ اس کو رب کے باقی 16 آفیزر نے کیا تھا عکس مراد کی طرح وہ بھی وہ اس کے ساتھ ایسا ہی کڑا مقابلہ کرتے لیکن اس کا عورت ہونا ان 17 مرد آفیزر کے لیے جیسے ایک اور چیخ تھا۔ ان میں سے ہر ایک وہاں اپنی ذاتی prestige کے لیے تو لڑ رہا تھا لیکن وہ 17 لوگ اپنی صنف کی prestige کے لیے بھی لڑے تھے۔ جتنا اور جیسرا لڑ سکتے تھے اور اب اس فریاد کی انتظام پر وہ 17 لوگ بالآخر ڈاکٹر سمر اوپنل کو تسلیم دے رہے تھے۔ کھلے دل سے۔ اعلیٰ طرف فریقین کی طرح شیر دل نے بھی بالآخر سمر اوپنل کی جیت کو خوش دلی سے تسلیم کر لیا تھا۔ اس عورت کے لیے عکس اور تنظیم کے جذبات کے ساتھ اس کے باوجود کہ وہ اپنے چیخ میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

ہال میں جیت پر پروڈیوسر کے لیے فریادیں انداز میں تالیاں بجاتے ہوئے فجر دین کو اس شام میں بختیار شیر دل کی سال بعد پہلی بار دیکھا تھا۔ پہلی خاتون میسٹ پر پروڈیوسر کے نام کے اعطاف پر ہال اینڈنگ اوپنٹن اپنے کے لیے کھڑا ہوا تھا اور وہ پہلا تھا جب پاکستان کے باہر اور پاکستانی لوگوں کی gathering میں بختیار شیر دل نے فرسٹ رو میں اپنے اور اپنے شوہر سے کچھ فاصلے پر بے حد جوش و خروش سے تالیاں بجاتے ہوئے فجر دین کو دیکھا تھا۔ کئی سال گزرے اور چہرے پر دراڑیں ہونے کے باوجود بختیار شیر دل نے اس کو کچھ پیانے میں چند سینڈویچ لگائے تھے جو ان کے خاندان میں ہونے والی سب سے بڑی ٹریڈی کا اہل رہا تھا۔ ان کا دیکھنا عکس مراد کی بے ہمت گیا تھا۔ کچھ دیر کے لیے وہ اس صدمہ کو کبھی بھول گئی تھیں جو ایک بار پھر اس فریاد کے شیر دل کو نہ ملنے پر انہیں ہوا تھا۔ کچھ دیر کے لیے ان کا ذہن جیسے بالکل blank ہو گیا تھا۔ مسافر صفر دین کو نہ دیکھنے کا نہیں تھا۔ صفر دین کو ایک غلط gathering میں دیکھنے کا تھا۔ وہ کس کو دیکھ کر یہ سب دہاں موجود تھا۔ یہ بھی بہت دیر تک ان سے چھپا نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے شاک کے عالم میں

شروع کر دیا تھا اور پھر جب ایک بار انٹرکونکس کے بلانے پر آنے کے بجائے اسے عکس کی وجہ سے انتظار کروانا رہا تو ایک نے کانوں پر چڑھانے ہوئے ear pluge لگا کر بڑی فکری سے انٹرکونکس سے کہہ دی تھا۔
 چند لمحوں کے لیے انٹرکونکس کی بات کی سمجھ ہی نہیں آئی۔ بات مزاحیہ تھی تو اسے لیکن یقیناً جسنے کے لیے نہیں کی تھی۔

”سراپ پہلے ان کی بات نہ لیں۔“ عکس نے انٹرکونکس سے کہا۔ وہ انٹرکونکس کی اس قدر توجہ کو خود بھی مضمر نہیں کر پا رہی تھی۔ انٹرکونکس بلانے کا خواستہ شیر دل کی طرف چلا گیا۔

بریک میں شیر دل اس کے پاس آکر بیٹھ گیا تھا۔ یہ اب روشنی میں ہونے لگا تھا وہ بے مقصد اس کے پاس آکر بیٹھا تھا اور پھر بات چیت شروع کر دیا آج بھی اس نے کبھی کیا تھا۔
 ”اس طرح کے دو چار اوتھیں پھر ملے تو بہت پر پروڈیوسر کی فریادیں ایک بار پھر تم لے جاؤ گی۔“ بڑے سرسری انداز میں بولی آئی اس بات میں بڑی تھیک تھی جو کس نے عکس کی تھی۔
 ”دیکھو کیوں..... میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھتی۔“ اس نے بڑی شائستگی سے شیر دل کو کانٹے چا نہیں

شیر دل کس موڈ میں تھا لیکن اس نے بڑے اطمینان سے اس کی CTP کی میسٹ پر پروڈیوسر کی فریادیں کر ڈیٹ ان دودرود کو دیا تھا جن میں سے ایک کا نام لینا وہ سونکا نام لینے کے مترادف سمجھتا تھا اور دوسرے کو وہ کھانا نہیں چھر سمجھتا تھا۔ بڑے استہزاء سے انداز میں اس نے عکس کو بتایا تھا کہ اسپورٹس کے ان دو ایونٹس میں مردوں کی پانٹر شپ کی وجہ سے جیت کئی تھی اور صرف ان فوجات کی وجہ سے شیر دل اور اس کے پوائنٹس میں فرق آ گیا تھا ورنہ وہ بھی میسٹ پر پروڈیوسر کی فریادیں اپنے بل بوتے پر نہیں جیت سکتی تھی۔ پانی کی بوتل سے پانی پیئے ہوئے عکس نے شیر دل کی یہ بکواس بے حد اطمینان سے کی تھی۔

”تمہارا خیال ہے وہ اسپورٹس پوائنٹس مجھے نہ ملے تو فریادیں اب بھی تمہارے خاندان کے پاس جاتی؟“ اس کی بات سننے کے بعد اس نے بے حد شائستگی کے ساتھ شیر دل سے پوچھا تھا یوں جیسے وہ بہت اہم مسئلے پر اس کی رائے لے رہی ہو۔

”fact ہے یہ۔“ شیر دل نے کندھے اچکا کر کہا تھا۔
 ”شیر دل اس بار تو کوئی کمڈی نہیں سنیں ہیں نا..... تم اس بار میسٹ پر پروڈیوسر کی فریادیں لے لو۔“ شیر دل چند لمحے اس سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔ وہ عجیبہ کیوں لیکن بلا کے اطمینان کے ساتھ اسے میسٹ پر پروڈیوسر کی فریادیں جیتنے کا چیلنج یوں دے رہی تھی جیسے کسی بیکری کے کپ کے کپ لائے کا کہہ رہی ہو۔
 ”تمہیں لگتا ہے میں نہیں جیت سکتا؟“ ایک ایرو بے حد جیسے انداز میں اچکاتے ہوئے شیر دل نے اس سے

پوچھا۔
 ”کیوں نہیں جیت سکتے..... تم ہمارے کان کے جیسٹ راکٹر ہو، جیسٹ سوکر ہو، جیسٹ ٹینس پلیئر ہو، مجھے یقین ہے جیسٹ شوٹنگ میں ہی ہو گے۔ کیوں نہیں جیت سکتے تم۔“ اس نے اس طرح اطمینان سے کہا تھا جیسے ایک فام نچرا اپنے اسٹوڈنٹ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اسے اس کی قابلیت کا یقین دلاتے ہوئے کسی بڑے مقابلے میں پیچھے کے لیے تیار کر رہی ہو۔
 ”لیکن بات یہ ہے ایک شیر دل کہ یہ اوپنٹس ہوئے تو تمہیں جیتنے پر کھیل میں لیکن خوش قسمتی سے یہ اوپنٹس

ماہنامہ پاکیزہ۔ جون 2012ء 55

54 ماہنامہ ہیا کی ۲۵ — جون 2012ء

”چنانچہ میری بھی اس معاملے پر اس سے تفصیلی بات نہیں ہوئی۔ اس کے نانا کی تو وال کی ایک بڑی مشہور دکان ہے میں نے آپ کو بتایا تھا۔“ شیردل نے کہا شروع کیا۔

”اور جو اس کے سوتیلے والد ہیں وہ.....“ منزہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”اس کے نانا وال کی دکان کھولنے سے پہلے کیا کرتے تھے؟“ شیردل مائی کی بات پر ہنس دیا۔

”مئی ان کا بزنس ہے یہ اور بات established ہے..... یہی کرتے ہوں گے وہ ہمیشہ سے.....“ اس نے بے پروائی سے کہا۔ منزہ اس کا چہرہ بڑے غور سے دیکھ رہی یوں جیسے یہ جاننے کی کوشش کر رہی ہوں کہ وہ اس کے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن شیردل کے چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہیں تھا جس سے انہیں یہ شک ہو سکتا کہ وہ اپنا بچہ کر رہا تھا۔

”یادہ! بچا ہٹا بیٹا! بیک گراؤ نہیں ہے اس کا۔“ منزہ نے بالآخر کہا شروع کیا۔ ”ویسے تم تو اس کے نانا سے اکثر ملنے رہتے ہو گے؟“ منزہ نے بات شروع کر کے یک دم کہا۔

”نہیں اکثر تو نہیں لیکن ہاں اس نے مل چکا ہوں چند بار پہلے بھی..... کبھی کبھار دوستوں کے ساتھ آؤنگنگ کے دوران آؤٹ آئی فنیسی جاتے ہوئے وال کھانے لے جاتے تھے میرے دوست وہاں..... یہ تو مجھے بعد میں پتا چلا کہ کس کے نانا ہیں وہ..... اچھے آدمی ہیں ویسے.....“ شیردل نے بے پروائی سے تبصرہ کیا تھا۔

”خاندان برا matter کرتا ہے۔“ منزہ نے یہ بات اس ساری گفتگو کے جواب میں کیوں کہی تھی اس کی کچھ میں نہیں آیا۔ ناس کی کچھ میں آیا..... نہ شیردل کی کچھ میں..... لیکن وہ تھوڑی اور عکس کے بیک گراؤنگ کے حوالے سے منزہ کی باتیں سن رہا تھا۔ نہ چاہے ہوئے وہ منزہ کی بہت سی باتوں سے متفق تھا۔

اکیڑی سے پاس آؤٹ ہونے کے ایک سال بعد منزہ کے سامنے شادی کے تذکرے پر سرسری انداز میں عکس کا نام لینے پر اس نے ماں سے دوبارہ یہی پچھرا تھا اور اس وقت اسے احساس ہوا اس کی ماں بہت پہلے اس خطرے کو محابہ بچ گئی تھی، نہ ہند بچا ہوئی تو اسے ڈھکے چھپے لفظوں میں اپنے خاندانی ہونے اور خاندانی بننے کی اہمیت کو جاننا چاہی ہوئی۔ وہ ماں سے زیادہ بحث نہیں کر سکتا تھا۔ کہیں نہ کہیں لا شعوری طور پر وہ بھی طبقاتی فرق اور اسے بیک گراؤنگ کی اہمیت پر یقین رکھتا تھا اور کہیں نہ کہیں وہ بھی عکس ساری سے شادی کرنے کی شدید خواہش کے باوجود اس ایک معاملے کی وجہ سے ہچکچاتا تھا۔ وہ اپنا بچا کہہ کر پروپزل جواس نے بظاہر بغیر غیبت کی سے عکس کو دیا تھا اس نے ٹھیک کوئی چھ کبر کھرا دیا تھا..... اس کے کسی طرف سے اس کی دلچسپی کا اظہار ملتا ہوتا تھا۔

ماں کی باتوں پر کسی نہ کسی حد تک اس کا دفاع کرتا..... بالکل ایسی طرح جس طرح اس نے عکس کو دوسری بار پروپزل کرنے کے وقت منزہ سے اس معاملے پر شدید بحث کی تھی..... وہ کہہ کہم کہم دوسری بار عکس سے شادی کرنے میں اس کے خاندانی بیک گراؤنگ کی وجہ سے متاثر نہیں تھا، مذہبی وہ ماں کو اس بات کے لیے blame

کرتا تھا کہ عکس نے اس کی شادی نہ ہونے کی وجہ یہی نہیں..... اسے یقین تھا کہ اگر عکس راضی ہو جائے تو وہ ماں کو مٹالیتا..... شیردل کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ اس کی خوش فہمی تھی..... وہ بخیر شیردل کو مسکاتا تھا۔ وہ منزہ بخیر کو بھی راضی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ یہاں مسئلہ خاندانی بیک گراؤنگ نہیں تھا، یہاں مسئلہ ہیزا نہیں تھا۔

☆☆☆

شرین شہباز حسین کو کبھی نہیں بھول سکتی تھی بالکل ایسی طرح جیسے شہباز حسین اس کی زندگی سے نکل جانے کو

بھول کر نارا دل نہیں ہوسکتا تھا۔ ان دونوں کی کم عمری میں شادی ہوئی تھی۔ شہباز ان دنوں امریکا میں اپنی زندگی گزار رہا تھا جب وہاں کسی ٹیلی فرینڈ کے ہاں اس کی شرمین سے پہلی ملاقات ہوئی اور تیسری ملاقات میں اس نے شرمین کو پروپزل کر دیا تھا۔ وہ اس وقت 17 سال کی تھی شہباز 22 سال کا تھا۔ دونوں بہت اچھی تعلیم یافتہ تھے اور عملی صورت میں بھی اپنی ملاقاتیں کرتے تھے۔

”ان کی شادی پورے پچھلے تھوڑے عرصے میں..... Love birds temperamental تھا لیکن شرمین کے لیے یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ وہ اس سے اتنی محبت کرتا تھا کہ کسی قسمہ کر بھی لیتا تو بھی اسے خود ہی منایا کرتا تھا۔ وہ کبھی کبھار روک کر تھا لیکن شرمین اس کی اس عادت سے..... شادی سے پہلے ہی واقف تھی۔ اس کا اپنا فلیٹ سیٹ بھی اسے اپنا تیار تھا کہ کبھی کبھار کسی شرب نوشی اس میں زیادہ بات نہیں تھی۔ شہباز حسین میں اور کوئی خاصی نہیں تھی کم از کم جب تک شرمین ایسا کچھ اس میں دیکھ نہیں پاتی تھی جس طرح اسے کبھی پریشانی یا تشویش ہوتی۔ شادی کے بعد وہ سول میں رہا آیا تھا اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں کی ساری باتوں اور شرمین پاکستان شفٹ نہ ہونے کی خواہش رکھنے کے باوجود اس کی محبت میں اس کے ساتھ

پاکستان چلی آئی تھی۔ اسے وہاں آ کر ایذا محسوس ہونے میں زیادہ وقت نہیں ہوئی تھی۔ شہباز کی صرف ایک بہن تھی اور وہ بھی میری زندگی لیکن اس کی extended family کافی زیادہ تھی۔ شرمین کو اس کی ٹیلی میں بڑی گرم جوشی سے لیا گیا تھا۔

شادی کے دس سال بہت آرام سے گزرے تھے۔ شادی کے شروع کے چند سالوں میں اوپر نیچے کے تین بار miscarriages کے بعد شہباز شرمین کے بارے میں ضرورت سے زیادہ پر دیکھو ہو گیا تھا۔ شہر ہالو کی پیدائش کے بعد اس نے شرمین سے کہہ دیا تھا کہ اسے مزید بچوں کی ضرورت اور خاندانی نہیں تھی۔ شرمین خود بھی زیادہ اولاد میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔ ان کی زندگی میں آنے والا واحد طفلانہ خردین اور چار کی وجہ سے آیا تھا اور وہ بالواسطہ ہی ان کے شہرے کی جڑیں اکھاڑ گیا تھا۔

سسرالینس سے شرمین کی کئی سالوں کے بعد لاہور کا ٹونٹ میں ملاقات ہوئی تھی۔ شہباز کی اگلی پوسٹنگ بہت عرصے کے بعد واپس لاہور میں ہوئی تھی۔ شہر با لوتجہ آٹھ سال کی تھی۔ سسرالینس کو لاہور ٹونٹ میں تھیں لیکن اس بار وہاں پر ہل کے طور پر نہیں تھیں۔ شرمین سے ان کی ملاقات اتفاقی ہوئی تھی۔ شرمین خود بھی لاہور کا ٹونٹ میں بہت بچپن میں چند سال پر تعلیم رہی تھی۔ سسرالینس کے ساتھ چھ سال پہلے ہونے والے تلخ تجربے کے باوجود شرمین ان سے بہت گرم جوشی سے ملتی تھیں لیکن سسرالینس اس سے جب بھی کچھ بھی تھی رہی تھیں۔ ان کے رویے نے شرمین کو ایک بار پھر چند سال پہلے ہونے والے اس واقعے کے حوالے سے جیس کا شکار

کر دیا تھا اس نے اس بار شہباز حسین کو سسرالینس کے بارے میں بتانے کی حماقت نہیں کی تھی۔ وہ ایک بار پھر شہر ہالو کی سسرالینس کے حوالے سے شہباز حسین کے رویے میں کوئی آفراتفری دیکھنا نہیں چاہتی تھی لیکن اس بار اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ سسرالینس سے ان کے اور شہباز حسین کے درمیان ہونے والے تنازعے کی اصل وجہ جاننے کے لیے ضرور کوشش کرے گی اور اگر ممکن ہو تو وہ اس تنازعے کو بھی حل کر دے گی۔

وہ سسرالینس سے اس تنازعے کی وجہ جاننے پر اتنا اصرار نہ کرتی تو سسرالینس چڑا اور خردین کے ساتھ اگلے والے واقعات بھی شرمین کے ساتھ شیئر نہ کرتیں۔ سسرالینس سے سب کچھ سننے کے بعد شرمین اگلے کی

مباحثہ کیا کیونکہ..... جون 2012ء

مباحثہ کیا کیونکہ..... جون 2012ء

مباحثہ کیا کیونکہ..... جون 2012ء

مباحثہ کیا کیونکہ..... جون 2012ء

مباحثہ کیا کیونکہ..... جون 2012ء

”شہباز براس کے ایک پرانے لگنے والے کچھ الزامات لگا کر کئی سال پہلے اس کی سرکاری نوکری سے برطرفی کے فیصلے کو کورٹ کے ذریعے چیلنج کیا ہے۔“ منظرہ نے بالآخر اسے مختصر لفظوں میں بتایا۔
”میری کچھ میں نہیں آیا..... پاپا پر اب کوئی کیس کیسے کر سکتا ہے؟“ منظرہ کی بات شہر بانو کے سر کے اوپر سے گزر گئی تھی۔

”تم عکس مراد علی کو جانتی ہو؟“ منظرہ کے اگلے سوال نے شہر بانو کو کچھ اور بھی حیران کیا۔

”جی وہ شیر دل کی دوست اور کو ایک ہے۔“ اس نے بے ساختہ کہا۔

”وہ اس کلک کی نواسی ہے۔“ شہر بانو کو ایک لمحے کے لیے کچھ سمجھ نہیں آیا۔

”تمی مجھے یہ equation سمجھ میں نہیں آئی۔ کون کلک، کیسے الزامات؟ اور اس میں پاپا یا عکس کا کیا نکلشن ہے؟“ اس نے کچھ الجھ کر منظرہ سے کہا۔

”اس ٹیلی نے پہلی اس گھر میں شہباز اور تہاری می می کو serve کیا تھا۔ پھر خیرہ وین نے گھر میں چوریاں کرنی شروع کر دیں اور شہباز نے اسے گھر سے نکال دیا۔ یہاں ہی می می اس پر بہت خفا ہو گئیں کیونکہ خیرہ وین اس کا بڑا نفیوس نوکرتھا اور خیرہ وین نے بھی شرمین کو انٹی سیڈی پٹیاں پڑھا میں..... شہباز پر بہت برے برے الزامات لگائے۔ اسی کے الزامات کی وجہ سے شرمین نے شہباز سے سمجھ کی اعتباری تھی اور اب اسنے سالوں کے بعد وہ پھر معصوم بن کر ادھاس آ گیا ہے اپنی اس نواسی کو لے کر جو پہلے شیر دل سے شادی کے لیے اس کے چچے پڑی ہوئی تھی اور جب وہ نہیں ہوا تو اب یہ نیا پنڈت درلہا کس لے کر آگئے ہیں وہ دونوں۔ میں چاہتی ہوں تم شیر دل سے بات کرو۔ اسے سمجھاؤ کہ وہ اس لڑکی کو اور اس کے نانا کو بچ کر اسے اس کیس سے..... وہ وہ اس کی دوست ہے اس کے لیے مشکل نہیں ہے اسے یہ بات سمجھانا..... میں نے ابھی بھی اس سے بات کی ہے سبکا پور..... لیکن وہ کہہ رہا ہے وہ عکس کو بچ نہیں کرے گا۔ اسے اپنے ناموں، اپنے خاندان تمہارے باپ کی پروا نہیں ہے۔ اس لڑکی کی پروا ہے..... شہر بانو اس سے بات کرو گی بھی کچھ ہوگا۔“ منظرہ اس سے کہتی جا رہی تھی کہ انڈازہ لگنے بغیر کچھ انہوں نے شہر بانو کے کانوں میں سیرساڑھ لٹا تھا توڑی دیر پہلے..... وہ کلک خون کا ریسور کا نڈھال سے لگنے پٹی رہی تھی۔

شہباز حسین..... شرمین..... الزامات..... علی گھدی..... عکس مراد علی..... شیر دل..... پتا نہیں ان میں سے کون سی بات نے اسے زیادہ کاٹا تھا..... کون سی بات آری تھی اور کون سی چھری..... لیکن شہر بانو کا کھر گرداب میں بھٹس گیا تھا اور اس کا دماغ چکرار ہا تھا۔

☆☆☆

اس نے چکراتے ہوئے سر کے ساتھ رات کے دو بجے شیر دل کے بیڈروم کے دروازے کو بجانا شروع کیا تھا اور پھر وہ بے اختیار پاگلوں کی طرح جہانی ہی چلی گئی تھی۔ اس نے اندر سے شیر دل کی خشکی میں کچھ کہنے کو بھی نہیں سنا تھا۔ شیر دل نے نائٹ سوٹ میں بہت ہڑ پڑائے ہوئے ایک ہنگلے سے دروازہ کھولا تھا اور وہ عکس مراد علی کو دروازے پر دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا تھا۔ اس کا چہرہ دھمکے کی طرح سفید ہو رہا تھا۔

”کیا ہوا؟“ شیر دل نے بے اختیار اس کا بازو پکڑا۔ وہ بھونک کی طرح اس سے لپٹ گئی تھی۔

”نانا..... نانا.....“ شیر دل نے بھونکیوں اور سکیوں میں اس کی آواز ڈالی۔

(باقی آئندہ)

ہماری بھول

عطیہ

جیلہ کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔ جھاڑو، پونچے سے فارغ ہو کر اس نے کپڑے بھی دھوئے تھے۔ وہ چاہتی تھی جیلہ باجی کے گھر سے جلدی کام ختم کر کے عرفانہ باجی کے گھر پہنچے۔ ان کی منڈ کو دیکھنے کے لیے آج کچھ مہمانوں نے آئے تھے۔ ویسے تو وہ ان کے گھر بھی صرف جھاڑو پونچھا ہی کرتی تھی لیکن کبھی کبھار عرفانہ باجی کی نالٹو کام کے لیے روک لیتیں تو اضافی پیسے بھی دے دیتی تھیں۔ باجی جیلہ کو ایسی ہی





مجھ سے ملیے

مجھے نور افشاں فتح کہتے ہیں، میں سندھ کے ایک پیارے سے شہر شکار پور میں پیدا ہوئی۔ ہم چار بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ میں سب بہن بھائیوں میں آخری نمبر پر ہوں۔ مجھے میری سب دوستیں ”نور“ کہتی ہیں۔ دن کا آغاز میں اللہ پاک کے پیارے نام سے کرتی ہوں۔ میری تعلیم ڈبل ماسٹر ہے ایک انکسٹنٹ میں دوسرے انکسٹنٹ میں جو ابھی مکمل ہو ہے۔ میں مختلف سندھی اخباروں میں صفائیں بھی لکھتی ہوں۔ پانچ سال پہلے لکھنا شروع کیا اور پہلا آرٹیکل بھی میرٹ پر پرفٹ ہو گیا تھا۔ میرے ایک سو سے زیادہ آرٹیکل اور سات کہانیاں چھپ چکی ہیں۔ کھانے میں مجھے دال، چاول، میری پیٹ، گرم، باریک کدو، کوفتے، شامی کباب، مچھلی بہت پسند ہے۔ چائے بھی میں بہت شوق سے پیتی ہوں۔ مجھے انجھی انجھی خوشبوؤں والے سارے پرنیوز اچھے لگتے ہیں۔ مہموں میں مجھے سادہ کاموں اچھا لگتا ہے جب میرا دل خوش ہوتا ہے۔ مجھے انیف ایم ریڈ پوسٹن کا بھی بہت شوق ہے، شکار پور اور سکمر انیف ایم کے لایو پر کراسز میں بھی حصہ لیتی رہتی ہوں۔ فارغ وقت میں ڈانچا بٹ پر پڑتی ہوں۔ درد و پاک پر پڑتا، بھی آرٹیکل لکھنے کا کام، مجھے اپنی بہنوں کے ساتھ بہت محبت ہے اور وہ بھی مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں میں اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات انہی بہنیں کو بتاتی ہوں، مجھے آج اور عمر کرنے کا تو بہت بہت شوق ہے۔ اللہ کرے میری یہ خواہش اس سال ہی پوری ہو، آمین۔ آپ بھی دعا کریں پلیز۔

مرسلہ نور افشاں، شکار پور

معلوم ہو سکا وہ سب تسلی بخش تھا۔ چنانچہ آج جب ارب کے گھر والے رشاکو کھینے آرہے تھے تو رشاکو کے گھر والے مضہن تھے کہ بظاہر ہرکئی رکاوٹ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ امید بیگم کی کدو شطرنج بٹے ہوئے تھے۔

”مسیر اللہ بہت مہربان ہے۔ دلی سب کی سننے والا ہے، ورنہ یہ دنیا والے تو کسی کے کام نہیں آتے۔ اس پاس، خاندان، برادری میں رشاکے جوڑ کے کئی ٹوکے تھے مگر ان کی ماؤں، بہنوں کے مزاج آسانوں سے باتیں کر رہے ہیں لیکن میرے اللہ نے مجھے گھڑائی کی بھی سن لی۔ ایسا نیک خیر و اور پیسے والا دام

یہ عادت اچھی تھی کہ وہ ہیلے کے پیچھے پیچھے بھر کر اس کے ہر کام کا باریک بینی سے نظر فرمائی کی طرح معائنہ نہیں کرتی تھیں۔ سزوشی تو فیصلوں کے کف، کار، شلوار کے پانچے پشورنگ کو دیکھتیں۔ ذرا سادہ دکانی دے جاتا تو دوبارہ دھواؤں لیکن ان کی اس میں بخ نکالنے والی عادت کو جیلہ خوش دلی سے اس لیے برداشت کرتی تھی کہ وہ اجرت بہت فراخ دلی سے دیتیں۔ مقررہ تنخواہ کے علاوہ بھی اکثر ہی اسے کچھ نہ کچھ دیتی رہتی تھیں۔

عقیدہ باجی بچن میں کھانا بنارہی تھیں، ساتھ ہی ساتھ کپڑے دھونے کے لیے مشین لگا رکھی تھی۔ جیلہ نے ہماڑ تو پور سے گھر کی لگا دتی لیکن پوچھا صرف لاڈ اور ڈانگ روم میں لگایا۔ ہاتھ روم میں صرف وغیرہ ڈالنے کے بجائے صرف پانی بہا کر اپنا کام ختم کیا۔ البتہ لاڈری اور بچن اسے انجھی طرح صرف اور ڈال ڈال کر گڑ گڑ کر دھویا۔ عقیدہ اس کی جانفشانی دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ فرخ نے اسے رات کا پچاسا سنا اور چاول ان کے جیلہ کے حوالے کیے۔

عقیدہ باجی کی مہربانی پیتے کچھ کھانے پرانے کپڑوں تک کچھ دودھ تھی۔ حمید، بزمید پر بھی تنخواہ کے علاوہ نقد رقم ہاتھ میں رکھتیں۔ جیلہ کے خیال میں انھیں صاحبہ یعنی عقیدہ کے میاں کی تنخواہ اچھی تھی لیکن عقیدہ باجی کافی کفایت شعار تھیں۔ تیوں نے ابھی چھوٹے ہی تھے لیکن وہ ابھی سے ان کے مستقبل کے حوالے سے منصوبہ بندی کرتی رہیں۔

”باجی، میں کھانا ابھی اپنے فرخ میں ہی رکھے رہتے دیں۔ کل سے جاؤں گی۔“ جیلہ کو عرفانہ کے ہاں سے زیادہ اچھے مال کی توقع تھی۔

عرفانہ کے ہاں کافی کام پھیلا ہوا تھا۔ عرفانہ کی ساس نے پورے گھر کو پھری بنا رکھا تھا۔ رشاکو بھی لیکن ہوئی خوش شکل لڑکی تھی مگر بچپن کے بعد اس کی ای کی تو

امید تھی، پھر وہاں سے اسے قریبی صاحب کے ہاں جانا ہوتا تھا۔ تب تک شام ہو چالی تھی۔ وہ اس کمر میں کپڑے دھوئے اور اس کی کام کرانی تھی۔ گھر جاتے جاتے تک کر چڑھ جاتی مگر پھر اسے گھر کے کام بھی کرنے پڑتے۔ تیوں نے ابھی چھوٹے تھے۔ بڑا بیٹا بارہ، تیرہ برس کا تھا۔ اس سے چھوٹی بیٹی دس برس کی اور سب سے چھوٹا بیٹا سات برس کا تھا۔ تیوں نے کچھ کچھ کے سرکاری اسکول میں پڑھتے تھے۔ بے شک پرائیوٹ اسکول کی طرح شاندار خرچ نہ تھا مگر پھر بھی کتابیں، کاپیاں، پیٹھارم وغیرہ کا خرچ تو تھا ہی۔ جیلہ کی طرح اس کے شوگر ہو گئی شوق تھا کہ اس کے بچے پڑھ لکھ جائیں۔ مذہب ایک فیکری میں روزانہ کی اجرت پر کام کرتا تھا۔ بیٹھ تان کر گزارہ ہو ہی رہا تھا مگر اس مہنگی نے جو کسی عفریت کی طرح پھیلنے جا رہی تھی اب تو دو وقت کی روٹی بھی دو گھر کر دیتی تھی۔

گئیں، بجلی کی کٹی کی گھنٹوں اور دلوں کی بندش نے فیکری کی بجلی پریشان کر رکھا تھا۔ ان کی پریشانی کا اثر پڑنا تھا روزانہ اجرت پر کام کرنے والے کارکنوں پر۔ یہ لوگ آئے دن چھاتی کی زد میں آئے رہتے۔ مذہب بھی اس آفت کا شکار رہتا۔ اگرچہ جیلہ بھی اس کی نوکری جاتی رہتی تھی مگر اس قدر پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ وہ ایک سختی کا گھر تھا۔ اسے جلد ہی دوسری جگہ نوکری مل جاتی تھی مگر آج کل جس طرح ملک کے معاشی حالات دگرگوں تھے اسی طرح مذہب اور جیلہ کی پریشانی بھی روز بروز بڑھ رہی تھی۔

اب کی بار جب مذہب کی نوکری ختم ہوئی تو دوسری مل ہی نہیں رہی۔ جیلہ کی تنخواہ میں پورائی نہیں پڑتا تھا۔ گھر کا کرپ، بجلی، گیس، کابل۔ جیلہ نے اچھے دلوں میں جو عورت بہت بچت کر کے رکھی تھی کہ اپنا گھر بنائیں گے، وہ تیزی سے خرچ ہو رہی تھی۔ جیلہ نے مہرئی سے اپنا کام ختم کیا۔ عقیدہ باجی کی

مکمل ناول

دوسرا اور آخری حصہ

ایسے دلِ نادان

میمنڈو شریف

افق سو رہی تھی کہ اس کا فون بجا۔ وہ نیند سے جاگی اور فون سنا۔ فون ماہ پارہ کا تھا۔

”حادثہ برنس کے سلسلے میں ملک سے باہر چلا گیا ہے۔“ ماہ پارہ نے حال پوچھنے کے بعد بتایا۔
”آخر اتنی بھی کیا جلدی تھی حادثہ کو۔ مجھے بتایا تک نہیں۔“ افق حیران ہوئی اور بے ساختہ ہنسی۔
”بتادے گا۔ فون پر ہی تو بتانا تھا اس نے تمہیں۔ اصل میں اسے امیر جنسی میں جانا پڑا ہے۔
قریباً ایک مہینے تک وہی ہوئی اس کی، تم ایسا کرو اتنے دن تک اپنی ای کی طرف براہ رویہ لو۔ تمہیں بھی تھوڑا چنچل مل جائے گا۔“ افق کے داغ میں آندھاں چلنے لگیں۔
”میرے ایڈیشن اشارت ہو گئے ہیں خالد۔ یہ وقت نکل گیا تو پھر میرا ایڈیشن بہت مشکل ہو جائے گا۔“

”یہ کام تو حادثہ نے کرنا تھا۔ میں تو ان معاملات کو نہ سمجھتی ہوں نہ ہی سمجھ کر سکتی ہوں۔“ ماہ پارہ نے اس بات کو بغیر ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔

”تو خالد آپ کو بات تو کرنا تھی حادثہ سے۔“

”کسی اپنی باتیں کر رہی ہوتی۔ اس کے برنس کو کبھی کچھ ہے اور میں اپنی جلدی میں اس بات کرتی۔ کیا اتنی نادان ہوتی۔“ افق کو ایسا لگا اس کا بتایا تا جملہ اس کی مسکرا دیا ہو۔
”اچھا سنو! اپنے کپڑے وغیرہ اور ضروری چیزیں جو تم نے لی ہیں اکڑ لے کر لے جانا۔ آخر تمہیں ملے گی اپنی ای کی طرف، تمہیں کپڑوں وغیرہ کی تو اورت پرے کی نا۔“ ماہ پارہ بولیں۔
”اور سنو اپنی صحت وغیرہ کا خیال رکھنا، حادثہ آئے گا تو میں تمہیں پہلے آپ کے لیے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی۔“
”وہ کس لیے؟“ افق نے خشک سے لہجے میں کہا۔

”ارے ابھی اتنی کمزور ہوتی تھیں چیک اپ کی ضرورت ہے۔“
افق نے فون بند کر دیا۔ غم و غصے سے افق کی حالت تباہ تھی۔ اس نے فون کیا لیکن حادثہ فون انٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔ افق کا غصے سے برا حال تھا۔

اگلے روز حادثہ کا خود ہی فون آگیا لیکن افق نے فون انٹینڈ نہیں کیا۔ حادثہ کو یہ بات بہت چھی۔
”اس بات کی تو انہوں نے حادثہ کو منع کر دیا کہ اب وہ فون نہ کرے کیونکہ افق نے ان کے ساتھ بہت نیکی کی ہے۔“ خوب زبان درازی کی ہے۔ حادثہ کو اس کی عزت زیادہ عزیز تھی، اسے یہ بات اور بری لگی۔

افق کی بے چینی اور پریشانی دیکھتے ہوئے عمارہ نے اسے ٹھونے کی کوشش کی کہ وہ کس پریشانی میں ہے۔ افق نے عمارہ کو سارے حالات کے بارے میں بتا دیا۔ عمارہ ہنسنے لگی کہ وہ کس پریشانی میں ہے۔ اس سے اسے بات چیت کرنے میں سلسلہ منقطع کر کے نہ دیتے۔ افق کو یہ بات سمجھ گئی کہ اگر وہ حادثہ سے رابطہ نہیں رکھے گی تو اور پریشانی میں مبتلا ہو جائے گی۔

کی۔ افق نے حادثہ کو فون کیا اور عمارہ ہنسنے لگی۔
”بغیر بتائے اور بغیر مجھ سے ملے دیار غیر چلے گئے۔ کیا آپ کے دل میں اپنے جیون ساتھی کی یہی قدر ہے۔“ حادثہ پہلے ہی بھرا بیٹھا تھا۔ افق کی دلجوئی کے بجائے اسے ہی برا بھلا کہا اور افق کو ہی الزام دینے لگا۔

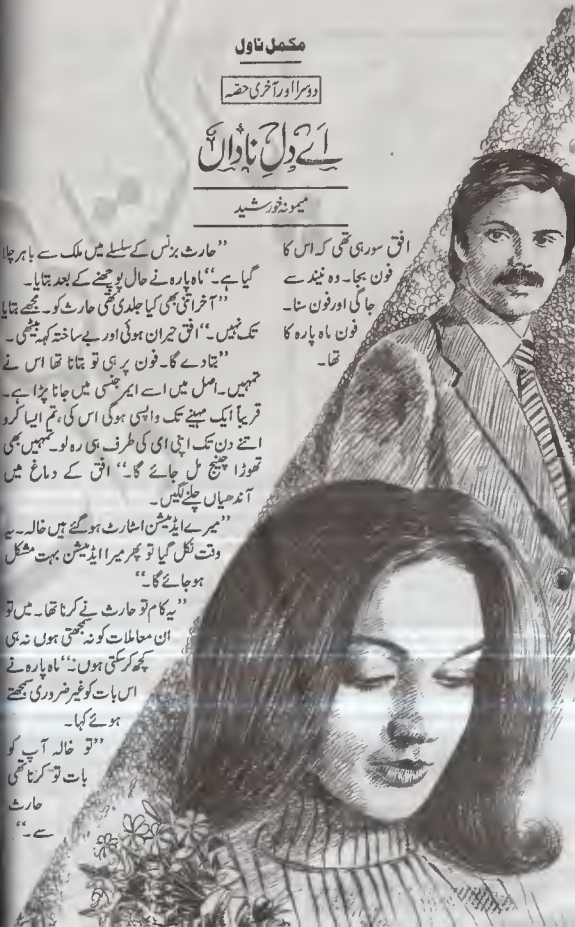
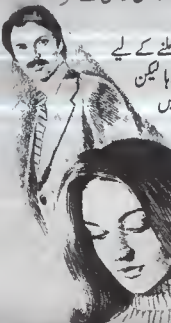
”تم نے کون سا بیویوں والا حق ادا کیا ہے کہ میں تمہیں اس قابل سمجھتا۔“ افق حادثہ کی باتوں سے بددل ہو گئی اس لیے اسے مقصد کے بارے میں بات نہیں کی۔ عمارہ ہنسنے لگی کہ افق کو سمجھائی کہ الٹی الٹی بات کرے اور حادثہ کے آنے کا انتظار کرے یوں جلد بازی سے کام نہ لے۔ ایک مہینہ افق کا جلنے کڑھتے گزر گیا۔

ایک مہینے بعد حادثہ آیا تو ماہ پارہ ہنسنے لگی۔ عمارہ کو فون کیا اور روکے لہجے میں حادثہ کے آنے کی اطلاع دی۔

”میری تو طبیعت ٹھیک نہیں جو آسکوں تم افق کو عمارہ کے ہمراہ روانہ کر دو۔“

یہ بات افق کو ہی کیا سارے گھر والوں کو بہت بری لگی اس کے باوجود عمارہ، افق کو اس کے گھر چھوڑ آیا۔

عمارہ حادثہ سے ملنے کے لیے ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہا لیکن حادثہ، عمارہ سے ملنے نہیں آیا۔ ماہ پارہ ہنسنے لگی جیون جواز ٹھیک کر حادثہ گھر پر نہیں



انتاہی یاد آ

انتاہی یاد آئے

کہ زندگی کی کا زار نہ بنے

سائنس جسم کا بار نہ بنے

خوشی ملے تو خوشی میں

کوئی دکھ کی مجال نہ ہو

آکھ کی روشنی کے پیچھے

ہلکی سی نمی نہ ہو

انتاہی یاد آ

کہ زندگی کا نیا سفر

آسان ہو جائے

ہمسفر جو ملے

زندگی کا

ہوم ہو جائے

خوشی کے رنگوں میں

خوشبوؤں کے ریلے میں

میں ڈوب جاؤں

تو میرے اس

ڈوبنے میں

میرا دل تمام تر آبادی کے ساتھ

شامل ہو

ہر سوچ سے آزاد ہو دل

ہر خیال سے بے نیاز ہو دل

انتاہی یاد آ

شاعرہ: نسیم غازی، لاہور

”ہاں، ہاں آپ بھی مار لینا مجھے..... بیٹے کی ماں میں اور ماں کی حمایت میں بیٹا مارے پیٹے“

”افق غصے سے چلائی تو حادثہ کمرے میں“

”اسی اس کے منہ لگنا فضول ہے۔ اس کے گھر

روں کو بلائیں اور اسے چلا کر یہیں سے۔ اس کا

ہاں رہتا بالکل ٹھیک نہیں۔ نفسیاتی مر لیضہ نہ جانے

کو کیا نقصان پہنچائے اور گلے میں پھندا ہمارے

گھر۔“ حادثہ نے ماں سے کہا۔

”میں نفسیاتی مر لیضہ ہوں تو تم کون ہو.....“

”اے غصے سے حادثہ کو دیکھا۔ دونوں کے مابین

چکر اڑا رہا تو بارہ نے غمراہ کو فون کر کے افق کے

حالات کے متعلق بتایا۔ غمراہ اور ستریل انگلی ہی دن

بارہ کو یہ کمر آئے تو افق جانے کے لیے تیار بیٹھی

”بات تو بتاؤ کہ ہوا کیا ہے؟“ غمراہ بیگم نے

پوچھا تو افق خاموش رہی۔

”وہی بات ہے جو تمہارے ساتھ تھی۔ جب

حادثہ تو میری منہ میں سے نہیں پڑھانا چاہتا ہوں تو میں

کچھ اور کیونکر پڑھا سکتی ہوں۔ اس کی بات باتوں کو

کھات ہے ورنہ اس کی وہی منہ زوری جو کرتی چلی

اوپر ہے یہ سب کے ساتھ۔“ بارہ بیگم نے کہا۔

”تم یہ خند چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔ ساری

ہلکی کھالوں کی خود کو تباہ کر دیتی۔“ غمراہ بیگم نے افق

کو کہا۔ افق تو پہلے ہی ماں سے بدلتی تھی اور بھی

ہلکی ہوئی۔

”آپ نے مجھے اپنے ساتھ لے کر چلنا ہے یا

کہیں اور چلی جاؤں۔“

”کہاں جاؤ گی تم..... شریف گھروں کی

ماں باپ یا شوہر کے گھر کے علاوہ کہیں نہیں

کی ہے آپ نے میرے ساتھ۔“

”یہ تم کس لیے میں ای سے بات کر رہی ہو۔

کبھی میں نے اس طرح بات نہیں کی ای سے۔“

حادثہ، افق کے کچھ کچھ غصے سے بولا۔

”تو کس لیے میں بات کروں میں۔ وعدہ خلافی

کی ہے انہوں نے میرے ساتھ۔ جھوٹ بول کر میرا گھر

لائی ہیں۔ مجھے۔“

”جو اس بندہ کو اپنی۔“ حادثہ نے افق کے

منہ پر تھپڑ مار دیا۔ وہ چلا کر گئی۔ حادثہ کا یہ عمل

افق کے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ گنگ رہ گئی۔ وہ

حیرانی سے حادثہ کو دیکھتی رہی پھر اپنے کمرے میں جا

کر کرنا بند کر لیا۔

”سارا دن ہو گیا ہے تمہارا یہ ڈراما دیکھتے ہوئے

مجھے۔ یا تو تم سیدھی طرح سے اپنا گھر بنا لیا یا اپنا بوری

بستر بنیو اور یہاں سے نکلو۔ کیوں زندگی بھر کی کردی

ہے تم نے میرے بیٹے کی۔“ پورا دن گزرنے کے بعد

ماہ بارہ بیگم نے کمرے میں آکر کہا۔

”زندگی تو میری خراب کی ہے آپ نے۔ دھوکا

دیا ہے مجھے۔ جھوٹے اور دغا باز لوگ ہیں آپ۔“ افق

نے غصے سے کہا۔

”کون سی زندگی کی بات کر رہی ہو تم۔ بڑے

عیش و آرام میں رہ رہی نہیں ناں۔ گھر والوں نے

پرانے کا ٹھکانہ کی طرح تمہیں اسٹور میں پھینکا ہوا

تھا۔ میں نے تمہیں سچا سنوار کر ایک نیا بے موتی

تمہارے گلے میں ڈالا اور تم نے اس موتی کی کسی قدر

نہیں کی۔“

”آپ کے لیے ہوگا وہ نیا بے موتی میرے

لیے تو ایک بچہ ہے احساس سے لائق۔ غرض پوری

کرنے والا ہے۔“

”لو کی زبان بند کرو اپنی ورنہ میں تمہارا منہ لوچ

لوں گی۔“

ہے۔ غمراہ واپس چلا گیا۔

افق غم و غصے سے بھری بیٹھی تھی۔ اپنے ساتھ

ہونے والی زبانی اور وعدہ خلافی پر بھی احتجاج کرنا

چاہتی تھی لیکن یہاں تو اجڑا ہوا پتھر اور تھا۔ ماہ بارہ بیگم

کا منہ پھولا ہوا تھا اور حادثہ بالکل بھرا بیٹھا تھا۔

”اس سے پوچھو کہ اسے فون کر کے میں نے کہا

تھا کہ نہیں اپنے کپڑے وغیرہ یہاں سے لے جائے یا

منگوا لے۔ اس کے باوجود یہ انہی دو چیزوں میں

وہاں بیٹھی رہی۔ ہر آئے گئے سے آکر مجھے یہی بتایا

کہ اس کا پہننا تو وہی ہے جو شادی سے پہلے کپڑے

پہنا کر تھی۔ کیا میں نے اس کا سامان بجوری میں

بند کر دیا تھا جو اس نے ہماری عزت کا یوں ٹھکانا لایا

وہاں بیٹھ کر۔“ ماہ بارہ نے حادثہ سے کہا۔

”کون لوگ ہیں آپ کہ بتانے والے ہے؟“ افق

غصے سے بولی۔

”تمہارا خاندان..... ہمارا خاندان جو بھی آتا

تھا یہی بتاتا تھا کہ اس نے نواہرے پن والے کپڑے

پہن رکھے ہیں۔ ہمارے یہاں تو بچیاں رخصت

ہوئیں تو ان کے کپڑے مایوس کو دے دیے۔ تم نے

یا تمہاری ماں نے وہ کپڑے کیوں دے دیے ہیں۔

اسی لیے ناں کہ بعد میں ہمارا تمام شکر لگاؤ۔ یہ سچی بڑی

بدگلوئی کی بات تھی یہ بھی نہیں سوچا تم ماں بی بی نے۔“

ماہ بارہ بولیں۔

”بات نہیں خالہ! مجھے ان فضول کی باتوں میں

مت الجھنا میں مجھے پروا نہیں دنیا والوں کی۔ میں ابھی

طرح سے جاتی ہوں کون لوگ ہیں جو آپ کو بکھر گئے

..... رہتے ہیں۔ مجھے ان سب چیزوں کی کوئی پروا

نہیں۔ آپ وعدہ کر کے لائی نہیں مجھے کہ میری

ایکویں شروع کروائیں گی۔ کہاں گیا وہ وعدہ تائیں

مجھے، ایڈمنسٹریٹو اپن ہو کر بند ہو گئے اور آپ کو ذرا سی

پروا نہیں ہے، احساس ہے آپ کو کتنی بڑی وعدہ خلافی



غزل

جسے دلیل کا مضر عطا کیا گیا تھا
وہ سر بلند شاں پر چڑھا دیا گیا تھا
میں اپنے نور کو تقسیم کس طرح کرتی
مجھے چراغ سے پہلے بجھا دیا گیا تھا
ہوا کے دوش پر موقوف مٹی اڑان مری
مجھے گلاب سمجھ کر بجا لیا گیا تھا
میرے خیر سے اٹھی تھی اعتبار کی خد
مجھے فرار کا رستہ بتا دیا گیا تھا
وہ حوصلہ کسی مجذوب کی امانت تھا
جو میری ذات کی زد سے بچا لیا گیا تھا

”تم اتنی کسمپاشا دکھو اتنی نادانی کیوں کر رہی
خالہ طعنے انداز میں یوں۔۔۔ اپنا گھر
بھانپ سکتی اور ہماری بھی برائیاں کرتی ہے خالہ
دیکھ کر۔“

”اور آپ۔۔۔ آپ نے جو میری برائیاں کیں
میں نے کہہ دیں بدشکل ہوں، پھوڑ ہوں، کیسے بیاہ لیا
ہوں نے اپنا بیٹا یہاں۔۔۔ وہ کیا تھا؟ اتنی غصے سے
کہ۔۔۔“

”ہائے۔۔۔ تم تو ہم پر تہمت لگا رہی ہو۔“
”میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ آپ
کی برائیاں کر رہی تھیں ویسے کے روز۔۔۔ اور ایک
مہینہ میں یہاں بیٹھی تو آپ لوگوں نے جا چکر بتایا
خالہ کو کہ میں اسنے برے حال میں ہے، پرانے چوتھروں
میں یہاں پر ہی ہوں۔ کون سے بڑے بچن کا کردار ادا
آپ لوگوں نے۔“ عمارہ بکا کافق کو بولنے سے
رہ گئی، لیکن کب تک خالہ غصے سے لال چلی ہو کر
وہ رہے یوں۔

”جتنی خاطر تواضع ہو گئی ہے اس کے بعد میں
یہاں نہیں سمجھتی۔ آپ سمجھیں اپنی بھانجی اور بہنیں
لوں تو ایک جہل یہاں نہیں رہیں گی جاری ہوں
میں۔“ خالہ غصے سے کہہ کر چلی گئیں۔ حسنین بھی
پہ پیچے چلے گئے۔

”وہ تمہارا معاملہ سلجھانے آئے تھے تاکہ
میں نے۔۔۔ تم اپنی بات کرتیں حمایت حاصل کرتیں
میں کی یہ کیا کیا تم نے انہیں ہی برا بھلا کہا شروع
کیا۔۔۔ اگر تم عقل لڑکی تھیں اس احساس سے تمہارے
اپنی بھانجی جانے میں ہیں اسے اس گھر میں۔“ عمارہ
اپنی منہ سے برس پڑیں۔

”جانتی ہوں میں بہت اچھی طرح سے جانتی
آپ کو اس وقت میرا نہیں انہی کا احساس ہو سکتا
میں اس دور رہے پر کھڑی ہوں۔ کن لوگوں کی

برے وقت میں آکر نہیں پوچھا۔ بچی کے دل میں اتنا
زہر ہے تو وہاں باپ کے دل میں کتنا نہ ہوگا۔ سچ مائی
حسین میں تو اتنی کے حالات سے ٹھک سی گئی
ہوں۔ کیسے اپنی بیٹی یا بیٹا عمارہ کے گھر بچا ہیں
گے۔ کیسے ماہ ہوگا ہمارا ان سے۔“

”تمہارا ہی شوق تھا۔۔۔ پہلے بیٹی دے کر پھر
لینے کا بھی شوق تھی تو چرا لیا۔“
”معافی مانگتی ہوں میں تو بھی اپنی اس غلطی
کی۔ میں تو ہرگز بھی ایسا نہیں لوں گی۔ وہ جیسے تو کسی
کیسے ماہ پارہ رو رو کر بتا رہی تھیں کہ مقابلہ کیا افاق نے
حادث کا خود آپا سے کیسے زبان چلاتی ہے۔ وہ۔“

”اب ماہ پارہ آیا کو اتنا بھی مظالم نہ سمجھو تم۔
کچھ نہ کچھ تو ہو گا کوٹھان میں بھی۔“
”رہنے دیں آپ۔۔۔ آپا نے دو بیٹیاں بیاہ
رکھی ہیں، آج تک کوئی غلط بات سننے کو نہیں ملی۔ کسی
بھی بیٹی کی سرال سے۔ عمارہ اور تنزیل نے پہلی ہی
بیٹی بیاہی اور عزت کے جھنڈے لگ گئے۔ مجھے یہی
سمجھ نہیں آ رہا عمارہ نے بیٹی کو بخا کیوں رکھا ہے۔
اسے گھر کیوں نہیں بھیجتیں۔ بھلا بیٹیاں بیاہ کر
یوں گھروں میں بٹھائی جاتی ہیں۔“

”بات کرتا ہوں میں عمارہ سے، پوچھتا ہوں کہ
کیا معاملات ہیں۔“

☆☆☆

”میں تو بھائی جان اس لیے چپ ہو کر گھر
میں بیٹھی تھی کہ کیسے کیو تاکاؤں۔“
”ہم سب کی میں شامل نہیں ہیں عمارہ، بھائی ہوں
میں تمہارا۔“

”مگر مجھے یہ بھی تو دیکھنا پڑتا ہے کہ آپ کے گھر
میں اپنے دو بچے کیا بنے جا رہی ہوں۔ کوئی غلط بات
آپ تک نہ پہنچے، میں سمجھنے کی اطلاع تھا کہ آپ کے
گھر سے ہی آگ لگنا شروع کر رہی گی۔“

”مجھے کچھ نہیں سننا اسی۔۔۔ بہت کم لیں میں
نے سب کی نصیحتیں۔۔۔ آپ نے زندگی پر بادی ہے
میری۔ شروع سے اب تک نہ تو پہلے بھی آپ نے
مجھے سپورٹ کیا تھا اور نہ ہی اب کر سیں، میں یہاں
ایک پلی نہیں رکوں گی۔ آپ بتائیں مجھے لے کر چل
رہی ہیں یا میں۔۔۔ یہاں سے نکل جاؤں۔“ تنزیل
اور عمارہ جیکس اس کی ہٹ دھرمی اور ضد کو خوب اچھی
طرح سمجھتے ہوئے فی الحال تو اسے اپنے ساتھ لے کر
گھر آگئے تاکہ گھر بچا کر اسے بریف کر سکیں، اسے
سمجھا سکیں لیکن عمارہ کو یہ نہیں پتا تھا کہ ان کا یوں بیٹی کو
لے کر چلے آنا کتنا بھاری بڑے گا۔ ماہ پارہ ہر جگہ بیٹھ
کر نہ صرف افاق کو بدنام کر رہی بلکہ عمارہ کی ناص
ترتیب اور تنزیل کی بے راہ روی کے ترانے بھی گانے لگی
پھر رہی۔

ماہ پارہ نے حسنین کے گھر جا کر افاق کی ہٹ
دھرمی اور بدتمیزی کی داستانیں بڑھا چڑھا کر
سنائیں۔ ماہ پارہ کے چلے جانے کے بعد حسنین اور
خالہ حیران اور پریشان تھے۔

”میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوں کہ بظاہر
تو عمارہ بہت سوچ بوجھ والی دھڑلے نظر آتی ہے۔ بیٹیوں کی
ترتیب کبھی کر بھی ہے اس نے۔ میں عمارہ کی جگہ ہوتی
تو دوپٹہ مارا تپتی بیٹی کے اور کتنی مروت یا جوتیں رہو
اور عمارہ اور تنزیل اسے ساتھ لے کر چلے آئے۔“

خالہ حسنین سے یوں۔

”میں بھی سوچ رہی ہوں کوئی ایک کی دو بننا
سکتا ہے بنا ہوئی کیسے بنائی جاسکتی ہے۔ ماہ پارہ آپا کو
اگر چھٹا دل کر دے افاق یا عمارہ پر تہمت مڑ دے رہی ہیں تو
کسی حد تک ہی چھٹا پاؤں گا۔ سب کا سب تو جھوٹ
نہیں ہو سکتا۔“ حسنین پریشانی سے بولے۔

”آپ یہ دیکھیں افاق کے دل میں کتنا زہر ہے
ہم لوگوں کی طرف سے۔ کہتی ہے ماموں ممانی نے

ماہنامہ صبا کراچی - جون 2012ء

”اے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن خاندان والے باتیں بتائیں گے۔“ اقی بھانجی سے آپ کی۔ اس کی حمایت میں آپ کے بھگے بیٹھے گھر آ جائیں گے۔ کوئی بھی اقی کے لیے موکن برداشت نہیں کرے گا۔ مجھے ایک بار فون پر اقی سے اجازت لے لینے دیں اگر وہ مجھے اجازت دے دیتی ہے تو میں دوسرے کٹاچ کے لیے تیار ہوں۔“ حارث، ماہ پارہ کے آنسو صاف کر کے بولا۔

”اور اگر اس نے اجازت نہیں دی تو۔۔۔؟“ حاصمہ فوراً بولی۔

”تو اسے یہاں اسکا بستر پڑے گا۔ گھر بسائے اچانکہ اس طرح تو نہیں ہوتا کہ وہ میری زندگی بھی تباہ و برباد کر دے۔“

”تو تجربہ کیا کرو ابھی فون کرو اسے۔ جو بھی فیصلہ ہوگا آج ہی ہو جائے گا۔“ حارث نے فون ملایا۔ اقی نے فون پر غمزدہ دیکھا اور نفرت سے فون پرے کر دیا۔

”اقی فون اٹھین نہیں کر رہی۔“ حارث نے ناں، بہن کو اطلاع دی۔

”ٹھیک ہے، وہ ایسا ہی جانتی ہے تو میں ایسا ہی کروں گی۔ میں تمہاری زندگی برباد نہیں ہونے دوں گی۔“ ماہ پارہ بولیں۔ حاصمہ اور سادہ ماں کے فیصلے پر خوش ہو گئیں۔

”میں آپ کو ایسا جگہ لے جاؤں گی حارث کے لیے کہ آپ حیران رہ جائیں گی۔“ حاصمہ جذباتی پن سے بولی۔ ماہ پارہ نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی۔

☆ ☆ ☆

قائز نے عینا کو عمار کے ساتھ ہوئی میں کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تو اسے بہت برا لگا لیکن وہ برداشت کر کے گھر آیا۔

☆ ☆ ☆

”ابھی تمہیں ای کی بھانجیوں پر تیس آ رہا ہے۔“ سوچنے کی بات یہ نہیں ہے کہ ایسا کیا ہو یا ایسا کیا ہوگا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ حارث کے بارے میں ای کی کیا سوچا ہے۔

”تسے“ اربانوں سے بیٹا تھا جس نے اپنے بیٹے کو چند دن کی خوشی بھی حاصل نہ کر سکا میرا بچہ۔“ بیچ اربا ہے پر چھوڑ کر چلی گئی بخت۔۔۔“ ماہ پارہ آبدیدہ ہو گئیں۔

”امی آپ پریشان نہ ہوں۔“ حارث کرے میں آیا تو ماں کو آبدیدہ دیکھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

”ارے کسے پریشان نہ ہوں۔ میرے بیچ کی زندگی خراب ہوئی اور میں پریشان بھی نہ ہوں۔“

”میں تو کہتی ہوں ای آپ حارث کی دوسری ٹادی کر دیں۔ جب خالد نے ہی کہہ دیا کہ ہم لوگ حارث کا کہیں اور یہاں کر لیں تو پھر کیا سوچ رہی ہیں آپ؟“

”کچھ بولتے کیوں نہیں حارث۔؟“ ماہ پارہ نے تپ کر حارث کا چہرہ اٹھائی طرف کیا۔

”تمہارے لیے میں بار بار اس گھر میں جاؤں گی۔“ اقی کو لانے کی کوشش کروں گی۔ تم کچھ تو چننا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو وہاں جانے کی۔ ایک بار جا کر دیکھ لیا ہے ناں آپ نے وہاں۔“ اقی سامنے نہیں آئی۔ اگل اور آئی اسے وضاحت نہیں کر سکے ہمارے ساتھ آنے پر۔ کہ قدر اہم رہے وہ۔ یعنی ہے تو بیٹھا رہنے دیں حقوق گم ہالو۔ بہت لوگ ہیں تمہارے لیے۔“

”مگر اس طرح تو نہیں چلے گا حارث۔ تم اپنا گم ہالو۔ بہت لوگ ہیں تمہارے لیے۔“

اور یہاں لیں۔ اقی گھر میں بیٹھی ہے بیٹھی رہے گی۔“

”تو کیا کرنا ہے امی۔۔۔۔۔ اقی کو جیسے خدائی ہے۔“

”ہے۔“ مہراجے کی اس گھر میں دو بارہ نہیں چل رہی۔ جنہیں بتا ہے دن رات کتنی ٹینشن چل رہی۔ ہمارے گھر میں۔ دن رات یہی موضوع ہے۔ سر اقی کو سمجھا سمجھا کر تھک چکے ہیں لیکن اقی کی سمجھ کبھی کی بات آتی ہے۔ سب سے عجیب بات تو ہے کہ امی اقی کی ہمدردی رہی ہیں، حمایت کر رہی ہیں اس کی حالانکہ جانتی ہیں وہ کس سٹس کی لڑکی ہے۔ اس کے باوجود امی، ماہ پارہ خالد کو غلط کر رہے ہیں۔

”میں کچھ نہیں جانتی عمار تم جلد از جلد کر سکتے ہو تو کرو۔۔۔۔۔ ورنہ۔۔۔۔۔ عینا روتے لگی۔“

”عینا پائیز اچھا بیٹو نہ وقت۔۔۔۔۔ اچھا میں آج ابو سے بات کرتا ہوں۔“ کھانا ہوں کوئی نہ کوئی لیکن وعدہ کر دجھ سے تم امی، ابو کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں ہونے دو گی۔“

”مجھے ہمارے خود پر۔ ای، ابو کو مائوس کی بے فکر رہو۔“ عینا آنسو صاف کر کے بولی۔

”چلو پھر میں جس ڈراپ کر دیتا ہوں۔“ عمار عینا کو لے کر گاڑی کی طرف بڑھا۔

”چلو عینا پیٹھ کر اس کریم کھاتے ہیں۔ بہرہ دن ہو گئے مہر نہیں ساتھ گھومنے نہیں گئے۔“ عینا فرمائش کی۔ عمار مسکرایا اور دونوں گاڑی میں بیٹھے گئے۔

☆ ☆ ☆

ماہ پارہ نے حاصمہ اور سادہ کو بتایا کہ حاصمہ اور خالد نے اقی کے کچھن دیکھتے ہوئے ایسا کو کر لیا۔

☆ ☆ ☆

”اقی کی وجہ سے ایسا بے چاری کی بھی زندگی خراب ہوئی۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم اقی کے بچا۔“

وجہ سے کھڑی ہوں یہ احساس نہیں ہوگا آپ کو، آپ کو تو انہی کی فکر ہوگی۔“ عمار ہر کچھ کہہ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

”ارے میں کیوں لینے جاؤں اسے ماں کے گھر؟“ عینا کو بیانے والوں کے لیے یہ سچ نہیں ہوتے۔ جس دن عینا کو لے کر گئی ہے تا عمارہ امی دن مجھ سے فون کر کے پوچھ رہی ہے کہ حارث نے کیوں مارا اس کی بیٹی کو۔ لو بھلا بتاؤ میں جواب دوں اس بات کا، حارث سے ہی پوچھ لیتیں وہ۔ اس قدر زبان چلاتی ہے، بتاؤ کون سا مرد برداشت کر سکتا ہے یہ سب کچھ۔“

”ٹھیک کر رہی ہیں آپا آپ۔ میں تو خود اس لڑکی کے تجربہ دیکھ کر اپنے اوسان بھول گئی۔ صاف کہہ دیا ہے مجھے نے تو حسین کو ہرگز رشہ نہیں کروں گی میں عمارہ سے گھر میں۔“ ماہ پارہ دل ہی دل میں اپنی جیت پر اپنی کامیابی پر خوش تھیں۔

☆ ☆ ☆

”عمار وقت ضائع نہ کرو عینا کی حالات بگڑتے جا رہے ہیں۔ اس سے قبل کہ اقی کے حالات بگڑ کر زندگی پر اور زیادہ اثر انداز ہوں جنہیں شادی کے لیے گھر والوں کو رضامند کر لینا چاہیے۔“

”کیسے کروں رضامند۔۔۔۔۔ عینا جانتی ہے کہ ایسا کو لینے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ امی اور ابو کی بات بہت بری لگ رہی ہے۔“

”تو تم اس انتظار میں ہو کہ امی، ابو مجھے بھی دینے سے انکار کر دیں۔“ عینا غصے سے ہلکی عمار سے بے رحم تھا۔

”تم تھوڑا انتظار کرو عینا۔۔۔۔۔ وقت بہتر ہو جائے گا۔“

”ہاں بھی بہتر نہیں ہوگا۔ بھلا یہ بات کہنے کی کیا ضرورت امی عمارہ پیچو کہ وہ حارث کو کہیں

”امی مجھے کوئی اعتراض نہیں..... لیکن خاندان والے باتیں باتیں کریں گے۔“ اقی بھیجی ہے آپ کی۔ اس کی حمایت میں آپ کے سگے کچھ آ جائیں گے۔ اقی بھیجی اسی بات پر ہونے پر دراصل نہیں کرے گا۔ مجھے ایک بار فون پر اقی نے اجازت کے لینے دیں اگر وہ مجھے اجازت دے دیتی ہے تو میں دوسرے کٹاج کے لیے تیار ہوں۔“ عارث، ماہ پارہ کے آنسو صاف کر کے بولا۔

”اور اگر اس نے اجازت نہیں دی تو.....؟“ عاصم فورا بولی۔

”قواسے یہاں آکر بسا پڑے گا۔ گھر بسائے اٹھادو، اس طرح تو نہیں ہوتا کہ وہ میری زندگی بھی تباہ کر دے۔“

”تو تمہیں اکر دیکھی فون کروا سہے۔ جو بھی فیصلہ ہوگا آج ہی ہو جائے گا۔“ عارث نے فون ملا یا۔ اقی نے فون پر نمرود دیکھا اور فون سے فون پر لے کر دیا۔

”اقی فون اٹینڈ نہیں کر رہی۔“ عارث نے ماں، بہنوں کو اطلاع دی۔

”ٹھیک ہے، وہ ایسا ہی چاہتی ہے تو میں ایسا ہی کروں گی۔ میں تمہاری زندگی برباد نہیں ہونے دوں گی۔“ ماہ پارہ بولیں۔ عاصم اور ساجدہ ماں کے فیصلے پر خوش ہو گئیں۔

”میں آپ کو ایسی جگہ لے جاؤں گی عارث کے لیے کہ آپ کو حیران رہ جائیں گی۔“ عاصم جذباتی پن سے بولی۔ ماہ پارہ نے عارث کو لاڈ سے دیکھا عارث کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆

فاتزہ نے عینا کو کمار کے ساتھ ہوئی میں کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تو اسے بہت برا لگا لیکن وہ برداشت کر کے گھر آ گیا۔

”ابھی گویا کر لے آتے۔“ عاصم بولی۔

”ابھی نہیں امی کی بھانجیوں پر ہی ترس آ رہا ہے۔ سوچنے کی بات یہ نہیں ہے کہ ایسا کیا کیا ہو یا عینا کا کیا ہوگا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ عارث کے بارے میں اس کی بات کیا ہو سکتی ہے۔“

”تسکے ارا مانوں سے کیا تقاضا میں نے اپنے بیٹے کو چند دن کی فون بھی حاصل نہ کر سکا بچہ..... سچ دہرا ہے پر چھوڑ کر چلی گئی کجنت.....“ ماہ پارہ آبدیدہ ہو گئیں۔

”امی آپ پریشان نہ ہوں۔“ عارث کمرے میں آیا تو ماں کو آبدیدہ دیکھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

”ارے کیسے پریشان نہ ہوں..... میرے بیٹے کی زندگی خراب ہو گئی اور میں پریشان بھی نہیں۔“

”میں تو کہتی ہوں امی آپ عارث کی دوسری شادی کر دیں۔ جب خالد نے ہی کہہ دیا کہ ہم لوگ عارث کا کہیں اور بیاہ کر لیں تو پھر کیا سوچ رہی ہیں آپ؟“

”کچھ بولتے کیوں نہیں عارث.....؟ ماہ پارہ نے تڑپ کر عارث کا چہرہ اپنی طرف کیا۔

”تمہارے لیے میں بار بار اس شخص میں جاؤں گی۔ اقی کو لانے کی کوشش کروں گی۔ تم کچھ تو بولو..... جتنا۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو وہاں جانے کی۔ ایک بار جا کر دیکھ لیا ہے ناں آپ نے وہاں..... اقی سامنے نہیں آئی۔ انکل اور آئی اے رضامند نہیں کر سکے ہمارے ساتھ آنے پر۔ کس قدر ہٹ دھرم ہے وہ۔“ بھیجی ہے تو بیٹھا رہنے دیں شوق سے۔“

”مگر اس طرح تو نہیں چلے گا عارث..... تم اپنا گھر سناؤ..... بہت لڑکیاں ہیں تمہارے لیے۔“

اور بیاہ لیں۔ اقی گھر میں بیٹھی ہے، بھیجی رہے گی۔“

”تو کیا کریں امی..... اقی جو جیسے خد ہی ہو گیا ہے۔ مگر جائے گی اس گھر میں دوبارہ نہیں جائے گی۔“

”جہیں پتا ہے دن رات کتنی ٹینشن چل رہی ہے ہمارے گھر میں۔ دن رات یہی موضوع ہے۔ سب اقی کو سمجھا سمجھا کر تنگ کیے ہیں لیکن اقی کی سمجھ میں کب کی کی بات آتی ہے۔ سب سے عجیب بات تو یہ ہے کہ امی اقی کی ہمدردی نہیں رہی ہیں حمایت کر رہی ہیں اس کی حالانکہ جاتی ہیں وہ کس شخص کی لڑکی ہے۔ اس کے باوجود امی، ابو ماہ پارہ خالد کو غلط کہہ رہے ہیں۔“

”میں کچھ نہیں جانتی عمار! تم جلد از جلد کچھ کر سکتے ہو تو کرو۔“ ورنہ.....“ عینا رونے لگی۔

”عینا! پیڑا پیڑا نہ مومت.....“ اچھا میں آج امی ابو سے بات کرتا ہوں۔“

”فائلوں ہوں کوئی نہ کوئی حل لیکن وعدہ کرو مجھ سے تم امی، ابو کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں ہونے دو گی۔“

”مجھے ہمسرا ہے خود پر۔ امی، ابو کو مالوں کی بے فکر ہو تم۔“ عینا آنسو صاف کر کے بولی۔

”چلو پھر میں نہیں ڈرا پر کرتا ہوں۔“ عمار عینا کو لے کر گاڑی کی طرف بڑھا۔

”چلو کہیں بیٹھ کر آس کر کھاتے ہیں۔ بہت دن ہو گئے ہم نہیں ساتھ کھوئے نہیں گئے۔“ عینا نے فرمائش کی۔ عمار سکریا اور دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔

☆☆☆

ماہ پارہ نے عاصم اور ساجدہ کو بتایا کہ حسنین اور خالد نے اقی کے لیچن دیکھتے ہوئے ایسا کوئی لے سے انکار کر دیا ہے۔

”اقی کی وجہ سے ایسا ہے چاری کی بھی زندگی خراب ہو گئی۔ کیا میں اچھا ہونا کہ ہم اقی کے بجائے

وجہ سے کڑی ہوں یہ احساس نہیں ہوگا آپ کو، آپ کو تو انجی کی فکر ہوگی۔“ عمار سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

☆☆☆

”ارے میں کیوں لینے جاؤں اسے مالے گئی تھی ماں ہی چھوڑ کر جائے۔“ عینا کو بیانے والوں کے یہ نہیں نہیں ہوتے۔ جس دن عینا کو لے کر گئی ہے نا عمار وہ اسی دن مجھ سے فون کر کے پوچھ رہی ہے کہ عارث نے کیوں مارا اس کی بیٹی کو۔ لو بھلا بتاؤ میں جواب دوں اس بات کا، عارث سے ہی پوچھ لیتا ہوں وہ اس قدر زہراناں چلاتی ہے، بتاؤ کون سا مرد برداشت کر سکتا ہے یہ سب کچھ۔“

”ٹھیک کہہ رہی ہیں آپا آپ۔ میں تو خود اس لڑکی کے تیرد کچھ کر اپنے اوسان بھول گئی۔ صاف کہہ دیا ہے میں نے تو حسنین کو ہرگز رشہ نہیں کروں گی میں عمارہ کے گھر میں۔“ ماہ پارہ نے ہی دل میں اپنی جیت پر اپنی کامیابی پر خوش تھیں۔

☆☆☆

”عمار وقت ضائع نہ کرو ٹیلی کے حالات بگڑے جارہے ہیں۔ اس سے قبل کہ اقی کے حالات ہماری زندگی پر اور زیادہ اثر انداز ہوں نہیں شادی کے لیے گھر والوں کو رضامند کر لیتا چاہیے۔“

”کیسے کروں رضامند..... ممانی جان نے ایسا کو لینے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ امی اور ابو کو یہ بات بہت پر ہی لگ رہی ہے۔“

”تو تم اس انتظار میں ہو کر امی، ابو مجھے بھی دینے سے انکار کر دیں۔“ عینا غصے سے ہلکی عمار بے بس تھا۔

”تم تھوڑا انتظار کر دینا..... وقت بہتر ہو جائے گا۔“

”بالکل بھی بہتر نہیں ہوگا۔“ بھلا یہ بات کہنے کی کیا ضرورت اس عمارہ بچہ کو کہ وہ عارث کو کہیں

ای ٹیک

برسات میں ایک بڑے کچے
اک لڑکی خاموش کھڑی تھی
آنکھوں میں پیاس لے
آسمان کو دیکھ رہی تھی

دیوانی ہے

میں نے سوچا

آج ہر ایک پیر کے

نیچے برسات میں ایک

لڑکی خاموش کھڑی ہے کون ہے یہ

مگر میرے سوا کوئی نہیں ہے

مرسلہ: سیدہ شفیق عامر زیدی، کراچی

غزل

روز و شب معروف رہنے کے سہارے تلاش کرتی ہوں
جو چھوڑ گئے مجھ سے اپنے وہ پیارے تلاش کرتی ہوں
خزاں کا پہرہ ہے میری دیران زندگی پر
ہر لمحہ ہنسی کی ہر خوشی بہاریں تلاش کرتی ہوں
جو اٹھا سکے بلوچہ میرے تم تھائی کا تا عمر
میں ایسے مکانِ قلب کی پختہ دیواریں تلاش کرتی ہوں

جو کوسے روشن میری صبح کو کسی روز
شب تار یک کے تارکوں میں ایسے نعرے تلاش کرتی ہوں
کوئی ہے مجھ سے مطلق حیات کی کبھی
جو پھول سے مجھ کو نزل تک ایسے اشارے تلاش کرتی ہوں
سامعہ ملک پرور، بیگم

دجہ خوف

اساہات کے استاد صاحب کی عادت تھی کہ جب
ان کا گزرتا قبرستان سے ہوتا وہ یہ آواز بلند کرتے،
”السلام علیکم یا اہل القبور، چند منٹلے شاگردوں کو شرارت
کے بعد اسی طرح سات لڑکے ایک روز قبرستان میں تہوں
کے پتوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے اور استاد صاحب
آئے آنے کا انتظار کرنے لگے کہ ان کے کمرہ کارسات ادھر
سے گزرتا تھا۔ جو نبی استاد صاحب قبرستان میں
مل ہوئے انہوں نے حسب عادت یہ آواز بلند السلام
یا اہل القبور کہا، تمام لڑکوں نے یہ آواز بلند یک
ان ہو کر کہا۔

علیہ السلام یا عبد الغفور!

ان کا کہی نام تھا۔ استاد صاحب وہاں سے ایسا
کے کہ پیچھے حرکت نہ کیا۔
مرز فریدہ افتخار ہراولپٹری

ضرورت مند

ایک شوہر اپنی بیوی کا جنازہ لے کر جا رہا تھا،
جنازے کے ایک ایک کتا اور اس کے پیچھے بہت
سارے لوگوں کی لائن تھی۔ ایک اور آدمی نے دیکھا
تو اس سے پوچھا۔ ”یہ جنازے کے آگے کتا کیوں
ہے؟“

شوہر بولا۔ ”اس کتے نے میری بیوی کو کاٹا

ہے اور وہ مر گئی۔“

آدمی۔ ”یہ کتا میریانی کر کے مجھے دے دو۔“

شوہر غصے سے۔ ”تم کیا سمجھتے ہو یہ سب لوگ

جنازے کے لیے لائن بنا کر آ رہے ہیں بلکہ یہ سب

بھی کتے کے لیے آئے ہیں چلو تم بھی لائن میں لگ

جاؤ۔“
مرسلہ: سیدہ رفیقہ اسماعیل شاہ، بزمان

بحث کر رہی ہیں۔ یہ بات آپ بھی جانتی ہیں اور میں
بھی کر عارضینا کو بچپن سے پسند کرتا ہے۔ دونوں میں
کتنی دوستی رہی ہے اور یہی دوستی ان کی محبت بن گئی۔
اب یہ محبت کسی مقدس رشتے میں بندھنے جا رہی ہے تو
آپ میری وجہ سے رکاوٹ کیوں پیدا کر رہی
ہیں۔ چند ہی دن تو رہی ہے میری مفتی فائز کے ساتھ
اور مجھے اس کا کوئی فکس نہیں۔“

”مگر مجھے تو ہے نا۔۔۔ مفتی دھوم دھام کی
گئی، سب میں مضامین تقسیم ہوئیں اور پھر ایک دم
انکار کیا۔ یہ بے عزتی نہیں ہماری۔ کان کھول کر سن لو
عمار تمہارے ابو اس شادی کے لیے قطار ضماند نہیں
ہوں گے۔“

☆☆☆

”دامغ تو ٹھیک ہے تمہارا تم اس رشتے سے
انکار کر رہی۔ وہ بھی مجھ سے مشورہ کیے بغیر۔“ تزیل کو

ماہنامہ لبیکہ۔ جون 2012ء (77)

میں نے ایسا کارشتہ ختم کروایا ہے، سامان بھجوا دیا ہے
ان کو ان کا واپس۔“
”نہوں نے تو نہیں بھجوا یاں میرا سامان
اپنے۔“ حسین نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے
خالدہ کے الفاظ سنے۔ خالدہ کی نظر حسین پر پڑی تو
چپ ہو گئیں۔

☆☆☆

عمار نے ماں سے شادی کی بات کی تو وہ ہنستے
ہے اٹھ گئیں۔
”تم کس منہ سے وہاں شادی کی بات کر رہے
ہو۔ ایسا کا سامان واپس بھجوا دیا ان لوگوں نے، تمہیں
سب شرم نہیں آئی تو اب یہ کچھ خیال کرو کہ تم کہا کہہ
تے ہو کیا کرنے جا رہے ہو۔ ایسا ہمارا کی محبت کے
رے میں اچھی طرح واقف تھی اسی لیے ان کو قائل
کرنے کی کوشش کی۔
”میرا خیال ہے اب آپ عمار سے بلا وجہ کی

اپنی آنکھوں سے ان دونوں کو جوش میں ڈگر کرتے
ہوئے۔“

”کیا ہو گیا ہے تمہیں عینا، تم نے دیکھا ہے کس
قدر بے عزتی کی ہے ابھی نے ہم سب کی۔“ خالدہ
نے حیرانی اور غصے سے عینا کو دیکھا۔

”اُمی میں کہہ چکی ہوں میں عمار سے ہی شادی
کر دوں گی۔“

”تم اُفق کو کیسے برداشت کرو گی۔ نہایت بدترین
لڑکی ہے وہ زندگی حیران بنادے گی تمہاری۔“

”اُمی ایسا کچھ نہیں ہے۔ چاہئیں آپ کیا سمجھ
رہی ہیں اُفق کو۔ اور وہی میرے عمار بچھو کا لڑلا چھپتا
بیٹا ہے، مگر میں سب سے زیادہ اہمیت اور حیثیت عمار
کی ہے۔ آپ بلا وجہ کی فکریں مت پالیں۔“

”عینا اپنے ابو کو مشکل میں مت ڈالو کس منہ
سے وہ اس شادی کے بارے میں بات کر سکتے ہیں۔“

”تم اب بھی عمار کے ساتھ مجھ پھر رہی ہو جبکہ
حالات سارے ہی تمہارے سامنے ہیں۔ کہاں سرگئی
تمہاری شرم؟“ فائز نے پوچھا۔

”اُفق جو کچھ کر رہی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ
ہم لوگ اس کا نکاح ادا کریں، میں اُبی ابوسے کہہ چکی
ہوں میں شادی کروں گی تو صرف عمار سے ورنہ کسی
سے بھی نہیں اور عمار سے میں بھی پوچھتا چاہتی تھی کہ
وہ کیا چاہتا ہے۔“

”تم اُبی بڑی ہو گئی ہو کہ اپنے فیصلے خود کرو۔ کیا
بہم کر رہے ہیں اُمی ابو کریں گے یہ فیصلہ۔“

”کیوں جھگڑا کر رہے ہو تم لوگ؟“ خالدہ نے
فائز اور عینا کو آپس میں الجھتا دیکھ کر پریشانی سے
پوچھا۔

”پوچھیں اپنی لاڈلی سے اس قدر بے عزتی کی
ہے اُفق نے آپ لوگوں کی اس کے باوجود یہ عمار سے
چھپ چھپ کر ملنے جاتی ہے۔ خود دیکھا ہے میں نے

ماہنامہ لبیکہ۔ جون 2012ء (78)

جب عمارہ بیگم کے خیالات کا پتا چلا تو وہ بکڑ کر بولے۔
 ”ہاں، میں اس رشتے سے انکار کروں گی.....
 حسنین بھائی نے اپنی حیثیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے
 ہمیں ذلیل کیا ہے ناں..... اب میں جواب دوں گی
 انہیں۔“

”عقل سے کام لو عمارہ بیگم..... تمہاری بھتیجی
 سونے کی چڑیا ہے، یہ کتنی بڑی خوش قسمتی کی بات ہے
 کہ حسنین اور خالدہ یہ رشتہ لے کر خود آئے تھے
 ہمارے گھر۔ عمار پسند کرتا ہے عینا کو تو ظاہر ہے عینا بھی
 عمار کو پسند کرتی ہوگی۔ کیوں بچی پکاکی ہانڈی کو بد مزہ
 اور کرکرا کر رہی ہو۔ عمارہ حسنین کی بیٹی سے ہی بیاہا
 جائے گا۔ کیا ہوا ہماری ایسیا وہاں نہیں جا سکی اور پھر
 ابھی ایسیا کی عمر بھی کیا ہے۔ بہت اچھے اچھے رشتے
 آجائیں گے اس کے۔ تم اس رشتے کو ہاتھ سے مت
 نکلنے دو اور۔ نہیہا کی فکر بھی مت کرو۔ خالدہ اور حسنین
 سے اپنی بیٹی کا بدلہ لینا چاہتی ہو ناں تم..... بے فکر
 رہو، وہ شادی کے بعد یہ آسانی لے سکتی ہو۔“ عمارہ
 بیگم کو تنزیل کی بات سمجھ میں آ گئی۔

”تنزیل کا لالچ اپنی جگہ لیکن میں یہ بات نظر
 انداز بھی تو نہیں کر سکتی کہ عمار میرے گھر کا واحد کفیل
 ہے۔ میں اس کی محبت چھیننے کی کوشش کروں گی تو وہ
 بد دل اور بدظن ہو جائے گا مجھ سے۔ انگاروں پر چل کر
 ہی مجھے عینا کو بیاہ کر لانا ہو گا۔“ عمارہ بیگم نے دل میں
 سوچا۔

☆☆☆

”ہم لوگ تو شادی کی تاریخ لینے آئے ہیں
 بھائی جان.....“ حسنین اور خالدہ جیسے پیشیان اور
 شرمندہ تھے۔

”دیکھیں حسنین بھائی جوڑے تو آسانوں پر
 بنتے ہیں۔ ہمیں کوئی دکھ نہیں اس بات کا کہ ہماری بچی
 اس گھر میں نہیں آ رہی۔ اللہ جو کرتا ہے بہتر ہی کرتا

ہے۔ کیا معلوم یہ فیصلہ ہی ہم لوگوں کے لیے زیادہ
 بہتر ہو تو بجائے اس فیصلے پر پچھتانے کے اس فیصلے کو
 پار لگائیں۔“ تنزیل نے ان کی حالت سمجھتے ہوئے
 کہا۔

”بعض اوقات بہت زیادہ جلد بازی ہمیں
 بہت بڑی سزا دیتی ہے۔ ایسیا اور فائز دونوں ہی بڑھ
 رہے ہیں۔ بڑا وقت ہے دونوں کی شادی میں لیکن
 بس خالدہ کو جلدی تھی رشتہ دینے کی..... اور پھر واپس
 کر دینے کی بھی اسی کو جلدی تھی۔“ حسنین نے بڑے
 ٹھوس انداز میں سنبھل کر کہا۔

”اب سارا معاملہ آپ مجھی پر ڈال دیں۔“
 خالدہ نے برا سامنہ بنایا۔ تنزیل ہنسنے لگے جبکہ عمارہ کو
 ایسیا کا ذکر بھی یہاں بہت برا لگ رہا تھا۔

”بجائے اس کے کہ ہم اس بات پر جھگڑا کریں
 کیوں نہ شادی کے بارے میں بات چیت کر لی
 جائے۔“ تنزیل بولے۔

”کیوں نہیں تنزیل بھائی، ہم اپنے گھر میں
 مشورہ کر لیں پھر آپ کو بتا دیتے ہیں۔“

”اتنی ابھی ادھر ہی ہے یا کوئی لینے آیا
 اسے۔“ خالدہ کو یکدم اتنی کا خیال آیا تو پوچھا۔ عمارہ
 بیگم کو خالدہ کا سوال گراں گزرا اور وہ چاہ کر بھی اپنی
 کڑواہٹ دبا نہیں پائیں۔

”بھابی آپ اتنی کی فکر نہ کریں، اس کی زندگی تو
 اسی طرح گزری ہے اور گزر جائے گی۔“

”میرا مطلب یہ تو نہیں تھا عمارہ..... ماہ پارہ
 آیا کو سوچنا چاہیے گھر کی بچی ہے۔ ایسی بدسلوکی کرتی
 وہ اچھی نہیں لگ رہیں۔“

”بھئی میں نے تو بہت سمجھایا آپا کو لیکن وہ کہتی
 ہیں میں اپنے بیٹے کی زندگی برباد نہیں کر سکتی۔“
 حسنین نے دونوں کے درمیان مداخلت کی۔

”سنائے لڑکی دیکھتی پھر ہی ہیں آپا حارث کے

”خالدہ بولیں۔

خدارا © خدارا شوگر مریض ذرا عقلمندی سے کام لیں

کیونکہ ساری زندگی عارضی وقتی گولیاں ہی کھاتے رہتا آخر کہاں کی عقلمندی ہے؟ آج کل تو ہر انسان صرف شوگر کی وجہ سے بے حد پریشان ہے۔ شوگر موڈی مرض انسان کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا، بے جان اور ناکارہ بنا کر اعصابی طور پر کمزور کر دیتی ہے۔ حتیٰ کہ شوگر کی مرض تو انسانی زندگی ضائع کر دیتی ہے۔ شفاء منجانب اللہ پر ایمان رکھیں۔ ہم نے جذبہ خدمت انسانیت سے سرشار ہو کر ایک طویل عرصہ ریسرچ، تحقیق کے بعد دیسی طبی یونانی قدرتی جڑی بوٹیوں سے ایک ایسا خاص قسم کا ہرمل شوگر نجات کورس ایجاد کر لیا ہے۔ جسکے استعمال سے آپ شوگر سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ شوگر کی مرض سے پریشان ہیں اور نجات چاہتے ہیں تو خدارا آج ہی گھر بیٹھے فون کر کے بذریعہ ڈاک VP وی پی شوگر نجات کورس منگوائیں۔ اور ہماری چٹائی کو آزمائیں۔

المسلم دار الحکمت (رجسٹرڈ)

(دیسی طبی یونانی دوا خانہ)

ضلع و شہر حافظ آباد پاکستان

0300-6526061

0308-6627979

0547-521787

آپ ہمیں صرف فون کریں

شوگر کورس آپ تک ہم پہنچائیں گے

”تذیل ہمیں چلنا چاہیے وقت کافی ہو گیا ہے اور ہاں بھائی جان ماہ پارہ آپا سے کہہ دیجیے گا وہ اپنے بچے کا بیاہ کر دیں۔ جہاں بیاہنا چاہتی ہیں۔ میں بھی تو بچوں کو نئی بیٹی دے گا حارث کو۔ دنیا اندھی نہیں ہے، سگی بھانجی کو بچوں گھر میں بٹھا کر وہ اپنے بیٹے کو بیاہ لیتی ہیں تو بیاہ کر دکھائیں۔“ عمارہ کو خالدہ اور حسین کا اس طرح اس موضوع کو کریدنا سخت ناگوار لگ رہا تھا بالآخر وہ بول ہی اٹھیں۔

”مگر ماہ پارہ آپا اور حارث لینے کے لیے آئے تھے انہی کو۔“

”لینے کے لیے آئے تھے وہ لوگ یا میری بیٹی کا لاشا لگانے آئے تھے۔ صرف یہی تو خواہش کی تھی ہاں اس نے کہہ وہ آگے پڑھنا چاہتی ہے۔ اس بات کو رنگ وے دیا انہوں نے کہ انہی بچے پیدا کرنا نہیں چاہتی۔ حارث سے ازدواجی تعلق بنانا نہیں چاہتی۔ حالانکہ آپا ہی یہ سنہرے سپنے دکھا کر گئی تھیں میری بیٹی کو۔ اور وہاں لے جا کر اتنا ذلیل اور رسوا کیا اسے..... اس کی خواہش پر، تماشا بنا کر رکھ دیا۔ کوئی بات نہیں..... بیٹیاں سب کی ہیں۔ آپا کی بھی ڈوٹیاں ہیں، جو کچھ آپا نے میری بیٹی کے ساتھ کیا ہے آپا کے اپنے ہی آگے آئے گا۔“ عمارہ دکھ اور افسوس سے بولیں۔

”سنجاولو خود کو عمارہ، یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔“ تذیل نے بیوی کو سمجھایا اور وہ دونوں واپس اپنے گھر چلے گئے۔ دونوں کے جانے کے بعد بھی اس پر تناؤ چھایا ہوا تھا بھی خالدہ نے حسین سے کہا۔

”عمارہ کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ بیٹی کی ممانعت کر رہی ہے۔ اس بیٹی کی جس نے کبھی وقت پر اصرار کیا تو چائے کا ایک کپ تک بنا کر نہیں دیا۔ آج

عمارہ اس کے لیے آنسو بہا رہی ہے۔ اوہ۔۔۔ میں تو عمار سے صاف صاف کہہ دوں گی۔ میاں اپنی رہائش ذرا اپنی ماں یا بیویوں سے الگ ہی رکھنا۔ اوپر کا پورشن تمہارا فارغ ہی پڑا ہے۔ وہیں سیٹ کر لینا چیز کا سامان وغیرہ۔ عینا ان قومی حکومتوں کے بیچ میں رہ سکے گی۔

☆ ☆ ☆
عینا ماں کے خیالات جان کر چر سکون اور مطمئن ہو گئی۔
ماہ پارہ کو جب عینا عمار کی شادی کی خبر ملی تو ان کے دل پر جیسے انگارے لوٹ گئے۔ نفرت سے دل میں سوچا۔

”کتنا بے غیرت ہے حسین اور اتنی ہی بے غیرت اور بے حس عمار ہے۔ ایک رشتہ تو ڈر دوسرا رشتہ جھٹاتا چاہ رہے ہیں دونوں۔ عمارہ کے نزدیک بیٹیوں کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ساری عمر اس افق کو سونپ لی باکر رکھا پھر اس کی خواہش کو میرے گئے میں لٹکا دیا اور میں بھی کتنی پاگل ہوں ابھی تک عمارت کو ایسے ہی لیے بیٹھی ہوں۔ کیا مجھے عینا کا اب بھی انقزار تھا۔ کوئی بات نہیں۔۔۔ حسین کی بیٹی بیاہ کر اجڑے کی جیسی عقل آئے گی ان لوگوں کو ابھی عاصم اور ساجد بے بات کر رہی ہوں۔ اپنے عمارت کو عینا سے پہلے بیاہ کر رکھ لوں گی۔“

☆ ☆ ☆
”کون بیٹی دے گا مجھے۔۔۔ یہی کہا تھا ان عمار نے، اب جا کر بتانا تم اسے کہ لاکھوں کا چیز اور شہزادوں جیسے دہن لے کر آئی ہوں۔ ایسی جو ہاتھ لگانے سے بھی مٹی بنی ہو۔ بولتی ہے تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ صحیح معنوں میں تو اب جوڑی بنی ہے میرے بیٹے کی۔“ ماہ پارہ نے فخر سے خالہ کو بتایا تو وہ بھی عمارت کی قسمت پر رشک کرنے لگیں۔

”آپا یہ تو بتائیں افق کا جینز کہاں رکھ دیا ہے؟“
”ارے تمہاری کیا۔۔۔ ایک بیڑ اور ایک سنگا دان۔۔۔۔۔ اور کٹھن کاڑ سا صندوق جس میں نہ جانے کیا ابلا تھی۔ ہم نے تو آج تک ہاتھ نہیں لگایا۔ حسین۔۔۔۔۔ سے کہہ دیا ہے میں نے کہ عمارہ اور تنزیل سے کہہ دیں کہ سامان انھوں ایسے یہاں سے ویسے جیسے میرے گھر میں تو اتنا بڑا چیز آیا ہے کہ نہ ہی چھوڑنا پڑے میرا۔ میں اس کا ٹھکانہ کو کہاں رکھوں گی۔“ ماہ پارہ غرور لہجے میں بولیں پھر جیسے ماہ پارہ کو کوئی خیال آیا۔
”اور تم سناؤ عینا کیسی رہ رہی ہے اپنی سسرال میں؟“
”ٹھیک ہے آپا۔۔۔ میں زیادہ دن کے لیے چھوڑتی نہیں۔ ایک دن چھوڑتی ہوں دو دن اپنے گھر میں رہتی ہوں۔“
”ارے وہ کیوں۔ کیا کھانے پینے کی کمی ہے عمارہ کے گھر میں؟“
”نہیں نہیں آپا۔۔۔ اصل میں آپ کو معلوم ہی ہے پرانے زمانے میں اس طریقے سے شروعات کی جاتی تھی بیٹیوں کو سسرال میں ایڈجسٹ کرنے کے لیے تو مجھے بھی طریقہ پند ہے۔ ایک دفعہ ہی بیٹی کو سسرال میں جا کر پھینک دو تو سسرال والوں کی نظروں میں جلد بے وقعت ہو جاتی ہے۔ دو چار دن کے بعد ہی کام پر لگا دیتے ہیں۔ کتنی خوشی تو اپنی بیٹی کی ایک سال تک ہی ٹپنی کر رکھوں گی۔“
”عزیز ارض نہیں ہوتا اس کی سسرال والوں کو اس کے شوہر کو اس شہر دل پر؟“ ماہ پارہ نے خالہ کی بات پر استہزا سے اعزاز میں پوچھا۔
”ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں آپا۔۔۔۔۔ جب اعراض ہوگا تو دیکھ لیں گے۔“

”یہ سناؤ افق کا کیا حال ہے۔ عمارت کی شادی ہو چکا تو ضرور لگا ہوگا اسے۔“
”رہنے دیں آپا۔۔۔ عجیب ہی ہے جس لڑکی ہے، اسے تو جیسے احساس ہی نہیں البتہ عمارہ کھاٹ سے لگ چکی ہیں۔ عینا بتا رہی تھی سارا دن عمارہ آپ کو اور عمارت کو کوئی رقتی ہیں۔ اتنی بدعائن دیتی ہیں کہ ہاتھیں نکلتی۔“
”نیکہ لو میرے گھر کو۔۔۔ عمارہ کی بد دعاؤں کی کرامت ہیں کیسے جھلک جھلک کر رہا ہے۔“ ماہ پارہ نے ہنس کر کہا۔
”ارے بد دعا بھی مظلوم کی گتتی ہے ظالم کی نہیں۔“ خالہ نے ماہ پارہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔
☆ ☆ ☆
افق اپنے کمرے میں بیٹھی جیسے سوچوں کے گرداب میں پھنسی تھی۔ عمارہ کمرے میں آئیں تو افق کو الجھا دیکھ کر ان کا دل ٹک کر رہ گیا۔ وہ افق کے نزدیک آکر بیٹھ گئیں۔
”اگر تم اپنی ضد چھوڑ دیتیں تو آج ہی نوٹ نہیں آتی، بیاہ رہا گیا ہے اس نے دوسرا۔ کتنا بڑا دکھ ہے ایک عورت کے لیے یہ۔ پہلے ہی تمہاری زندگی کون ی اچھی کر رہی تھی اوپر سے یہ عذاب بھی مسلط ہو گیا تم کیسے سنبھالو گی سب کچھ افق آج تک تم خود کو سنبھال نہیں پاؤ، اب یہ حالات۔۔۔ کیا ایسی طرح سنا گا سب کچھ۔“ عمارہ بیگم دکھ اور افسوس سے بولیں۔
”میری قسمت میں سب کچھ تھا جو ہو گیا۔ اگر عمارت یا خالہ میرے لیے شخص ہوتے مجھ سے محبت کرنے والے ہوتے تو ضرور میری خواہش کو پورا کرتے لیکن سب کی طرح انہوں نے بھی وہی کیا جو میرے مقدر میں چھن آ رہا ہے۔ میں نے کہا تھا ان آپ سے مت کریں آپ میری شادی۔“ افق کو خود

اپنے دل سے کہہ رہی تھی۔
بھی دکھ اور افسوس تھا عمارت کی شادی پر لیکن اس کا اظہار کر کے نیچا نیچا ہونا چاہتی تھی لہذا اسی بہت دھرمی سے کہتی رہی۔
”مگر بعد میں تو خاندانی تہناری ہی تھی۔“
”صرف اس لیے کہ خالہ نے مجھے امید دلائی تھی وہ میری تعلیم میں میری مدد کریں گی اور کوئی وجہ نہیں جس کی مرئی میں اس کے شوق میں۔“
”اب وہ لوگ تمہیں بھی لینے نہیں آئیں گے افق۔“
”تو میں کون سا جانے کے لیے تڑپ رہی ہوں۔ آپ بلا میری کنٹین کیوں لے رہی ہیں۔“
”کنٹینش نلوں تو کیا کروں، پورے خاندان میں جگہ بھائی ہو گئی میری صرف تمہاری وجہ سے۔ افق تم نے یہ سوچا ہے کہ عینا کی زندگی اور کتنی زیادہ متاثر ہوگی تمہارے معاملات سے۔ پہلے ہی تمہاری وجہ سے اس کی مکتی ٹوٹ گئی ہے۔“
”در اصل آپ کے کہنے، بھائی جو ہیں نا کوئی گیم سیکل رہے ہیں آپ کے ساتھ۔۔۔ اور آپ سمجھ رہی نہیں ہیں۔“ افق ماں کی باتوں سے چڑ کر بولی۔
”آہستہ بولو، عینا گھر میں ہی ہے۔“
”جانتی ہوں میں۔۔۔ ساری خبریں پہنچا رہی ہے وہ یہاں سے وہاں گھمے کوئی فرق نہیں پڑتا، کتنا نقصان پہنچانے کی وہ مجھے۔“
”دیکھو افق، تم اپنے معاملات سے عینا کو دور ہی رکھو تو زیادہ بہتر ہے۔ ویسے بھی وہ کون سا یہاں روز رقتی ہے۔ ایک ادھ دن کے لیے یہاں آتی ہے۔ تم لوگوں کی ایسی باتیں سننے کی تو اس کے دل کو برا لگے گا۔“ عمارہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے افق کے الفاظ سے تواسے تنبیہ کی۔
”اس کے دل کو برا لگے گا اور میں جو جن رہی ہوں میرے دل کو برا نہیں لگے گا۔“ افق نے غصے سے

عادی تھی اور اہ پارہ اور ان کی بیٹیاں عروہ کے انداز
تکلم پر ہی سرمٹتی تھیں۔ بولتی تھی تو گویا چل چلتے
تھے۔ عروہ اپنے انداز تکلم میں بولی۔
”اچھے بھائی! آئی آپ کو تو معلوم ہی ہے مجھے تو
گھر میں اٹھ کر پانی بھی پینے کی عادت نہیں تھی اس
لیے پایا اور ماما نے فیصلہ کیا ہے کہ سہلی میرے ساتھ
رہے گی، ہماری خدمت کے لیے۔“
”مگر عروہ یہ کام تو سارے شہناز کے جانتی
ہے تمہیں اور بھی کسی کام کی ضرورت ہوا کرے تو
شہناز سے کہہ دیا کرو۔“
”آئی مجھے تو کام کہنے کی بھی عادت نہیں
ہے۔ سہلی کو شروع سے معلوم ہے مجھے کب اور کس
وقت کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے آپ ٹیشن نہ لیں
سہلی کو کبھی پایا اور ماما ہی دیں گے۔ میری ملازمہ
حارث کی سہلی پر بوجھ نہیں بنے گی۔“ عروہ نے

کیوں اس کی پشت پٹائی کر رہی ہیں اتنا کچھ جاننے
کے باوجود۔“
”کیا کریں ای۔۔۔ اور کبھی کیا سکتی ہیں۔
زیادہ اسے کچھ نہیں گے تو کھانا پینا چھوڑ دے گی۔
کمرے سے باہر نکلتا چھوڑ دے گی۔ اس لیے بہتر
ہے ہم یہی سمجھیں کہ اتنی کی شادی ہوئی ہی نہیں تھی۔
جیسے وہ پہلے کی ویسے ہی وہ اب ہے۔“ ایسا بے بسی
سے بولی۔
”لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ اتنی کی سوچ بدلے
یاد بدلے اب گھر کے حالات اور افراد میں بدل گئے
ہیں۔ یہ بات اتنی کو سنا پڑے گی۔ اب وہ پہلے کی
طرح نہیں پڑی رہ سکتی ایک کمرے میں۔“ عمار نے
کہا۔
”تمہارے خیال میں وہ گھر کے کام کاج میں
حصہ لے گی۔ یہ نامکن ہے فی الحال اسے اس کے
حال پر چھوڑ دو۔“ ایسا اچھے کر بولی۔
”اس تو یہ بات خدای کو سمجھاؤ اس کا روگ ہی
لگا کر بیٹھتی ہیں۔ ایک کونے سے کے لیے جنگ تو
رہی ہیں، ایسا کہ جو ہمارے کسی کا نہیں آیا بلکہ اس
کی وجہ سے ہمیں نقصان ہی پہنچا ہے۔“
”آہستہ بولو عمار، ای سن میں گی تو دکھ پہنچے گا
انہیں۔“
”میں سن ہی نہیں رہی دیکھ بھی رہی ہوں سب
کچھ۔“ یکدم عمارہ بیگم بولیں تو عمار اور ایسا دونوں
پیشیاں سے ہو گئے۔ عمارہ سامنے ہی دروازے
میں کھڑی تھیں۔
”ایک بات کان کھول کر سن لو تم لوگ۔۔۔ اتنی
تم لوگوں پر بوجھ نہیں ہے۔ آئندہ کسی تمہارے منہ
سے اس کا ذکر نہ سونو۔“ عمارہ بیگم نے کہا تو عمار نے
اچھے کر باں کو دکھا اور کمرے سے نکل گیا۔
☆☆☆

کہا۔ ”میں اپنے کمرے میں رہتی ہوں۔ کسی کے
معاملات میں مداخلت کرنے نہیں جاتی تو کسی کو کیا
ضرورت ہے میرے کمرے سے کان لگا کر باتیں سننے
کی۔۔۔ اب کیا میں یوں انا بھی چھوڑ دوں۔“
”ہاں تو تمہیں روکا کرنے ہے۔ بولو۔۔۔ جی
بھر کے بولو لیکن عینا کام لینے کی کوئی ضرورت نہیں
تھیں۔ تم اپنا گھر تو باتیں نہیں دوسروں کا گھر
جو تم خراب کرو۔“ اتنی کو شہناز کا جیرانی سے
ہاں کی طرف دیکھا۔ عمار کہہ کر کمرے سے باہر چلا
گیا۔
”چند ہی دن میں بدل گیا ہے عمار۔۔۔ بیوی
کے سامنے اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا لیکن تم ٹکڑم ٹکڑم کرد
میں سب سنبھال لو گی۔ تم خود کو سنبھالو۔“ عمارہ بیگم
دکھ اور صدمہ سے بولیں۔

☆☆☆

”ہماری ضرورت تھی تمہیں اتنی کے ساتھ اس
طرح بولنے کی۔ وہ کون سا نہیں دیکھنے یا تمہارے
معاملات میں بولنے آ رہی ہے۔“
”تم نہیں جانتیں ایسا، اتنی کی بہت دھڑی اور
خند ہمارے پورے گھر کے لیے کتنی نقصان دہ ثابت
ہو رہی ہے۔ میں ایسا نہیں تھا تو ایسا نہیں تھا
لیکن مجھ میں جو بدلاؤ آیا ہے وہ اتنی کے معاملات کی
وجہ سے آیا ہے۔ کتنی بد نصیبی کی بات ہے یہ ہمارے
لے کہ حارث نے دوسری شادی کر لی۔ اتنی یہاں
بیٹھی ہے اور کچھ نہیں کر سکتے ہم حارث کا، اسے شادی
کرنے سے روک نہیں سکتے صرف اس کی وجہ سے اتنی کی
خند کی وجہ سے۔ آج ہم نے جو بے عزتی برداشت کی
ہے۔۔۔ اتنی کی وجہ سے جانتی ہو لوگ کتنی باتیں
بنارہ ہیں۔ ای کے متعلق ابو کے متعلق۔۔۔ اور اتنی
کو کچھ احساس ہی نہیں۔ مجھے تو یہ حیرت ہو رہی ہے
اب ای کو اس سے ہمدردی کیوں ہو رہی ہے۔ ای

بے بدل سادہ

سرگزشت

لاریزہ یورپ

کھانی محبت کی

ایک ایسا ستارہ

”اس میں ہمدردی کی کون سی بات ہے افق، اصول کی بات ہے۔ تم بھی گھر کی فردوس تمہاری بھی ضرورت میں ہیں۔ اگر وہ کپڑے سے تمہارے لیے بھی لے آتا تو کون سی مصیبت آ جاتی۔“

”افق اس میں سے جو لیتا جا رہی ہے لے لے۔“ عمار کو ماں کی بات بہت نرمی ملی لیکن وہ عینا کے سامنے کوئی ناشائش کرنا چاہتا اس لیے بولا۔

”مجھے نہیں لینے جاؤ تم یہ سب یہاں سے۔۔۔۔۔ اور آئندہ ہلٹر کم سے کم مجھے اس وقت آخر مت کرنا جب تم اپنی بیوی کے لیے کچھ لاؤ۔ ای، ایو کے کہنے سے بھی نہیں کیونکہ نہ دیکھو خود پر ترس کھانا پسند ہے اور نہ میں کسی کی چیزوں پر نظر کرتی ہوں جس کی وجہ سے تمہیں صدمے میں مجھے کچھ دینا پڑے۔“ افق

عمار کی اس پیش کش پر چڑ کر بولی۔
”کتنی نیکیو سوچ ہے تمہاری، افق اس میں صدمے والی کوئی بات ہے۔ تم بھائی کی محبت کو اس نظر سے دیکھتی ہو۔“ عینا، افق کی سوچ پر قدرے حیران ہو کر بے ساختہ بولی۔ عمار کو عینا کا یوں مدخلت کرنا کھانا نہیں لگا۔

”عینا تم سچ میں ہی بولو تو بہتر ہے۔ یہ ان کہن بھائیوں کا معاملہ ہے۔“

”لیکن سوچو، آپ افق کی سوچ تو دیکھیں۔ کتنا دکھ ہوا ہوگا عمار کو افق کی اس بات سے۔“

”بڑی ہمدردی ہے تمہیں اپنے شوہر سے، ساتھ دے رہی ہو اس کا۔“ افق غصے سے بولی تو عینا سے برداشت نہیں ہوا۔

”ظاہر ہے شادی ہوئی ہے ان سے میری، میں ساتھ نہیں دوں گی تو اور کون دے گا۔“

”عینا تم اندر سے میں جاؤ۔“ عمار نے عینا کو روکا۔

”جاری ہو، آپ کو پریشان ہونے کی

ضرورت نہیں اور ہلٹر ہے چیزیں اب میرے کمرے میں مت لاے گا۔“ عینا ہلٹرک کر بولی اور اسے کمرے میں چلی گئی۔

”دیکھ لیا آپ نے۔۔۔۔۔ یہی تمہارا تھا میں نے۔۔۔۔۔ دن سے آپ کو گھر آپ کی سمجھ میں تو سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ دیکھا جان کی مظلوم تو افق ہے۔“ باقی ہم سب غلام ہیں۔ جو کچھ بھی افق کے ساتھ ہوا ہے گویا ہمارا وجہ سے ہوا ہے، ہمارا ہے۔۔۔۔۔“ عمار کاں سے لالا۔

”بکواس بند کرو عمار اپنی۔۔۔۔۔ کس طرح بات کر رہے ہو تم ہاں سے۔ چار دن میں ہی تمہارے توجہ بدل گئے۔ بیوی اتنی پیاری ہوئی تمہیں کہ تم گھر کے مسائل ہی سے دستبردار ہو بیٹھے۔“ تنزل غصے سے کہتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔

”گھر کے نہیں افق کے مسائل سے دستبردار ہونا چاہتا ہوں میں۔ تم تک میں جسے ہم بھی افق کے مسائلوں سے۔“ عمار غصے سے کہتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ عمارہ بیگم کے چہرے پر غصہ اور بے کمری تھی۔ افق کے چہرے پر حیرت اور غصہ تھا۔ افق سب کے درمیان سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔ تنزل اور عمار پریشان اور بے بس ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

☆☆☆

ماہ پارہ کی بچیاں آئیں تو انہوں نے عرب کے بارے میں بیٹیوں کو بتایا اور دبے دبے انداز میں عرب کی برائیاں اور شکایت کی۔

”دیکھیں اس کی عروہ بھائی بڑے گھر کی بیٹی ہے امیر والدین کی اگلی اولاد ہے نہ وہ آپ کی بھتیجی برداشت کرے گی اور نہ ہی طعنے۔ بہتر ہے آپ رواجی ساس کا کردار ادا نہ ہی کریں۔“ حاتمہ مار سے بولی۔

”کیا بکواس کر رہی ہو عاصمہ۔۔۔۔۔ میں روانا ساس کا کردار ادا کر رہی ہوں۔ ارے مجھے ناشائش

دلی ہوں میں اسے۔۔۔۔۔ کپڑے استری کر کے دیتی ہوں اس کے۔ جاتی ہو رواجی ساس ہوتی کیا ہے۔“ جاتی ہوں ای اچھی طرح سے جاتی ہوں۔ بس یہی کہنا چاہتے ہیں ہم لوگ آپ سے کہ افق کو تو آپ نے تھپتھپک مار لیا تھا۔ سنی بھانجی تھی آپ کی۔۔۔۔۔ گھر اس کے بارے میں ایسا مت سوچئے گا۔“

”وہ تو بد زبانی کرتی تھی اس لیے میرا اس پر ہاتھ اٹھا گیا تھا لیکن یہ تو اندر ہی اندر میرے لیے گھو کاٹ رہی ہے مجھ سے۔ حارث اتنا بدل گیا ہے اب بیٹھتا لیکن تب میرے پاس۔۔۔۔۔ آفس آئے ہی سیدھا کمرے میں۔۔۔۔۔ اور اس تجربہ کے پاس تو وقت ہی نہیں میرے پاس بیٹھنے کا۔ افق تم کے کم بد زبانی لیکن صاف تھی۔ جیسی اندر سے کئی دینی یاہر سے لیکن تو پیشانی پھرتی ہے۔“

”ایسا ہی ہوتا ہے ای۔۔۔۔۔ ہر گزرجانے والی چیز کی انسان کو بعد میں ہی قدر آتی ہے لیکن ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ آپ کو اس پتھر کی یاد آ رہی ہے جو احساس اور محبت سے خالی تھا۔“

”چنانچہ میں ان چھوٹے لوگوں کا مسئلہ کیا ہے۔“ میاں جوی کو ساتھ وقت کر تازہ دیکھ ہی نہیں سکتے اتنی حسد اور ملن ہوتی ہے ان لوگوں میں۔“ عروہ دروازے سے کان لگا کر کڑی۔۔۔۔۔ ساری باتیں سن رہی تھی۔ وی وی وی میں غصے اور ملن سے سوچا۔

☆☆☆

”افق معمولی سی بات پر عمار گھر چھوڑ کر چلا گیا۔۔۔۔۔ اتنی سی بات پر۔۔۔۔۔“ عمارہ بے بسی سے رو رہی تھیں۔

”ای۔۔۔۔۔ عمار برداشت نہیں کرے گا کچھ بھی۔ اس نے ڈوبتے ہوئے ٹائٹیک کو بچایا ہے۔ احسانات کے ہیں ہم۔۔۔۔۔ دینا ہے آپ کا، یہ بات آپ اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں۔ واقعی حالات پہلے

جیسے نہیں ہیں۔ افق کو چاہیے بدلے خود کو۔۔۔۔۔ افق کو اس کے حال پر چھوڑ کر لکھا اور غلطی کر رہی ہیں۔ عمار گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ عینا ماں باپ کے گھر جا کر بیٹھ گئی ہے۔ کتنا برا اثر پڑے گا ہمارے گھر کا ماموں بھائی پر جب آپ کا بیٹا بھی وہیں جا کر بیٹھ جائے گا۔ ایسا ہمارا ہے بولی۔

”آخر بات ہوئی ہی کیا تھی جو ان لوگوں نے اتنا برا ایش بنالیا۔ افق اور عمار کا معاملہ تھا عینا کو درمیان میں بولنے کی کیا ضرورت تھی۔“ عمارہ چڑ کر بولیں۔ ”افق معمولی باتیں تو گھروں میں ہو رہی جاتی ہیں لیکن عینا نے جان بوجھ کر بات کو بڑھا دیا ہے تاکہ اسے ماں باپ کے گھر جا بیٹھنے کا موقع ملے اور وہ کھل کر ہماری مخالفت کرے اور عمار کو لے کر علیحدہ ہو جائے۔ یہی منصوبہ تھا اس کا اور وہ بڑی آسانی سے اپنے منصوبے میں کامیاب ہوئی۔“ عمارہ بدگمانی اور دکھ سے روئے ہوئے بولیں۔

افق اپنے کمرے میں کڑی سب کچھ سن رہی تھی۔ اسے ان سارے حالات کا کچھ بھی تھا اور غصہ بھی آ رہا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ ابھی عمار سامنے آجائے اور وہ اسے کھری کھری سنائے۔ لیکن ایسا نہ کیا کیا ہے کہ سارے حالات میری وجہ سے ہی ہیں۔“ اس نے غم دھسے سے سوچا۔ ”چاہے میں مدخلت کروں یا نہ کروں، میں بایوں یا نہ بایوں۔۔۔۔۔ تمام حالات کی میں ہی ذمے دار ہوں اس لیے کہ میں اس گھر میں پڑی ہوں۔ کون سا ٹھکانا ہے میرا جہاں میں چلی جاؤں۔“ اس نے غصے اور نفرت سے سوچا اور پھر چڑیاں اٹھا کر پیچھے لگنے کی۔ شور شاپ کی آواز پر عمارہ اور بھائی تیزی سے۔۔۔۔۔ افق کے کمرے میں آئیں تو غصے سے چلائے گئی۔

”کہاں جاؤں میں۔۔۔۔۔ کون سا ٹھکانا ہے میرا۔ کیوں میری زندگی اجیرن کر دی ہے تم سب نے“

”زندگی ہم نے نہیں خود تم نے اجرت کر رکھی ہے۔ ایک خدا نے تمہاری پوری زندگی برباد کر دی مگر تم نے وہ ضد نہیں چھوڑی۔ روم تم اپنی ضد پر قائم اور دیکھو تمہارا شہ.....“ لہذا نے مجھے اور اسوس سے اپنی کو بھجوا دئے ہوئے کہا۔ پھر لہذا، عمارہ کو افق کے کمرے سے لے کر پہنچائی۔

☆ ☆ ☆

ابھی صبح ڈھنگ سے بھی نہیں ہوئی تھی کہ افق کا جہیز ٹرک میں لوڈ ہو کر آگیا۔ عمارہ اور تنزیل ماہ پارہ کی اس پیش قدمی پر اور بھی نوٹ گئے۔ تنزیل نے سارا سامان ٹرک سے اتار دیا تو ڈرائیور نے کچھ چیزیں ہاتھ میں دیں۔ وہ افق کے زیورات تھے جو عمارہ نے چڑھائے تھے۔

”صاحب سامان چیک کر کے آپ اس پرچی پر دستخط کر دیں تاکہ ہم لکان کو جا کر تبادیل کر سامان مکمل پہنچ گیا ہے۔“ ڈرائیور بولا۔ تنزیل صدمے کی حالت میں تھے۔ افق کمرے سے نکل کر آئی اور زیورات کھول کر دیکھے، چار چوڑیاں اور ایک نیگلکس سیٹ ہتھ اور ٹیکاسب کچھ دھو کھڑا۔ افق نے ڈرائیور سے پرچی لی اور سامان کر دیئے۔ عمارہ اور تنزیل نے حیرانی سے افق کو دیکھا۔ وہ بالکل بھی شاک نہ تھی جیسے وہ اس عمل کے لیے پہلے سے ہی تیار تھی۔

”یہ سامان میں نے خود دفن کر کے منگوایا ہے۔“ ڈرائیور کے جانے کے بعد افق بولی۔

”اور کتنی کا لگاؤ کی تم ہمارے منہ پر.....“ عمارہ پیچھے سے جدبانی پنے سے افق کے منہ پر تھپتھر مار دیا۔

”جہیز کا سارا سامان میرا ہے، اس پر حق بھی میرا ہے۔ کسی کی ملکیت نہیں ہے یہ کہو ہاں بڑا ہرانا۔“

جب میں یہاں ہوں تو میرا سامان بھی نہیں ہوتا چاہیے۔“ افق ہٹ دھرمی سے بولی۔

”کیا کر کے تم اس سامان کا۔ عزت تو تمہاری مٹی اس سامان کا تکیہ تاج محل بناؤ گی؟“

”مجھے معلوم ہے کتنی مشکل سے آپ نے میرے لیے جہیز بنایا تھا۔ اس سارے سامان کو تنزیل کر رکھ دیجئے لہذا کے کام آئے گا۔ علاوہ اس زیور کے..... لیکن فخرت کیجئے گا میں یہ زیور جلد لو دوں گی آپ لوگوں کو۔“ افق یہ کہتے ہوئے زیورات اپنے کمرے میں لے گئی۔ عمارہ اور تنزیل نے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

☆ ☆ ☆

”ماہ پارہ آپا کا فون تھا۔ بتاری تھیں افق نے خود فون کر کے اپنا جہیز واپس منگوایا ہے ان لوگوں سے۔ تو یہ تو.....“ بھی اتنی بہت دھرم اور تہذیب لڑکی میں نے۔ دیکھی نہ..... مجھے تو یقین نہیں آتا حسین کہ وہ آپ کی بھانجی ہو سکتی ہے۔“ خالدہ نے حسین اور عینا کو بتایا۔

”پورے خاندان کا نام ڈبویا ہے اس لڑکی نے ٹھیک کیا تھا تم یہاں آگئیں نہ جانے وہاں اور کیا کچھ ہونے والا ہے۔ ہمارا کچھ بچا چلا وہ گھر چلا گیا اپنے دوست کے ہاں ہی ٹھہرا ہوا ہے۔“ حسین رنج اور اسوس سے بولے۔

”ابو عمار اپنے کھر چلے گئے ہیں..... بھوپتی طبیعت خراب ہو گئی تھی اس لیے آپ تو جانتے ہیں عمار اپنی االی سے کتنی محبت کرتے ہیں۔“

”تو پھر تم اب واپس اپنے سرسرا ل جاؤ گی؟“

”پانچ تم اب..... عمار جیسا کہیں کے..... فی الحال تو میں نہیں ہوں۔“ خالدہ اور حسین چپ ہو گئے۔

☆ ☆ ☆

عروہ کے ماں نے خبر کی تھی جیسے ہی ماہ پارہ نے سنی تو سب کچھ بھول بھال گئیں۔ حادث بھی اس خبر پر بہت خوش تھا۔ عروہ کو اور بھی چاہت سے نواز رہا تھا۔ حادث باپ بننے کی خوشی میں بھول کر گیا تھا کہ وہ بھی کسی کا بیٹا ہے۔ ہر وقت عروہ کی ناز برداریاں اور اس کی ضرورتوں کا خیال حادث کو یکسر ماں سے دور کر رہا تھا۔ کچھ عروہ میں بھی ایسی ہوشاریاں اور چالاکی تھی کہ وہ حادث کو ماہ پارہ سے روز بروز بدلتی کر رہی تھی۔ دیئے عروہ، ماہ پارہ سے کبھی انکر نہیں بولتی تھی، کبھی بدیمیزی نہیں کرتی تھی لیکن ماہ پارہ کو عروہ پر برتری اور حاکمیت بھی حاصل نہیں تھی بلکہ بعض اوقات تو ماہ پارہ کو عروہ کے سامنے اپنا آپ تغیر اور کمزور لگانا۔ دن ایسے ہی گزر رہے تھے۔

افق نے زیورات بیچ کر پونیرٹی میں ایڈیشن لے لیا تھا۔ ادھر حادث کے بیٹا ہوا تو عروہ نے علیحدگی کا مطالبہ کر دیا۔ عینا واپس آگئی لیکن عمارہ کے دل کی خلش کو مٹانے کی۔ عمارہ کے عینا کے ساتھ آنے روز کے بھٹکے رہتے چلے گئے۔ عینا کا رویہ گھر میں بھی خراب رہنے لگا۔ یہ کھینچنا تھی اتنی بڑھی کر عمارہ عینا کو لے کر گھر رہنے پر مجبور ہو گیا۔ ادھر خالدہ اور حسین نے عمارہ اور تنزیل سے محاذ آرائی شروع کر دی۔ عینا اور عمارہ کے علیحدہ گھر جانے تک یہ محاذ آرائی نہ رکی۔ جس کی وجہ سے عمارہ اور حسین کے درمیان دوری بڑھتے بڑھتے نفرت کی حدوں کو پہنچ گئی۔

ماہ پارہ بھی چاہتی تھیں لیکن جب ان کی یہ چاہت پوری ہوئی تو ان کے پاس کھیلنے کے لیے کوئی بھی بازی نہیں تھی۔ خالدہ، ماہ پارہ کو کھانے کے حلقے تیار ہی تھیں اور انہیں ذرا بھی دیکھتی نہیں تھی۔ وہ یہ سوچ رہی تھیں کہ آج میں ان کے گھر میں کبسا انقلاب آیا۔

”ای آپ کیوں عروہ سے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ عروہ آپ کی اتنی عزت کرتی ہے اور آپ اس پر ہر وقت تنقید کرتی رہتی ہیں۔ عروہ شہرام میں بڑی زبانی ہے تو کیا ہوا اور کیا کر کے دوسرے کام دیکھیں گی تو..... اور وہ بھی گھر میں گھر میں دو، دو ملا رہی ہیں..... صرف ان پر غمرانی ہی تو کرنا ہوتی ہے۔ آپ کیوں کہتی ہیں ہاں بار عروہ ہر وقت اپنے کمرے میں ہی رہتی ہے۔“ حادث نے آکر ماں سے کہا۔

”کیا ہوا ماہ پارہ آیا..... آپ کچھ بول نہیں رہیں۔“ ماہ پارہ نے چونک کر خالدہ کو دیکھا جیسے خود کو سنبھالا۔

”نہیں..... نہیں میں سن رہی ہوں۔ یہ بتاؤ عینا کے کوئی ہال بچہ ہوا نہیں۔“

”ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا۔ علاج کر رہی ہوں میں اس کا۔ عمار بہت ڈسٹرب رہتا ہے۔“ علیہ کمر میں لے تو آیا ہے وہ مٹا کو..... لیکن اس کا الٹی ماں کے قدموں میں لی پڑا رہتا ہے۔ وہ اور حسین تو یہ سوچ رہے ہیں عمارہ اور اس کا بیٹا ٹاپا میں بھی آئیں گے جب ہم لہذا کو بیاہ کر اپنے کمرے آئیں گے۔“ خالدہ براسانہ بنا کر بولی۔

”میں نے تو چاہا تھا رشتے داری سے لے کر تعلق تک سب ختم ہو جائے تم لوگوں کے بیچ لیکن..... یہ کیا وقت دین لوٹ گیا جہاں سے میں نے اسے دھکیلا تھا۔“ ماہ پارہ نے دل ہی دل میں سہا۔

”اور سنا میں آیا..... کسی رات وہی چپ آپ کی.....“

جو..... سنا ہے دوسری بار ماں بیٹے جاملے ہے عروہ..... بھی بہت خوش قسمت ہیں آپ..... ہاں..... پوچھاں کھانے کا ہی شوق تھا آپ کو کبھی حادث کی شادی کی جلدی چائی تھی آپ نے..... اور اللہ نے آپ کی سنی۔“ ماہ پارہ جبراً سکرامیں۔

”جلدی تو میں نے اس لیے چائی تھی تاکہ

سے ہی ہے۔ میرا مطلب ہے پہلے سے ہی ہے۔ آپ ٹھیک سے دوا نہیں لے رہیں اس لیے وہ اب ہوگا۔ شہناز نے کہیں بیروں کی ماش کرے آپ کے۔“

”شہناز تو اب آتی ہی نہیں۔ سارے کام ہی تمہاری بیوی کی ملازمہ کرتی ہے۔ سملی نے اور اس نے پورے گھر پر قبضہ کر لیا ہے۔ میں تو فرینج سے پانی بھی اٹھ کر پینے کے قابل نہیں ہوں عارث۔“

”اچھا، میں کل آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر چلوں گا آپ فکر نہ کریں۔ لائٹ بجھا دو تاکہ آپ سو جائیں۔“

”نہیں..... لائٹ مت بجھانا..... دم گھٹنے لگتا ہے میرا۔ بالکل اندھرا ہو جاتا ہے۔ سانس نہیں آتی مجھے۔ لائٹ کھلی رہے دو..... اور یہ کڑکری بھی توڑی سی کھول دو۔ اب جاؤ تم..... اور ہاں سنو عارث..... میں اگر آواز دوں تو جلد سن لینا۔“

”کیوں ایسا نہ ہو کہ میرا دم گھٹ جائے۔“

”کیا ہو گیا ہے ای کی آپ کو، ایسا کچھ نہیں ہوگا میں آپ کے پاس ہی ہوں آپ سو جائیں۔“ ماہ پارہ نیکو بوستر پر لٹا کر عارث دبے قدموں کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

”مجھے لگتا ہے ای کو کھٹک کا مسئلہ ہے جو بہت بڑھ گیا ہے جب عیس کے بخارات دماغ پر چڑھتے ہیں تو انسان یونہی یونہی ہنگی ہنگی باتیں کرتا ہے جیسے ای کرہی ہیں اور اگلے سیدھے خواب آتے ہیں عیس کے مرثیوں کو بدعینہ اور طعن ہوتی ہے جس، جھٹکن محسوس ہوتی ہے“ عرویدہ عارث کو پریشان دیکھ کر ماہ پارہ کے متعلق مطمئن کرنا چاہ رہی تھی لیکن عارث مطمئن نہیں ہوا۔

”لیکن عرویدہ ای کے پاؤں کام نہیں کر رہے

”میں حیران ہوئی ہوں تمہاری پیش کش پر.....“

ماہ پارہ نے اس بات کی اچھی لکڑیاں ہیں اور تم نے میرا انتخاب کیا۔“

”تم ان سب لڑکیوں سے بہت مختلف ہو اقی..... چاہے کیا میں نے پایا، مانا ہے بھی تمہارا ذکر کیا ہے۔ ملوانا چاہتا ہوں میں ان لوگوں کو تم سے۔“

”مردہوں کی میں تمہاری مانا، پایا ہے لیکن ایک شرط پر..... تم شادی کی کوئی بات نہیں کرو گے۔“ اقی کچھ سوچ کر بولی۔

”مگر کیوں اقی؟“ زہیر زچ سا ہوا۔

”میں شادی شدہ ہوں زہیر..... اگر تمہیں یقین نہیں آ رہا تو میں کچھ نہیں کر سکتی۔ ہاں البتہ تم جاؤ تو میرے گھر والوں سے نقد کر سکتے ہو۔ کاج نامہ بھی دیکھا کتنی ہوں میں تمہیں..... اقی کچھ اس انداز میں بولی کہ زہیر دنگ رہ گیا۔ پھر اقی نے اپنے بارے میں سب کچھ زہیر کو بتا دیا۔

☆☆☆

”عارث..... یہ کچھ ملاتی ہے کمانے میں، میں اس کے ہاتھ کا کچھ نہیں کھاؤں گی۔“ کہہ رہی ہوں میں تم سے..... میرا دم گھٹ رہا ہے اس گھر میں..... مجھے جانا ہے..... مجھے کہیں لے چلو یہاں سے لے چلو عارث۔“

”کیا ہو گیا ہے ای کی آپ کو..... عرویدہ آپ کا اتنا خیال رکھتی ہے اور آپ ای پر شک کر رہی ہیں۔“

”ہاں..... تو کیوں نہ کروں شک۔ یکدم ہسپر پر بیٹھ گئی میں بیروں سے چلا نہیں جاتا مجھ سے..... مجھے جڑے گئے ہیں میرے۔“

”ای عمر کا تھا شاہ..... یہ کیوں نہیں سمجھتیں آپ.....“

”ہاں..... یکدم سو سال کی ہو گئی ہوں میں۔“

”گھٹنوں میں تکلیف تو آپ کو سو سال پہلے

چال پوچھتا تھا اقی کو کچھ لگتا تھا۔ زہیر اقی سے چھوٹا تھا خوش حواج اور چٹیل لڑکا تھا۔ زہیر شاہ اقی کا کلاس فلو تھا۔ اس کے اسی گاڑی میں ڈراپ بھی کرتا۔

آج گاڑی میں زہیر نے ہنسی مذاق کرتے ہوئے اقی کو پرویز لڑکا ڈالا..... وہ حیران ضرور ہوئی لیکن چونکی نہیں..... اس کے گھر ڈاکٹر پر زہیر پوچھتے جانا نہ رہ سکا۔

”میں نے اتنی اہم بات کی آپ سے اور آپ نے مجھے کوئی رسپانس ہی نہیں دیا۔“ اقی پلکا سا مسکراتی اور اعتماد سے بولی۔

”میں میرے ہوں۔“ زہیر چونکا پھر بس دیا۔

”مذاق اچھا کر رہی ہیں آپ۔“

”تم یقین اتار دو مجھے..... مجھے کچھ شایگ کرتی ہے۔“

”میں واقعی میری ہوں اقی۔“

”تم سے ایک بات پوچھوں زہیر..... کیا تم نے مجھ سے دوستی اس لیے کی تھی کہ مجھ سے شادی کرو گے؟“ اقی نے زہیر کی طرف دیکھا اور جیدگی سے بولی۔

”نہیں دوستی اس لیے تو نہیں کی تھی لیکن دوستی کرنے کے بعد مجھے لگے آپ..... اور میں اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔“ زہیر ٹھوڑا سا نفی زور ہو کر بولا۔

”اچھی زندگی شادی کے بغیر بھی تو گزار سکتے ہیں ہم لوگ۔“

”مگر اس میں جرح بھی کیا ہے اقی؟“

”جرح ہے ناں..... میں ایک اچھے دوست کو کھودوں گی۔“

”دیکھو جس ہم معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں وہاں لڑکے بڑی کی دوستی کیا معنی رکھتی ہے تم اچھی طرح سے جانتی ہو۔ میں اس دوست کو کوئی سختی دینا چاہتا ہوں۔“

ساری بساط خراب کر سکیں لیکن مجھے کیا معلوم تھا مات مجھے ہی ہوگی۔“ ماہ پارہ بیٹم نے سوچا۔

”عرویدہ نے عارث کے دل میں میرے لیے اتنا زہر گھول دیا ہے کہ وہ مجھ سے بات تک نہیں کرتا۔“ ماہ پارہ بیٹم کے چہرے پر بروں کی جھکن تھی۔

خالدہ کو ماہ پارہ کا انداز عجیب سا لگا۔

☆☆☆

خالدہ اب بات کا اظہار حسنین کے کیے بنا نہیں رہ سکیں۔

”مکلی پارا بسا ہوا ہے کہ آپ کی بہن نے اپنی بڑی بہن یعنی اقی کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔ کچھ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی انہوں نے۔“

”اب بھی یہ کیا گیا ہے جو چھپنے کے لیے بھجیر کا سامان تک تو ڈھونڈا اقی نے..... تم سے کہ سامان پڑا رہتا تو انہیں یہ تو یاد رہتا کہ اقی بھی عارث کے نکاح میں ہے..... مگر نہ بھی ہونے لے میرے یاد دہی کر لیا کرتے اسے۔ یہ سارے تعلق افق میں ختم کیے ہیں۔ دینے ایک عجیب بات بتاؤں تمہیں میں نے سنا ہے اقی نے زہیر کو اپنی بیٹی میں لے لیا ہے۔“

”ساری زندگی بر باد کر کے اب پڑھ کر کہہ کر وہ کیا کرے گی۔ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے اور لڑکیوں کے لیے تو خاص طور پر وقت بہت ہی مختصر ہوتا ہے۔ تعلیم کے بعد شادی، شادی وقت پر نہ ہو تو بھی نہیں ہو پاتی۔ اگر اسے زندگی کی طرف لوٹنا ہی تھا تو اسے چاہیے تھا اپنی زندگی بر باد دینے سے بچنا..... چلی ہے پڑھنے، کون سا تیر مار لے گی تم بھی دیکھ لیں گے۔“ خالدہ حیران تھیں، طنز پر بولیں۔

☆☆☆

زہیر شاہ کی قربت نے اقی میں بہت سی تبدیلیاں پیدا کی تھیں۔ اقی ہنسنے بولنے لگی تھی۔ اپنا خیال رکھنے لگی تھی۔ صبح سویرے زہیر شاہ اس کا حال

ہم نے دل دیا۔
 نے اسے اپنے پاس کی کھٹی میں جاب دلا دیا۔
 شاہ، اقی کے لیے شارت کٹ ہی نہیں بہت کئی بھی
 جانتا ہوا۔۔۔۔۔ شاید اس کی زندگی سے اب بڑے
 دن نکل گئے تھے۔ انتہا کارشہن سین اور خالدہ نے
 دوبارہ مانگا لیکن اقی نے انکار کر دیا کہ انتہا اب اس
 گھر میں نہیں جائے گی۔
 اقی کے خیالات اور رائے سے کبھی نے اتفاق
 کیا۔ اس نے خود کو سنبھالنا تھا ہر چیز ہی بدلتی چلی
 گئی۔ کہتے ہیں انسان اپنی تربیت خود کرتا ہے۔ خود کو
 بننا بھی سکتا ہے اور ہر گز ذہنی سکے ہے۔ اس وقت اقی ملٹی
 ٹینس کھیتی میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھی۔ وہی اقی جس
 نے اپنی زندگی کے بہترین سال بوجہ بھڑکھڑ خد کی

حادث کے ساتھ پاؤں پھول گئے۔ جیسے تیرے عہدے کو
 اسپتال لے کر گیا۔ بچے کی حالت بہت نازک ہوئے
 کی وجہ سے ڈاکٹر نے فوراً آپریشن کا فیصلہ کیا اور
 بدستی سے ڈاکٹر نے کتے کو پچانے میں کامیاب ہو گئے
 لیکن عروہ کو بھی کتے پچانے میں حادث کے لیے یہ حادث
 بہت اذمہ ٹانگ تھا۔ سات ماہ کا بچہ تین ماہ تک
 مشینوں میں ہی پر دان چڑھتا رہا۔ حادث عروہ کی
 موت کے بعد سے اور تم سے بڑھائی تھا۔ حادث کا بڑا
 بیٹا جو صرف ڈیڑھ برس کا تھا سلی اسے سنبھالنے۔ ماہ
 پارہ دم سے مستقل ہسپتال پر رہ گئی۔
 عاصمہ اور ساجدہ تھے ماہ تک کی نہ کسی طرح
 روزانہ آتی رہیں اور اس کی گھر کی دیکھ بھال کرتی
 رہیں لیکن آخر وہ بھی کب تک اپنے گھر اور اپنے چھوڑ
 کر آتیں بالآخر انہوں نے بھی اپنا اپنا جانا کم
 کر دیا۔ جیسے جیسے حادث نے خود کو سنبھالنا۔ چھوٹا بچہ
 بھی اب گھر میں ہی آ گیا تھا۔ سلی کے لیے وہ بچوں کو
 سنبھالنا خاصا مشکل تھا۔

حادث کو جب بھی خیال آتا کہ عروہ نے اس
 کی ماں کو ہر دے کر اس حال پر پہنچایا ہے تو اس کے
 روکنے کڑے ہو جاتے وہ پہلے اور بے چین ہو جاتا
 پھر حادث نے سلی کو بھی کام سے نکال دیا اور ایک نئی
 ملازمہ رکھی۔ ایک ملازمہ مال کے لیے اور ایک
 بچوں کے لیے، پھر کسی بدلتی ہوئی طرح پرورش پارے تھے
 اور نہ ہی ماں پارہ کی دیکھ بھال ہو رہی تھی۔
 حادث جب بھی گھر میں آتا ملازمین یا تو بچن
 میں حس کہ کچھ کھاری ہوئیں یا نئی دینے میں
 مشغول ہوتیں۔ حادث بری طرح سے ذہنی طور پر
 اضطراب ہو گیا۔۔۔۔۔ وہ سوچ بھی نہیں تھا کہ زندگی
 اسے اس دورے پر لاکھڑا کرے گی۔

☆☆☆

اقی کا ابھی رزلٹ نہیں آیا تھا کہ زیر شاہ

”عروہ بی بی۔ میں آپ کو ایسے تعویذ لاکر
 دیتا کہ آپ کا کام بھی ہو جاتا اور کئی کو پتا بھی نہیں
 چلتا۔“
 ”پاکل ہو گئی ہو سلی، یہ رہنمائی دور ہے اس
 دور میں تعویذ گنڈے اثر نہیں کرتے۔ میڈیسن کے
 ذریعے سارے مسئلے حل کیے جاسکتے ہیں۔“
 ”لیکن عروہ بی بی۔۔۔۔۔ حالت بہت خراب
 ہو رہی ہے آپ کی ساس کی۔۔۔۔۔ حادث مہاں کو آپ
 پر شک ہو گیا تو جان سے مار دیں گے آپ کو۔“
 ”کون بتائے گا۔۔۔۔۔ تم جتنا کو انہیں؟“
 ”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں تو یہ کہیں عروہ بی بی۔۔۔۔۔
 میں کیوں بتاؤں گی۔۔۔۔۔ لیکن وہ ڈاکٹر کے پاس
 جائیں گی اور ان کی ٹیمٹ رپورٹس میں پتا چل گیا
 تو۔۔۔۔۔“
 ”میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ حادث کے
 آنے میں ابھی آدھا گھنٹا ہے۔ تم یہ کپڑے سکھا کر
 بیچھ آ جاؤ میں بھی نیچے ہی جا رہی ہوں۔ تم حادث کو
 فون کر دینا کہ چاکا کھیری طبیعت خراب ہوئی ہے۔
 حادث آئے گا تو سیدھا میری طرف اور بری حالت
 دیکھ کر کبھی میں انوالو ہوگا۔ اور مجھے امید ہے تین چار
 دن تک وہ بھی میں انوالو رہے گا اور اس کے بعد وہ
 امی کا چیک اپ کروانا بھول جائے گا تم فکر نہیں
 کرو۔“ آہٹ پر عروہ نے پلٹ کر دیکھا حادث پیچھے
 ہی کھڑا تھا۔ لیکن بھی چپک لی۔ حادث کے چہرے پر
 غصہ اور شدید نفرت تھی جیسے وہ ساری باتیں سن چکا
 ہو عروہ کی ریزہ ک ہڈی میں مستحی کی دو گئی۔ اس
 نے حادث کی آنکھوں میں کبھی اتنی وحشت اتنا غصہ
 اور جنون نہیں دیکھا تھا۔ وہ خوف کی وجہ سے چیخے پٹنے
 لگی۔ جیسے اس منظر سے غائب ہونا جاتی ہو یکدم
 عروہ کا پاؤں ڈگ گیا اور وہ میز بیوں سے گرنی چلی گئی
 اور بے ہوش ہو گئی۔ عروہ کا ساتواں مہینہ تھا۔

یہ بہت تشویش کی بات ہے میرے لیے۔۔۔۔۔ کل میں
 ای کا مکمل چیک اپ کراتا ہوں۔ مہا ہوں ان کے
 ڈاکٹر سے۔۔۔۔۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ امی بالکل ہی معذور ہو کر
 بیٹھ جائیں، کون سنبھالے گا انہیں۔“
 ”یہ فکر مندی کی بات ہے۔ اگر حادث نے
 ای کی بلڈ رپورٹس کروائیں تو پول محل جائے گا کہ
 انہیں خوراک میں پائونڈ دیا جا رہا ہے جس کی وجہ
 سے ان کا زور سسٹم آہستہ آہستہ کام کرنا چھوڑ رہا
 ہے۔ نہیں، میں یہ ہونے نہیں دوں گی۔ کسی نہ کسی
 طریقے سے روکوں گی حادث کو اور اس کے لیے مجھے
 اپنی طبیعت خراب کرنا ہوگی۔“ عروہ نے دل ہی دل
 میں سوچا۔
 ”تم فکر نہیں کرو حادث امی ٹھیک ہو جائیں گی۔
 میں بھی کل کتھارے ساتھ چلوں گی۔ واقعی ان کا
 باقاعدہ چیک اپ ہونا بہت ضروری ہے۔“ عروہ
 حادث کو سلی دے کر ہوئی۔
 ”اس حال میں تم امی کی کتنی دیکھ بھال کتنی
 پروا کر رہی ہو عروہ، ٹھیک ہو۔۔۔۔۔ سوچ عروہ۔“
 حادث جیست سے عروہ کی طرف دیکھ کر بولا۔
 ”تو میرا فرض ہے حادث اب تم بھی آرام
 کرو۔ بالکل ہی بکھر کر رہے ہو۔ تم اس طرح تو
 تمہاری بھی صحت خراب ہو جائے گی۔“ عروہ کی توجہ
 اور محبت پر حادث مطمئن ہو گیا۔

☆☆☆

”کیا ضرورت تھی عروہ بی بی آپ کو اپنی ساس
 کو کھانے میں کو لیاں ڈال ڈال کر دینے کی۔“
 ”تو کیا کرتی۔۔۔۔۔ دیکھا نہیں تھا تم نے کس قدر
 ہر بات میں مداخلت کیا کرتی تھیں۔ حادث کو کتنا کہا
 کہ ٹیکہ دھو جائیں لیکن مانے نہیں، اب سوائے اس
 کو کوئی حل ہی نہیں تھا کہ وہ کم ہو سکے مگر بڑے پڑ جائیں
 اور میرے معاملات میں مداخلت نہ کریں۔“

Monthly Digest
 SUSPENSE
 ARGUASHT
 KEEZA
 پاکیزہ
 ASOOSI
 جاسوسی
 Sole Distributor
 ویکم بک شاپ
 WELCOME BOOK SHOP
 P.O.Box 27869
 Karama, Dubai
 Tel: 04-3961016
 Fax: 04-3961015
 Mobile: 050-6245817
 Email: webbookadvertising.net.ae

نہ دیکھے تھے۔ جب تک انسان اپنا ہوا نہ تھا اٹھائے کوئی کسی کا ہونے نہیں اٹھاتا۔ اُفق کو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی تھی۔

عمار کے چلے جانے کے بعد کمری کی وہی وسوسہ حال ہو جاتی جب منزل کا کاروبار ڈھونڈتا لیکن اُفق نے اس باپ کو سہارا دیا۔ اُفق نے پہلی سبزی ماں کے ہاتھ میں لا کر دی تو عمار کی دیکھ اور شرمندگی سے آنکھیں جھرا آئیں۔ انہیں احساس ہو گیا کہ بیٹے کی نہیں بیٹیاں بھی ہو جھرا اُفق کی سہارا بن سکتی ہیں۔ آج سے اُفق سال پہلے اگر عمار کی بیٹی کا سہارا بنیں تو اُفق کے اُفق سال برباد نہ ہوتے، وہ بدنام نہ ہوتی لیکن اسے اب ان باتوں کی پروا نہیں تھی، وہ بڑے اعتماد سے سراٹھا کر بیٹھی تھی۔ کہہ سکتی تھی دنیا والوں کو کہ جیت جذبے کی ہوتی ہے۔ اُفق میں passion تھا اس نے اپنی منزل کو پایا لیکن کسی بھی منزل تک جانے کے لیے صحیح راستے کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور کوئی بھی راستہ بنا کر اُفق کے نہیں ہوتی۔

ہر روز صبح اُفق جاتے ہوئے عمار، اُفق کو نشا ہٹا کر دیتیں۔ اس کا چھپک کر کے دیتیں۔ ایسا اس کے کپڑے پر پس کر کے کرتی تا کہ صبح اُفق جانے میں کوئی تھک نہیں ہو لوگ باقی بھی بتاتے تھے کہ عمار اور منزل بیٹی کی کمائی کھارے ہیں لیکن اب اُفق کو ان باتوں پر غصہ نہیں آتا تھا کہ عمار کو حیرت ہوا کرتی جب وہ انہیں سمجھاتی کہ لوگوں کی پروا کرنا چھوڑ دیں۔

زیر شاہ اب بھی اُفق کے پیچھے تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح سے وہ اپنے شوہر سے طلاق لے لے جبکہ اُفق نے اس بارے میں اب بھی سنجیدگی سے سوچا بھی نہیں تھا کہ عمار سے اس کا ایک بڑا بھائی کافر نہیں آتا سنا سنا ہوا۔

حادثہ اُفق کو کچھ کر دیکھ رہا تھا۔ جس کو اس نے یہ کہہ کر ریجیکٹ کیا تھا کہ وہ ایک نفسیاتی مریض ہے آج وہ بڑے اعتماد کے ساتھ اپنے باس کے ساتھ کڑی تھی۔ اُفق نے بھی حادثہ کو دیکھا۔ حادثہ پہلے کی نسبت کمزور ہو گیا تھا۔ رنگ بھی اب دیرا تھا ہونٹیں رہا تھا اس کا شیمیائی بڑی تھی، آنکھوں پر چشمہ لگا تھا، اس کی نسبت اُفق روشن روشن لگ رہی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا تھا۔ حادثہ، اُفق کی طرف بڑھا تو وہ انجان بن کر آگے بڑھ گئی۔ زیر شاہ اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولے گا تھا۔ وہ گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔ حادثہ کے لیے اُفق کا یہ قدم بہت ہی شاندار تھا۔

☆☆☆
اس رات حادثہ کو نیند نہیں آئی۔ وہ ساری رات گردشیں بدلتا رہا اور اُفق کے بارے میں سوچتا رہا۔ ساری رات حادثہ، اُفق اور عروہ کو کچھ یاد کرتا رہا۔

”اُفق بظاہر رحمہ مزاج تھی ہر بات منہ پر کہہ دیتی تھی۔ ہر بات کا جواب دیتی تھی۔ اس نے کسی اپنی ای کی دلجوئی نہیں کی۔ میرے لیے نہیں سمجھی اپنی ضد پر قائم رہی اپنی بات سنانا چاہتی تھی۔ بات سنانے کے لیے اس نے اپنے اصول توڑے۔ وہ امی کے لیے بھی جنگی اور میرے لیے بھی اور جب اسے لگا اٹھا حصول یہاں نہیں لے گا تو وہ کھینچ کر ڈٹ گئی۔ اور پھر اس نے کسی کو بھی پتہ نہیں سمجھا۔ نہ کسی رشتے کو اور نہ ہی زندگی کی تبدیلی کو۔ اس کا سب سے زیادہ نقصان خود اسے ہی پہنچا۔ ہر جگہ ڈبل زخموں کو بدنام ہوئی۔ عروہ میں بھی شکم، مہمان نوازی میں لیکن کسی خطرناک ثابت ہوئی وہ۔ امی کو قطرہ قطرہ زخم دے کر مارنا چاہتی تھی۔ اپنی خطرناک عورت۔ دغلی عورت، جھوٹی اور چالبا عورت جس کے جال میں

میں ایسا گرفتار ہوا کہ مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔ امی کو پوتے پوتیاں کھلانے کا شوق تھا۔ بدود ہا ہے میں امی کے۔۔۔۔۔ اور امی اس قابل بھی نہیں ہیں کہ خود کو سنبھال سکیں بچوں کو تو کیا سنبھالیں گی۔ اُفق میری بیوی ہے، وہ مجھے اس طرح نظر انداز کر کے کسی اور کے ساتھ کیسے پھر رہی ہے وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ میرے گھر آئے یا نہ آئے۔ میرا گھر بسائے یا نہ بسائے لیکن وہ کسی اور کے ساتھ کیسے۔۔۔۔۔ میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔“ حادثہ اُفق اور رشتے سے بے چین ہو گیا۔

☆☆☆
رات کا نہ جانے کون سا پھر تھا جب ماہ پارہ کے چنے کی واوازیں آئیں۔ حادثہ دو کمرے کے پاس گیا۔ ماہ پارہ دور بیٹھی۔ حادثہ سے اُفق کی کہ وہ عمار سے ملنا چاہتی ہیں۔ عمار سے بات کرنا چاہتی ہیں۔ دل کا ہلکا ہوا چاہتی ہیں ان سے۔

حادثہ نے بے مشکل ماں کو سنبھالا اور سمجھایا۔ ”میں عمار آتی ہے پاس جاؤں گا۔ انہیں بتاؤں گا۔ آپ کے متعلق۔“ ماہ پارہ مطمئن ہو گئیں لیکن حادثہ دل ہی دل میں پریشان تھا کہ وہ کس طرح عمار آتی کے گھر جائے گا۔

☆☆☆
آج پھر حادثہ نے زیر شاہ کے گھر امی کو دیکھا۔ حادثہ سے برداشت نہیں ہوا تو وہ اُفق کے پاس آیا اور پوچھا۔

”یہ کون ہے؟“ حادثہ شاید اپنے غصے پر قابو نہیں پاسکا تھا اس لیے اپنا منہ لوز کر بیٹھا۔ ”کون ہے“ غصے اور کون تم ہر وقت اس کے ساتھ نظر آ رہی ہو گئے۔“ زیر شاہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

”مجھے یہ سمجھ نہیں آیا کہ آپ کون ہیں اور کس رشتے کو اب میں سے مجھ پر حق جتنا دے رہے ہیں۔“ اُفق

اعتماد سے بولی۔

”جیسے تم جانتی ہی نہیں۔ میں تمہارا شوہر ہوں۔“ حادثہ غصے سے بولا۔

”کیسے لوگ آجاتے ہیں آپ کے ہوٹل میں۔ اس شخص کی بیوی مر گئی ہے اور یہ دوسری عورتوں کو اپنی بیوی کہتا پھر رہا ہے۔“ اُفق نے ویز کو بلا کر کہا۔

”ایکسکس ڈی سر۔“ پلیز آپ یہاں سے جائیں۔“ ویز نے حادثہ سے کہا۔

”تم کیا کہہ رہی ہو اندازہ ہے مجھے؟“ حادثہ چلا کر بولا۔

”دفتری بریٹس کہہ رہی ہوں آپ کو۔۔۔۔۔ یہی سنتا چاہتے تھے ناں آپ۔“ اُفق نے نرمی سے جواب دیا۔

”پلیز سر چلے جائیں یہاں سے ورنہ ہمیں پولیس کو اطلاع کرنا پڑے گا۔“ ویز نے کہا تو حادثہ کو غصے سے ہوٹل سے نکل آیا۔ زیر شاہ نے حیرانی سے اُفق کو دیکھا۔

”پاکل تھا ہے چارہ۔“ تعلق ہے اس کا میری فیملی سے۔ لیکن اتنا بھی نہیں کہ مجھ سے سوال جواب کرے آکر۔۔۔۔۔ بہر حال تم اپنا پروگرام وکس کر رہے تھے۔ مجھے تو میرا ارادہ یہی ہے کہ کھنٹی اسی پتے رکھ لیتے ہیں۔“ اُفق زیر شاہ سے بولی۔

”یہ دیکھو انگوٹھی۔۔۔۔۔ پسند ہے جہیں۔۔۔۔۔؟“ زیر شاہ مسکرا کر بولا۔ اُفق نے مسکراتے ہوئے انگوٹھی پہن لی اور کہا۔

”بہت پیاری ہے، تمہاری محبت نظر آ رہی ہے اس میں۔“ زیر شاہ نے محبت سے اُفق کو دیکھا۔

”تم میرا بہت بڑا سہارا بنے ہو زیر شاہ۔“ اُفق دوسروں کا ساتھ ہو تو انسان مشکل وقت اور حالات دونوں کا بڑا سہارا بنی قابل کر لیتا ہے۔ نہ جانے تم میری

زندگی میں کیسے آگے اور پھر یک دم اسنے اہم ہو گئے۔ میں تمہاری آمد کا خیر مقدم کرتی ہوں۔ بے فکر رہو میں تمہیں بھی مایوس نہیں کروں گی۔ جب تک ہماری دوستی کسی رشتے سے منسلک نہیں ہوئی میں تمہارا شکر یہ ادا کرتی نہیں سکتی۔ ”افق نرمی اور محبت سے بولی۔ مذہبیر شاہ کے چہرے پر مسکراہٹ اور دہشت تھی۔

☆☆☆

عاصمہ اور ساجدہ ماہ پارہ کے پاس تھیں۔ ماہ پارہ ہم عمر کسی بستر پر لیٹی ہوئی تھیں۔ حارث فخر مندگی سے ایک طرف بیٹھا تھا۔

”ایسا کب تک چلے گا حارث؟ تم شادی کا فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے۔ تمہارے گھر وار پچوں کو عورت کی ضرورت ہے حارث۔۔۔۔۔ خاص طور پر تمہارے بچوں کو ماں کی ضرورت ہے۔ ابھی بچے چھوٹے ہیں ان کے ساتھ بھی ایڈجسٹ کر لیں گے۔ زیادہ وقت ٹکالو گے تو بہت مشکل ہو جائے گی۔“ عاصمہ نے حارث کے چھوٹے بیٹے کو دو ادائیگی بچہ اسے بستر پر لٹاتے ہوئے بولی۔ ساجدہ نے حارث کو سمجھانے کی کوشش کی۔ حارث نے غصے سے ساجدہ اور عاصمہ کو دیکھا۔

”ہم جانتے ہیں حارث کہ عروہ بے گاہ تمہارے لیے جان لیوا ہے۔ اس اچانک حادثے نے ہمیں بوڑھا بنا دیا۔ لیکن یہ بھی مت بھولو کہ تمہیں اور تمہارے گھر کو سینے کے لیے ایک عورت کی ہی ضرورت ہے۔“ عاصمہ نے حارث کو قائل کرنے کی کوشش کی۔ ”مجھے نہیں کرنی شادی۔۔۔۔۔ اور پلیز آپ لوگ بار بار مجھے شادی کے لیے نہ کہیں، نہیں کرنی مجھے شادی۔“ عاصمہ اور ساجدہ چپ سی ہو گئیں۔ ”وقت کے ساتھ ساتھ ہم عروہ کی محبت پر بھول جاؤ گے اس کی جہاد کی برداشت کرنا سیکھ لیں گے لیکن تب تک بچے اسنے بڑے ہو جائیں گے کہ تمہارا تے

ساتھ کسی کو برداشت نہیں کریں گے۔ کم سے کم ای کی ہی فکر کرو۔۔۔۔۔ ای کا حال دیکھو کیا ہو رہا ہے۔ بالکل ہی کم عمر سی ہو گئی ہیں۔ اس صدمے نے تو ای کو بھی توڑ کر رکھ دیا ہے۔“ عاصمہ تجھو ڈھنڈھ کر بولی۔

”صدمے نے ہمیں عروہ کی سازشوں، سازشوں نے ای کو اس حال تک پہنچایا ہے۔ بہت ہی اچھی، بہت پیاری بیواہ کر لائی ہیں آپ لوگ۔ قطرہ قطرہ حال تک رہی تھی وہ ای کو۔۔۔۔۔ تاکہ ای مجرمان اور وہ میرے ساتھ سن مانی کی زندگی گزار سکے۔“ حارث جیسے پھٹ پڑا۔ عاصمہ اور ساجدہ کا منہ کھلا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ”کیا۔۔۔۔۔ کیا کہہ رہے ہو حارث تم بچے عاصمہ پر مشکل تمام بول پائی۔“ عروہ بہت محبت کرتی تھی تم سے۔“ ای سے۔

”میری بات کا یقین نہیں آئے گا آپ لوگوں کو۔۔۔۔۔ یہ بلڈر پورٹس ہیں یہ دیکھیں۔“ حارث نے فائل اٹھا کر عاصمہ اور ساجدہ کو دکھا۔۔۔۔۔ عاصمہ اور ساجدہ گلگ رہ گئیں۔

”ای کو اس حال میں پہنچانے والا کوئی اور نہیں، میں ہوں میں۔“ حارث دکھ اور صدمے سے پاں کی طرف دیکھ کر بولا۔ حارث رونے لگا۔ ”نہیں دیکھی جاتی تھی۔ اسے ای کی یہ حالت۔ میں اتنا غرق ہو گیا تھا عروہ کی محبت میں کہ عروہ کو سمجھا ہی نہیں میں نے۔ سمجھا بھی کسی۔“ عروہ پر وقت جان شادری تھی مجھ پر اور مجھے لگتا تھا ایک بڑی کا سا سا اچھا روپ کوئی ہوئی نہیں سکتا۔ اتنا سن ہو گیا تھا کہ میں اس میں۔۔۔۔۔ لیکن مجھے کیا معلوم تھا اندر سے اتنی گھٹناؤں اور زہریلی ہو کی وہ کبیری ماں کو ہی مارنے کی کوشش کرے گی۔ شاید اس کی موت ای طرح بھی تھی اگر وہ ایسے نہ مرنے تو میں اسے اپنے ہاتھوں سے مارتا تھا۔“ حارث کے چہرے پر اٹھتا تھا اور فزٹ تھی

کہ عاصمہ اور ساجدہ دہل گئیں۔ ماہ پارہ آہستہ آہستہ بڑبڑا رہی تھیں۔

”حسین اور عمارہ سے کہو۔۔۔۔۔ ملے آئیں مجھ سے۔ میں بہن ہوں ان کی۔۔۔۔۔ سوتیلی ہوں تو کیا ہوا۔۔۔۔۔ مجھے عمارہ سے معافی مانگنی ہے۔۔۔۔۔ مجھے افق کے پاس لے چلو۔“ ماہ پارہ رونے لگیں تو عاصمہ نے ماں کے آنسو پونچھے اور حارث سے بولی۔

”کیا ایسا ممکن ہے حارث کا افق واپس اس گھر میں آجائے۔“ حارث نے بے بسی سے عاصمہ کی طرف دیکھا۔

”کوشش کرنے میں حرج نہیں افق تمہاری بیوی ہے حارث۔۔۔۔۔ تم اسے کی زندگی طرح رضامند کر کے واپس گھر لاسکتے ہو، یہ تمہارا حق ہے۔“ ساجدہ نے حارث کو حوصلہ دیا۔

☆☆☆

عمارہ اپنے گھر میں عاصمہ، ساجدہ اور حارث کو دیکھ کر روگ رہ گئیں۔

”آج اتنے عرصے کے بعد کیسے یاد آگئی تھیں ہماری۔“ عاصمہ اور ساجدہ جیسے شرمندہ سی تھیں۔ حارث بھی چپ چاپ سا تھا۔ عاصمہ اور ساجدہ نے عمارہ کو بلکہ ماہ پارہ کی پیاری کے بارے میں بتایا۔

عمارہ بیٹیم نے عروہ کی موت کا افسوس کیا۔ حارث نے عمارہ بیٹیم سے معافی مانگی۔ حارث اپنی ماں کی پیاری کی وجہ سے خاصا کمزور ہو گیا تھا۔ وہ رو دیا۔ عمارہ بیٹیم کا دل پیچ آگیا۔ انہوں نے حارث کو گلے سے لگا لیا۔ عاصمہ اور ساجدہ نے افق کو لے جانے کی خواہش ظاہر کی۔ عمارہ بیٹیم کے لیے اس سے بڑی خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی۔

”افق تو حارث کی ہی امانت ہے۔ وہ جب چاہے لے جائے۔ ویسے بھی بیٹیاں تو کسی بھی حال میں گھر میں نہیں رہ سکتی ہیں لیکن اگر وقت نہیں گئے

میں لٹکا دے تو وہ گلے سے لوج کر کے نہیں لے سکتیں۔ عمارہ بیٹیم نے کہا تو۔۔۔۔۔ حارث نے ایک بار پھر اپنے کیسے کی معافی مانگی۔

”افق جاب کر رہی ہے۔“ عمارہ نے افق کے بارے میں بتایا۔ حارث یہ بات جانتا تھا جبکہ عاصمہ اور ساجدہ کے لیے افق کا یہ روپ نیا تھا۔ عمارہ نے افق کو فون پر کر کے گھر بلایا۔ افق کے لیے حارث، عاصمہ اور ساجدہ کی آمد جرن کن تھی۔

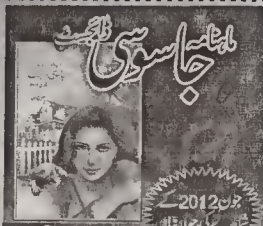
”حارث تمہیں لینے آیا ہے۔“ عمارہ نے افق کو بتایا۔

”کیوں لینے آیا ہے وہ؟“ افق نے پوچھا۔ ”مجھے معاف کرو افق۔۔۔۔۔ میں تمہیں سمجھ نہیں پایا تھا۔“ حارث کمزور سے لہجے میں بولا۔

”معافی تو شاید تمہاری مائیں چاہیے کہ میں تم لوگوں کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔۔۔۔۔ نہ مکمل سے نہ عقل سے اور وہاں جینے کے معاملے میں۔ تم کو معافی مانگ رہے ہو مجھ سے۔“ افق طنز یہ انداز میں بولی۔

”دیکھو افق تم آگے بڑھنا چاہتی تھیں اور میں نے تمہاری اس خواہش کو رد کیا۔ اگر میں تمہاری اس معمولی سی خواہش کو پورا کر دیتا تو آج میرا اتنا نقصان نہیں ہوتا بھٹا ہو گیا۔“

”معمولی سی خواہش۔۔۔۔۔ تمہارے لیے تھی میری وہ خواہش معمولی لیکن میرے لیے میری پوری زندگی کا خواب تھی میرے جینے کا مقصد ہی اور وہ آج میں نے بنا تمہارے سہارے کے پایا ہے۔ لیکن آج تمہیں میرے سہارے کی ضرورت ہے تو تم جھک کر چلے آئے۔۔۔۔۔ تم نے سوچ بھی کیسے کمزور آؤ گے اور میں تمہارے ساتھ چل بیڑوں کی۔ بھول ہے تمہاری۔۔۔۔۔ اب میں یہاں بھی کسی پر بوجھ نہیں ہوں حارث۔“ جو تمہارے بارگاہ میں اور بھی جگ لے



جون 2012ء
ماہنامہ جاہانگیر

بے قصور

زندگی کی دل فریبیاں سچائی میں مضمر ہیں...

جھوٹے مکتوفیہ سے اسے بے ثبات بنائے

دلکے پہرے لوگوں کی عکاس محسن الدین نواب کی تحریر

محبوب کے لیے انتظار

مغربی ماحول کے رنگ و بو اور حیرت انگیز مناظر کی فوٹو گرافی

گڑباز

مسلسل ایک تکی منزل کی جانب رواں

دو اسما قادیسی کے سلسلے دار کہانی

انکار

نستے استخوان سے دو چار تائش اور عمر ان کے

کارنامے طہر جاوید مغل کا سلسلہ

سوز و گداز کی کہانیاں

فریب نگار

ایک جوان کو پیش آنے والے پے در پے سستی خیز

واقعات سلیم فاروقی کے جاوید قلم سے

اجل اشفاق

دوستی کے سفر پر گامزن اشل ساسوں کا

عبرت انگیز احوال ڈاکٹر عبدالرب بھٹن کا ناز

آپ کے گھر...

موسم کی توجہ... کہانتیں...

ادبی فن کا دلچسپ عالم

ہے۔
”میں افاق کو رضامند کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ حارث وقت لگے گا اسے۔“ عمارہ بیگم نے کہا۔

”آپ کچھ نہیں کر سکتیں آئی... ہمیشہ افاق نے جو چاہا وہ کیا ہے۔ کب آپ کی مرضی مانی ہے اس نے۔“

”اس کی ایک ہی ضد تھی حارث جو پوری ہوئی اب اس کی کوئی ضد نہیں۔ آہستہ آہستہ وہ رضامند ہو جائے گی۔“ حارث اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتا تو بولا۔

”تو آپ کہہ رہی ہیں نا... کہ اس کی کوئی ضد نہیں کوئی وجہ نہیں، وہ مان جائے گی۔ کیسے مانے گی وہ... وہ تو کسی اور کو پسند کرتی ہے۔“

”کیا کہہ رہے ہو تم حارث؟“ عمارہ بیگم کو جھکا لگا۔

”نہیں کہہ رہا ہوں آئی میں... آپ تو گھر میں رہتی ہیں آپ کو کیا معلوم کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔“ افاق آغوش سے آئی تو حارث اور آئی کو باتیں کرتا دیکھ کر باہر ہی رک گئی۔ حارث کے الفاظ افاق کے کانوں میں بڑے۔

”میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے آئی... اسے زہیر شاہ کے ساتھ۔“ حارث جذباتی پانے سے کہتا چلا گیا۔ ”ہر وقت وہ اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ بھی ہونٹ لگ کرے ہوئے، بھی شاپک کرتے ہوئے۔ کیا یہ سب اسے زیب دیتا ہے۔ اسے نہیں معلوم وہ میرے نکاح میں ہے۔“

”میری بیٹی پر الزام لگانے سے پہلے حارث کم سے کم تعذر حق تو کر لیتے۔ آنکھیں جو دھبہ تھیں وہ وہی کچھ نہیں ہوتا جو ہم سمجھ رہے ہوئے ہیں۔“ عمارہ قلم سے افاق افسوس سے بولیں۔ ”زہیر شاہ سے ابھی

مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اور حارث اب ایک راستے پر نہیں چل سکتے۔“ عاصمہ افاق کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

”اس کا مطلب یہی ہے۔ حارث اور میں ایک راستے پر نہیں چل سکتے۔ حارث بہت خوب صورت، ویل انجیکٹر، اپنی ماں کا لاڈلا اور قیمتی بیٹا ہے۔ میں اسٹوڈنٹ، پتھر... بھلا کیسے ہمارا ایک راستہ ہوسکتا ہے۔“ حارث، عاصمہ اور ساجدہ مایوس جھگے ہیں۔

”نہیں کہہ رہی ہیں نا... کہ اس کی کوئی ضد نہیں کوئی وجہ نہیں، وہ مان جائے گی۔ کیسے مانے گی وہ... وہ تو کسی اور کو پسند کرتی ہے۔“

”نہیں کہہ رہا ہوں آئی میں... آپ تو گھر میں رہتی ہیں آپ کو کیا معلوم کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔“ افاق آغوش سے آئی تو حارث اور آئی کو باتیں کرتا دیکھ کر باہر ہی رک گئی۔ حارث کے الفاظ افاق کے کانوں میں بڑے۔

”میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے آئی... اسے زہیر شاہ کے ساتھ۔“ حارث جذباتی پانے سے کہتا چلا گیا۔ ”ہر وقت وہ اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ بھی ہونٹ لگ کرے ہوئے، بھی شاپک کرتے ہوئے۔ کیا یہ سب اسے زیب دیتا ہے۔ اسے نہیں معلوم وہ میرے نکاح میں ہے۔“

”میری بیٹی پر الزام لگانے سے پہلے حارث کم سے کم تعذر حق تو کر لیتے۔ آنکھیں جو دھبہ تھیں وہ وہی کچھ نہیں ہوتا جو ہم سمجھ رہے ہوئے ہیں۔“ عمارہ قلم سے افاق افسوس سے بولیں۔ ”زہیر شاہ سے ابھی

مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اور حارث اب ایک راستے پر نہیں چل سکتے۔“ عاصمہ افاق کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

لیتی۔ سنبھال لیا ہے میں نے خود کو... وقت کے تھپڑ کھا کر ہی تھی... بہت دیر سے ہی تھی... کچھ لی میں نے زندگی کی لاکھ... عورت کی ہر خواہش ہے نام اور بیکار ہوتی ہے کیونکہ زمانے کی نظر میں اسے صرف گھر تک رہنا چاہیے لیکن آج یہ وقت نے ثابت کر دیا تم پر حارث کے بغیر مرد اور اور نامکمل ہوتا ہے۔ اس کا کچھ نامکمل ہوتا ہے۔ تم جس آس میں میرے پاس آئے ہو نا... خانی ہاتھ لوٹ جاؤ واپس... افاق نے رجانا انداز میں بولی۔

”افاق تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ تم مجھے نہیں تو ہی کو معاف کر دو۔“ حارث نے تڑپ کر کہا۔

”تم جانتے ہو حارث کہ خالہ نے ہماری شادی کیوں کی تھی۔ تاکہ مجھ کا کارہ کے ذریعے رشتوں کی زنجیر میں ڈھارس ڈال سکیں۔ میں جذباتی پن میں سب کچھ سمجھ جاتی تھی اور خالہ وہی باتیں ماموں کو جا کر بتاتی تھیں۔ میری بے وقوفیوں سے بہت فائدہ اٹھایا ہے خالہ نے، اب کس بات کا مال ہے انہیں۔ ہو گیا وہ جو وہ جانتی تھیں۔ عمارہ عینا کے ساتھ الگ تھلک پڑا ہے، ہم سے ملنے تک نہیں آتا۔“

”تو ماموں کو ناسامی سے ملنے آتے ہیں۔“ حارث نے ہی بولی۔

”ماموں، ممائی بھی امی سے حد درجہ بدگمان ہو چکے ہیں۔ دن رات یاد کرتی ہیں امی... ماموں کو خالہ کو... دراصل انہیں لگتا تھا کہ وہ دھوکا دے رہی تھیں، مہین، بھائیوں نے کاٹ کر پھینک دیا انہیں۔ اسی چکر میں انہوں نے ایک دوسرے سے سب کو کاٹ دیا لیکن الگ تھلک اب بھی وہی ہوئی تھی۔ ہمارا برا بھلا تعلق تو ہے ماموں سے۔“ افاق نے جلتا ہوا حارث کو دل ہی دل میں افاق کی دلیل کو مانا پڑا۔

”ذمہ داری جو ہوا ہم اس پر پشیمان ہیں مشرمدہ ہیں، غلطیاں تم نے ہی ہیں تو قلم سے ہم سے بھی ہوئے ہیں۔“

تیرا پیماںِ جاناں

اقبال بانو



دل پکھل گیا۔ اس نے دونوں بچوں کو سینے سے لگا لیا اور بے اختیار رونے لگی۔

کب چاہا تھا اس نے کہ وقت اس صورت حال پر لے آئے گا۔ اسے خالہ کیسے اچانک بستر پر پڑیں اور زندگی سے اتنا ہی تو زلیا۔ وہ سب کے لیے ملال چھوڑ گئی تھیں۔ تین دن سب کے ماہ پارہ کے گھر میں ہی گزرے۔ موسم کے بعد سب نے جانا شروع کر دیا۔ اب بھی جانا جا پتی کی لیکن حارث نے اتفاق کو روک لیا۔

”ایک بات کا جواب دینی جاؤ اقی..... پھر چاہے چلی جانا۔ زندگی میں بہت سے لوگوں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی، بہت سے لوگوں نے تمہاری حق تلفی کی۔ جب تم ان لوگوں کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہو، انہیں معاف کر سکتی ہو تو مجھے کیوں نہیں؟“ اقی نے چونک کر حارث کو دیکھا۔ وہ یومیل اور بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔

”میں تمہارا سہارا نہیں بنا اقی۔ تم تو سہارا بن سکتی ہو میرا، ساتھ دے سکتی ہو میرا۔“ حارث شکستہ لہجے میں بولا۔

”میں نے اپنی منزل بھی پالی اور جینے کا مقصد بھی دھونڈ لیا لیکن غور کی اصل منزل اس کا گھر اور جینے کا مقصد اس کی کرہستی اور پیٹنے ہی ہیں۔ کامیاب اور عقلمند عورت وہی ہے جو اپنی کرہستی کے ساتھ اپنے شوق کی تکمیل کرے۔ اپنے گھر کو چھوڑ کر کوئی عورت مکمل نہیں ہوتی۔ میں حارث کو چھوڑ کر چلی جاؤں گی تو پھر سے ادھوری ہو جاؤں گی۔“ اقی نے دل ہی دل میں سوچا اور حارث کو معاف کر دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کا گھر پر نظارہ کروں گی۔“ اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

کچھ دن قبل ایسا ہی حلقہ ہوئی ہے۔“ حارث شکوہ کر رہا تھا۔ ”اور جلد ہی میں شادی کر رہی ہوں ایسا ہی۔ بہت افسوس ہوا مجھے یہ جان کر کہ تم ابھی اقی کے متعلق ایسی سوچ رکھتے ہو۔ اس نے اپنی زندگی برباد ضرور کی تھی لیکن کسی شخص کے پیچھے نہیں اپنی خواہش کے حصول کی خاطر۔“ حارث شرم سار سا ہوا۔

”فیک ہے تم اس پر حق رکھتے ہو لیکن الزام نہیں لگا سکتے اس پر..... اب میں اقی پر ذرا بھی دباؤ نہیں ڈالوں گی۔ اقی اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرے گی۔“ حارث کے پاس الفاظ ہی نہیں تھے کہ اپنی بات واضح کر سکے۔ اقی نے کمرے میں داخل ہو کر حارث کو جن نظروں سے دیکھا حارث سمجھ گیا کہ وہ سب کچھ سن چکی ہے۔ حارث تیزی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

زندگی کا پہلے یونہی چل رہا تھا کہ ایک روز جبر آگئی کہ ماہ پارہ زندگی اور موت کی ٹکھن میں مبتلا رہ کر ہمیشہ کے لیے ابدی نیند جا سونکی۔ عمارہ، حسنین، خالدہ اور تنزیل بھی ماہ پارہ کے گھر پہنچے جہاں صف ماتم چھٹی تھی۔ حارث پاٹلوں کی طرح رو رہا تھا۔ اس کے دو چھوٹے چھوٹے بچے لوگوں کے ہجوم میں رل رہے تھے۔ نہ عامرہ کو ہوش تھا نہ ساجدہ کو۔ حارث کی حالت تو دیکھنا توں جیسی ہو رہی تھی۔

اقی کو فحش میں ایسا نہ فون کر کے ماہ پارہ کی موت کی اطلاع دی۔ اقی اس خبر پر شاکہ کر رہی تھی۔ حالات کیسے بھی تھے وہ خود کو روک نہیں پائی اور حارث کے گھر پہنچ گئی۔ جہاں جنازہ اٹھنے کی تیاری ہو رہی تھی۔ ماہ پارہ کو دیکھ کر اقی کا ضبط ٹوٹ گیا۔ وہ رونے لگی۔ حارث کو نہ اپنا ہوش تھا نہ بچوں کا۔

اقی کتنے عرصے کے بعد اس گھر میں آئی تھی۔ اسے سارے سطر یاد آئے۔ گزشتہ ساری باتیں یاد آئے۔ لیکن حارث کے دونوں بچوں کو دیکھ کر اقی کا

یہ زندگی کا کتنا بڑا الیہ ہے کہ جس سے ہم محبت کرتے ہیں اس سے چھوڑ کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ حالانکہ جب محبت کے ہنڈولے میں جھومتے اندر ماتم ہوتا ہے۔ شاید روح مر جائے ہے بدن اور

تصور حسن تم سے چھڑ کر زندہ رہنا تو میں نے بھی سیکھ لیا ہے۔ حالانکہ جب میں تمہاری قربت کے حسین لہجوں میں سانس لے رہی تھی تو ان سانسوں میں بھی کبھی تم سے چھڑ جانے کا سوچ رکھی میری دھڑکیں رکنے لگی تھیں۔ میری سوچ میرے چہرے پر زردیاں بکھیر دیتی اور آپ ہی آپ آنکھوں کے فرش کیلے ہو جاتے۔ تب تم تپتی حیرت سے مجھے دیکھتے اور پوچھتے تھے۔

”کیا ہوا رانو.....؟“ تمہاری گھبرائی ہوئی آواز میری سانسوں میں امرت بن کر اترتی اور میں چپکے سے سگرا دیتی۔
”کچھ نہیں ہوا۔“
”چھڑ تمہاری آنکھوں میں آنسو.....؟“
”ہے آنسو نہیں تمہاری محبت کی چمک ہے۔“ میں ہنس کر کہہ دیتی ہوں۔
”کچھ کہیں ہو۔“ تم نے مجھے بے یقینی سے دیکھا پھر دوسرا سوال نہیں کیا شاید تمہیں احساس تھا کہ میں اپنی بات پڑی نہیں رہی۔
ایک بار ہم چپا کے درخت تلے بیٹھے جب چائے پانی رہے تھے تو اسی ناگ چھپے دوسرے نے میرے دل کو ڈنسا شروع کر دیا تو میرے لب کپکپائے۔
”تیور اگر ہم چھڑ گئے تو.....؟“ میں نے حسبِ عادت خندہ ظاہر کیا۔ میرے اندر کا کرب میرے چہرے پر صاف نظر آ رہا تھا۔ تیور حسبِ معمول ہنس دیا اور اپنے مخصوص انداز میں بولا۔
”رانہ! ہم چھڑنے کے لیے تو نہیں لے۔ ہمارا سنگم تو آسمانوں پر ہو چکا ہے۔“
”اچھا.....“ میں مسکرائی۔ ”تم نے لوہے محفوظ

پر لکھا تقدیر کا فیصلہ دیکھ لیا ہے؟“

”صرف دیکھا ہے بلکہ پڑھ بھی لیا ہے۔“ تیور نے نہایت اعتاد سے کہا تو میں زور سے ہنس دی۔ تم پاس ہوئے تو گٹکا ہنسی، آنسو میرے ساتھ ساتھ بڑے تمہاری محبت بھری بات مجھے ہنسادی اور میرے اندر کے دھڑکے میری آنکھوں میں پانی بھر لاتے۔
اور ایک روز..... تم نے میرے گال پر انکا آنسو اپنی پورے صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

میڈی روح وح میڈا یار وسدا
میڈی اکھ وح اس داد یار وسدا
سانوں اپنے درد دی پروا نہیں پر
رب کرے ہر دلیے راہوے میڈا یار وسدا
نہایت گھبرائے میں سراپائی دو ہڑاسا کرت.....
نہ میری سانسوں میں ایسا درس گھولا کہ میں دونوں سرشار رہی۔

”ہم ملنے کے لیے بنے ہیں۔ تم ہمیشہ ہنسی رہا کرو، غلط باتیں مت سوچا کرو۔“ تم کہتے تھے جب تقدیر کسی حد تک ہنسی ہوگی۔
میں جو بھی تھی تیور سے چھڑ کر میں زندہ نہیں رہوں گی مگر ایسا تو نہ ہوا..... میں زندہ ہوں اپنی تمام تر سچائیوں اور زندگی کی پوری علامتوں کے ساتھ..... لیکن لگتا ہے دل میرا گہرا ہو چکا ہے، ختم ہو گئے ہوں اور میں سمجھتی تھی کہ تمہیں بھول گئی ہوں مگر ایسا کب ہے.....؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ ٹھٹھی ہوا نہیں، برساتا موسم، رنگ برنگی ڈوٹی تھیلیاں، آسمان پر پھیلے تاریکی رنگ، گلابی شاخیں اور چاندنی راتیں میرے اندر تاریکی کیوں لگا نہیں..... چھپے آج ہوا ہے۔
موسم سرما کی آج پہلی بارش ہوئی ہے۔ گیلی میٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو کے علاوہ تمہاری خوشبو بھی میرے چاروں طرف بکھری ہوئی ہے اور میں کتنی پر

اپنے کمرے میں کڑکی کے پٹ سے سرنگٹائے گاؤں سے پہنچتی ہوں دو کو کدو کدو کی ہوں جو ایک اترے سے بہ رہی ہیں جیسے آنسو آنکھوں سے لڑھکتے ہیں۔ گالوں پر آج میں۔ میرا دل چاہ رہا ہے کڑکی کو دل دوں اور اپنی تپتی تھیلیاں باہر نکالوں اور بارش کے قطرے کو اکٹھ میں بھر لوں لیکن شدید خوشامی کے اور دھیمی میں نے اپنی تھیلیاں بچھتی ہوئی ہیں۔ میں اپنے ضبط کا امتحان اسی طرح تو لیتی ہوں، خود پر بھر کر کے، اپنی مرضی کے خلاف فیصلے کر کے، دل کو بھڑک کر لڑا کرے، ترسا کرے، زندہ رہنے کا میرا اپنا چلن چل گیا ہے۔ بالکل انوکھا انداز ہے۔

مگر پچھتاہیں کیوں آج عرصے بعد تم مجھے سے جھانسا دیا کر ہے ہو۔ اتنی شدت سے تو میں نے تمہیں بھی یاد نہیں کیا۔ جی چاہتا ہے کہ تم ایک بار آ جاؤ تو میں تمہیں کچھ کہے پڑا صاف کر دوں گی۔ تمہارے دُشمن کلم پاؤں سے تمہکن کے سارے کاٹنے چھن لوں گی۔

مگر تم کیسے آؤ..... تمہیں کیا چاہئے کس کس پرستے موسم میں ایک دیوانی لڑکی تمہیں کس شہت سے یاد کر رہی ہے۔ جس نے چھڑنے سے کدو کی تھیلیاں میں نہیں اپنے دل سے یادوں سے کھینچ بیٹھیں گی مگر آج میں استغاف کرتی ہوں کہ میں نے وہ اپنی زندگی صاف سے بڑا جھوٹ بولا تھا۔

تمہیں کیا پتا تیور حسن تم تو میری یادوں میں، میرے دل میں زندہ ہو..... کڑے چار برس میں، میں نے بار بار اس پچھتاہیں کے بارے میں سوچا جو اداری جہاں کا باعث بنی۔ سارے تصور میرے ہی..... اپنے دل کی عدالت میں، میں ہی مجرم قرار دی..... تمہیں تو میرے دل نے باغزت طور پر بری کر دیا۔ میرا دل بھی تو میرا زار ہے..... بے ایمان نے کہا تھا تمہارا ساتھ دیا ہے مگر تم نے ایسا کیوں کیا تھا؟
میں تم نے میری بات نہ مانی..... تمہیں تو مجھے سے۔

نہایت کا دھوکا تمہاری بات مان لیتے تھے، مگر..... میں کتنی خوش ہوتی مگر..... آہ..... کتنی میرے لوں سے لگی..... میں نے اپنی سکتی تھیلیاں کڑکی کی ٹھٹھی پھوٹ کر نکال دیں۔ تیور حسن میں کیسے بخور میں پھنسی ہوں..... یوں بھی ہوتا ہے؟ حیرت ہے..... میں نے سر جھکا اور آنکھیں سوندھیں، ڈھیر سارے لمحے پیچھے مڑنے لگے۔

”بھئی مائی تم زور سے ہٹ نہ گایا کرو بال باہر چلی جاتی ہے۔“ میں اپنے چھوٹے بھائی نعمان کو بولتے کر دوا رہی تھی اور وہ اتنی زور سے ہٹ لگتا کہ بال بھی ساتھ والی کونسی میں چلی جاتی اور کبھی باہر مڑ کر پر اور مجھے ہی لانی پڑتی کہ وہ تو کرب نہیں چھوڑتا تھا۔

”چھر جو کچھ کچھ لگیں گے؟“ نعمان بولا۔
”تم ایک درون بنا لو۔“ میں نے کہا۔
”تم کا جلدی آؤٹ ہو جاؤں۔ نہ بایا نہ.....“

اس نے ہلا کر لیا۔
”لفظ تو ہم پر۔“ میں تھکتے ہوئے کوئی گیارہویں بار ہال اٹھائے گیٹ سے باہر نکلی تھی کہ ایک دم ہی گاڑی کے پیچے چر جائے تھے۔ میں کار کے لفٹ کے اوپر تھی۔ گاڑی رگ چکی تھی اور..... ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا غصے اترتا تھا۔

”نظر نہیں آتا۔“ میں نے غصے سے کہا۔
”نظر آتا ہے بھی تو آپ جگہ کی ہیں ورنہ.....“
”ورنہ کیا ہوتا؟“
”اوپر پہنچ چکی ہو تیں۔“

”آپ نے کوئی کسرو نہیں چھوڑی۔ وہ تو میں ایک کرب پوٹ پر بیٹھ گئی۔“ میں نے اپنی بھاری جگہ کی۔
”اور نونو بیٹھی ہیں۔“

”لیں اب تو خوش ہیں۔“ میں جلدی سے بونٹ سے اتر آئی۔ میری سیڑھی نظر سامنے سرک پر پڑی ہال پر پڑی میں نے بھاگ کر گیند اٹھا لی اور پھر اپنے کمر کے کھلے کیٹ میں کس گئی۔ ڈرامیو سے بے گیند میں نے لان میں مانی کی طرف اچھائی۔ اور اندر کی طرف بڑھی۔

”کوہر بھئی۔۔۔۔۔ نعمان پوچھ رہا تھا۔

”اب وہ نہیں ہے میرا۔“

”ہارٹی ہو نا۔۔۔۔۔“

”ایسا بھی نہیں ہے۔“ میں نے نعمان کو زبان چڑائی اور اندر آ گئی۔ اسی لاؤنج میں بیٹھی تھی اور منتر چھیل رہی تھی۔ میں ان کے پاس ہی بیٹھی۔

”تو نہیں تجھے کب عقل آئے گی؟“

”کیا ہو گیا ہے۔۔۔۔۔؟“ میں نے مڑ کر دانہ اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

”کون کہے گا تم کا کالج میں پڑھتی ہو۔۔۔۔۔ کبھی آنند کو دیکھا اس طرح کھڑے لگتے ہوئے۔“

”وہ تو ہمیشہ سے اچھی پتی ہے اسی۔“ میں نے

لاؤ سے کہا۔

”تم اچھی پتی نہیں بن سکتیں۔“ اسی نے مسکرا کر پوچھا۔

”بن جاؤں تو مائے گا کون، میں اسی طرح ٹھیک ہوں۔“

”دو پٹا کہاں ہے تمہارا؟“ تب میں نے اپنے گلے کو ٹٹو لاسر پر ہاتھ مارا گرد دو پٹا ہوتا تو ملتا۔

”شاید باہر رکھا ہو کیلئے ہوئے۔“ میں اٹھ کر تیزی سے باہر نکلان میں نعمان خود ہی گیند کو ہٹر لگا رہا تھا۔ پھر میں نے ہر طرف دو پٹا صوبڑا گلاب کی کیاریوں میں، انگریزی تیل پر شاید اڑایا ہو۔ پیل برش کے درخت کے منڈھ میں گرد پڑا ہوتا تو ملتا۔

”یقیناً باہر سرک پر ہوگا۔“ میں بھاگ کر باہر

آئی۔ گیند کھول کر دیکھا تو سرک خالی تھی اور دو پٹا دو تک نہیں تھا۔ پھر میں کندھے اچکا کر اٹھ آ گئی۔ کمر سے منہ ڈکھیں۔ دوسرا دو پٹا اوڑھا تھا۔

”آمنہ آیا آگئیں۔“

”راہ! چائے پیو گی؟“

”ہاں کل پیوں گی۔“

”پھر لاؤنج میں آ جاؤ۔“ آمنہ آیا کچھ

پلٹ گئیں۔

☆☆☆

”آج تمہاری دادی آ رہی ہیں۔“ اسی نے بتایا۔

”ارے واقعی؟“ میں خوش ہو کر بولی۔

”خوش تو ایسے ہو رہی ہو جیسے برسوں بعد دادی

کو دیکھو گی۔“ اسی نے کھوارا۔

”اسی برسوں بعد نہیں تو پورے دو ماہ بعد تو دادی

کو دیکھوں گی۔“

”ادندہ دادی کی چپٹیتی۔۔۔۔۔“ وہ سر جھٹک کر

بولیں۔

”اسی ایک بات تو بتائیں۔“

”کیا ہے۔۔۔۔۔؟“ اچھی بھئی وہ غصے میں تھیں۔

”کیا ہر صورت کو ساس بری لگتی ہے۔“

”کیا مطلب ہے۔۔۔۔۔؟“

”دادی کی آمد کی خبر آپ کے لیے پریشانی کا

باعث کیوں ہے؟“

”تم کچھ زیادہ بکواس نہیں کر لیں گیں۔“

”میں تو پوچھ رہی ہوں۔“ میں نے بے پروائی سے کہا۔

”جب تمہاری ساس ہو گی تو پوچھوں گی کہ نہیں

کتھا چھٹی گئی ہیں۔“

”میری ساس تو بہت اچھی ہوں گی۔“ میں

لپکت کر بولی۔

”راہ! کتنی بری بات ہے۔“ آمنہ آیا نے ٹوکا۔

”جیسی مستقبل میں ایک عدو ساس نے تو ہوتا

ہر بری بات کیا ہوئی بھلا۔۔۔۔۔“

”اس کے منہ مت لگا کرو۔ اس نے تو شرم کو

اپنے کی طرح اتار پھینکا ہے۔“ اسی نے غصے سے

کہا۔

”کہاں امی، دیکھیں دو پٹا تو میرے گلے میں

ہے اور سر پر بھی۔“ میں نے ایک پلوسر پڑا ڈالا۔ اسی

اس ویں کس کس کے علاوہ کیا کر سکتی تھیں۔

☆☆☆

وہ بہاری بہت خوب صورت شام تھی جب

ہواؤں کے رنگ پودے بھوم رہے تھے اور اس وقت

عشرت جہاں اپنے چھوٹے بیٹے آذر ابراہیم کے

ساتھ امیں۔ گاڑی کی آواز سن ہی رائی باہر پورج

میں آئی۔ لکڑی شرت جہاں سے لپٹ گئی۔

”کتنے دنوں بعد آئی ہیں دادی تم سے مجھے بہت

آزادی تھیں۔“

”مجھے پتا ہے تو بھی مجھے یاد آتی تھی۔“

دادی نے گلے سے لگایا منہ چومنا اور ہاتھ سے اندر

آگئیں۔ لاؤنج میں صوفے پر بٹھا کر۔ خود بھی ان

کے ساتھ بیٹھی۔

”السلام علیکم امی جان۔۔۔۔۔“ اسی لاؤنج میں

آئیں۔

”جیت رہو بھئی۔۔۔۔۔“ دادی نے

امی کو گلے لگا کر محبت سے ان کا کندھا چھپا کر نعمان

ہی آکر ملا۔

”آمنہ کو کھر ہے؟“ دادی نے پوچھا۔

”سو رہی ہے۔“

”اے لویہ وقت ہے سوئے کا، شام ہو رہی ہے

مصر کے بعد تو یوں بھی نہیں سوتا چاہیے حافظہ کروڑ ہوتا

میں۔“ دادی کی بات سن کر چپکے سے مسکرا دی جبکہ

امی چلبلا کر بولیں۔

”اماں جی آمنہ پونیڈر سے دیر سے آئی تھی۔

تھکی ہوئی تھی تو لیٹ گئی ہوں بخار تھا۔“

”بخار تھا تو نہ جانی۔“

”میں آپ کے لیے گرم گرم دودھ لاتی

ہوں۔“ امی وہاں سے ملنے لگیں تھی اڑیا پودو چھپتے

ہوئے اندر آئے۔

”السلام علیکم بھائی!“

”علیکم السلام جیتے رہو۔“ اسی نے محبت سے

کہا۔ ”عالیہ کی ہے؟“

”اے دن اور آپ کا کیا حال ہے؟“ چاچو

پوچھ رہے تھے۔

”بس اللہ کا شکر ہے، بیٹھو میں جائے لاتی

ہوں۔“ امی چکن کی طرف بڑھ گئیں جبکہ چاچو ہیں

لاؤنج میں دادی کے پاس بیٹھ گئے۔

”چاچو آپ زہنی کو کمی آتے۔۔۔۔۔“ میں نے

کہا۔

”بس اماں جی کا اچکا پے پروگرام بن گیا ورنہ

زہنی کو لے آتا۔“

”دادی کو تو کب سے بلا رہے ہیں پھر کیے

اچکا پے پروگرام بنا۔“

”اماں جی کو گئے دو روز ہوتے ہیں اور تم فون

کڑا کر شروع کر دیتی ہو کہ آجبا نہیں۔“ آذر چاچو

محبت سے بولے۔

”میں اداس ہو جاتی ہوں۔“ میں نے دادی

کے کندھے سے گال رگڑتے ہوئے کہا۔

”دادی کی جان، میں بھی بہت اداس ہو جاتی

ہوں۔“

”پھر آپ نہ جایا کریں“

”کیوں، اماں جی پر صرف تمہارا حق ہے۔“

چاچو نہیں کر بولے۔۔۔

”جی، میں زیادہ لاڈلی ہوتی ہوں کیوں دادو؟“
 ”بالکل سچ کہہ رہی ہے۔“
 ”زین کی بھی آپ سبھی سہیلی ہیں۔“ میں نے کہا۔
 ”میرے لیے تم سب میری آنکھیں ہو اور سب ہی برابر ہو۔“

”یہ بات نہیں ہوتی چاہیے دادو، آپ فیصلہ کریں کہ میں زیادہ پیاری ہوں یا زین۔“ میں نے نرموٹے انداز میں کہا۔
 ”مجھے آسانگی میں مت ڈالو بیٹا۔۔۔ تمہارا بھی پلڑا بھاری ہے اور زین کی محبت کا پلڑا بھی، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔“

”چائے چن کر رکھ آئی ہوں اٹھاؤ۔“ جمی اسی آسکھیں اور انہوں نے مجھے کہا۔ اسی نے روزنرک اور شای کباب نیز پر رکھے۔ ٹیلیں دادو اور چاچو کو پکڑائیں، میں نہ بھائی ہوئی چن میں آئی۔ چائے دھبی آج پر چولے پر دھری تھی۔ فلاسک میں چائے اٹھ لی، ٹرے میں کپ رکھے تھے وہ اٹھائے اور فلاسک اٹھا کر باہر آئی۔ دادو اور چاچو روٹ کھانے میں مصروف تھے، اسی بھی پاس بیٹھی تھیں۔ میں بھی ایک پلیٹ اٹھا کر شای کباب کھانے لگی۔

”چائے تو پوں میں ڈال دو۔“
 ”آپ اسے کھانے دیں، میں چائے ڈال دیتا ہوں۔“ آذر چاچو منے سے ذرا آگے ٹھکے۔

”ارے، بے دو میں ڈال دوں گی۔“ اسی نے خشک نظر سے مجھے گھورا اور فلاسک اٹھا کر چائے کیوں میں اٹھ بیٹھ لگیں۔ چائے کے بعد آذر چاچو اٹھ کھڑے ہوئے۔

”اب اجازت۔۔۔“
 ”اب جلدی انور تو آج آجائیں۔“ اسی نے کہا۔
 ”بھائی۔۔۔ مجھے سائیوال جانا ہے، میرے دوست کی برات وہاں بیچنے والی ہوگی۔“

”آپ کا دوست۔۔۔ اتنی عمر میں شادی کر ہے۔“ میں نے حیرت سے پوچھا۔
 ”یار کو ایک ہے میرا۔“ چاچو نے جھپٹ کر کہا۔
 ”اوہ۔۔۔ میں مسکرا دی۔“

”تھما جانے کی اجازت دیں۔ چاچو دادو کے سامنے جھکے تو انہوں نے سر پر ہاتھ پھیرا۔
 ”خاڑی آہستہ اور دھیان سے چلانا مگر بیچنے ہی مجھے ہونے کرنا۔“
 ”اب تو صبح ہی کر پاؤں گا دفن۔“
 ”جس طرح بھی ہو۔۔۔ کرنا ضرور۔۔۔ دادو نے تاکید کی۔“

”آپ مطمئن رہیں۔“ چاچو نے کہا اور پھر لاؤنج سے باہر نکل گئے۔
 ”بھو، ملائکہ نظر نہیں آ رہی۔“
 ”میکے کی۔“ مختصر آگیا۔
 ”اچھا۔۔۔ اچھا۔“

میں چاچو کا باہر تک چھوڑنے آئی تھی۔ بے شک چاچو کی میری اسی سے نہیں بنی تھی مگر مجھے اپنے چاچو اور دونوں بیویاں بہت پسند تھے۔ اسی کو خود واسطے کا بھر تھا۔ اب بھلا آذر چاچو نے اسی کی بہن عابدہ سے شادی نہیں کی تھی تو پھر عالیہ بیچی کا کیا قصور تھا۔ مگر اسی کو تو وہی جرم لگی تھیں۔ اس لیے کبھی چاچو کے کھر نہ خود چائیں نہ میں جانے دیتی البتہ دادو کی وجہ سے دونوں کھروں کے کینوں میں رابطہ رہا۔۔۔

کیونکہ دادو ہر وہ ماہ بعد آذر چاچو کے ہاں رہنے چلی جاتیں جو پھنکوں کی ٹیکسری میں ڈال کر کھرتے۔ زین اور جیدان کے دو بیٹے تھے عالیہ بیچی بہت محبت کرنے والی خاتون تھیں، وہ ہمارے ہاں ابھی جاتی تھیں مگر اسی تھیں کہ ماش کے آئے کی طرح آکر اسی ہی رہیں۔ دادو نے کی مرتبہ سمجھا یا تو۔۔۔
 ”میرے دھبی بیٹے ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ

”مل کر رہیں۔“
 ”تو میں کب علیحدہ کر دی ہوں انہیں۔“ امی ہلک کر کہیں۔
 ”دیکھو خالدہ تمہارے بس ہیں ہوتو یہ بھی کر لو وہ دادو اور اس معاملے میں تمہاری نہیں منتا۔“
 ”ہمیش میرے بارے میں غلط ہی سوچتا۔“
 ”آپ؟“

”میں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔۔۔“
 ”دادی بھی تا یوتو فضلہ جاری رکھیں اور تیرہ کوئی بھی نہیں اٹھا۔ کہ ایسے عورتوں کے جھگڑوں کا بھلا کب نتیجہ اٹھا ہے، یہ روز دئے ہوتے ہیں اور شام تک چرانے ہو جاتے ہیں۔“



رات کو کھانے کی میز پر سب ہی موجود تھے۔ سلمان بھائی کچھ خاموش تھے کہ دادو بول پڑیں۔
 ”تو کچھ نہ لیں رہے سلمان۔“
 ”ہاں تو ہے دادو، چاول میں کھار ہا ہوں۔“
 ”سلمان آہستہ سے بولا۔“

”میں دیکھ رہی ہوں کب سے تم کوچ بیوی پاؤں میں چلا رہے ہو۔“ دادو نے کہا۔
 ”دادو! کھائیں، بولے نہ کہیں سلمان بھائی کے۔۔۔“ میں نے فس کر کہا۔
 ”محل شریر۔۔۔ کوئی پریشانی ہے؟“ دادو پوچھ رہی تھیں۔

”میں تو دادو۔۔۔“ وہ آہستہ سے بولے۔
 ”بیوی کو لے آؤ تاکہ رکے تمہارا خیال۔۔۔“
 اسی نے یک دم کہا۔

”اسی ملائکہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“
 ”ہائے۔۔۔ ہائے کیا ہو؟“ دادو غرپ گئیں۔
 ”بعض عورتوں کی عادت ہوتی ہے خود کو بے ہادہ ظاہر کرنے کی، ہم نے بھی سچے پیدائے مگر پہلا

”مہینہ چڑنے پر اس طرح چار پائی نہیں پلائی قی۔“
 اسی نے غصے سے کہا۔
 ”اسی اسے ڈاکٹر نے کہا ہے۔“ سلمان بھائی منتہائے۔

”اے لو، ڈاکٹر تو بیوی کہتی ہیں پورے توبہ ستر پر پڑے رہو، مگر ہی اٹھ جائے گی بلکہ یہ سکنیٹ عورت کو چھلنا پھر اور اچکا کھانے کا کام ضرور کرتے رہتا چاہیے۔“ انکسرا ستر بیوی ہوتی ہے اور عورت بلی، چھلکی بھی رہتی ہے۔ تمہاری بیوی انوکھا بچہ پیدا کر رہی ہے۔“

”بہو کیوں بحث کر رہی ہو، ڈاکٹر نے کہا ہو گا تو سلمان کہہ رہا ہے۔۔۔“ دادو نے کہا۔
 ”اوہ نہ! امی نے سر جھٹکا۔“
 ”جب بیٹے پیادہ دیے جائیں تو دل بڑا کر لیتا چاہیے۔“ دادو مسکرائیں۔

”اور کتنا بڑا کروں اماں جی، ہر ہفتے تو بہو بیگم کے محلے چلی جاتی ہیں۔ میں نے کبھی کچھ کہا۔ روز فون پر کتنا گفتگو ماں بیٹی بات کرتی ہیں پھر کاہے کی ادا سی۔“
 ”وہ والدین کا اگلی اولاد ہے، ظاہر ہے اس کے ماں باپ اسے مس کرتے ہوں گے۔“ سلمان بھائی نے کہا۔

”ہر ایک کے والدین مس کرتے ہیں۔“ بس آج کل کی لڑکیوں کو چھلنے کرنے کی عادت ہے اور مردوں کو ناز اٹھانے کی۔“ اسی نے سلمان بھائی کی طرف دیکھا جو سر جھٹکا ہے بیٹھے تھے یہ ان کی شروع کی عادت تھی برات سر ہواٹے سننے منے سے ایک لفظ نہ نکالے اور اسی دل بھر کر اس کا تکیا۔۔۔ خردی ہوئے انہوں نے پلیٹ پر کھسکا کی اور اٹھ کر ڈانٹنگ روم سے نکل گئے۔
 ”کھانا تو کھاؤ بیٹا۔“ دادی کا دل دہلا۔

”شہر رنگ آنکھوں والی لڑکی۔“ میں نے جلدی سے ڈریسنگ کے بڑے سے شے کے قریب جا کر اپنی آنکھوں کو دیکھا۔ مجھے تو ان میں کوئی خوب صورتی نظر نہیں آ رہی تھی مگر تیسورسن نے چند لمحوں میں میری آنکھیں بھی دیکھ لی تھیں۔ اسے یہ آنکھیں خوب صورت لگی تھیں، وہ۔

”چلو بے وقوف بناتے ہیں۔“ میں نے سوچا۔ ”اگر خود بے وقوف بن گئی تو۔“ دل نے کہا۔ ”ناممکن۔ ایسا بھلا ہوسکا ہے ہم اتنے نادان تو نہیں۔“ میں نے دل کو تھکڑا کر۔ میں نے دیکھا موبائل میں صرف ایک نمبر ہی save تھا اور یقیناً وہ تیسورسن کا نمبر تھا۔ میں نے فون کر دیا۔ دوسری تہل پر کال انشیدو کر گئی۔

”اس گنٹ کا شکر ہے۔ کیا واقعی آپ لائبہ کو جانتے ہیں؟“

”میں نے صرف تنکا مارا ہے میں اس نام کی کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔۔۔۔۔۔ تیسورس۔“

”آپ بے حد بے ایمان ہیں۔“ میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

لاؤنج میں داوونجی آڈر چاچو سے فون پر بات کر رہی تھیں۔ میں بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھی آمنہ آچاچے بنا کر لے گئی۔

”جیو یار بڑا موڈ ہو رہا تھا چاچے نے کہنے کا۔“ میں صوفے سے اٹھ کر اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

”کبھی خود بھی ہاتھ پیر چلا لیا کرو۔۔۔۔۔۔ ای کی کو تو مجھ سے خدا واسطے کا پتہ۔“

”میں نے شرارت سے کہا۔“

”اور کیا۔۔۔۔۔۔ ای ابھی اپنی رانیہ چھوٹی تو ہے۔“

”ہا نہیں کوئی بک ہے شاید۔“

”کھولو تو کبھی اتنی خوب صورت پینٹنگ ہے۔“

”نہ کہا۔“

”پھر کھول لوں گی تم باؤلنگ کر آؤ۔“

”میں نے اکیڑی جانا ہے دیر ہو جائے گی۔“

”مالی نے گیند میرے ہاتھ میں پکڑائی اور اندر چلا گیا۔“

”میں نے بھی وہ پینٹ اٹھایا اور اندر آ گئی۔ اپنے کمرے میں اس آکر بیٹھ پر پینٹ چھینک دیا۔ میں عجیب سی شش و پنج میں تھی۔“

لائبہ میری کلاس فیلو ضرور تھی مگر اتنی بھی دعا ملازم نہیں تھی کہ مجھے گنٹ پیسے۔ میں انتہائی پریشان تھی۔ میں کل کالج جاؤں گی اور لائبہ سے پوچھوں گی۔ میں بے سوچ کر مطمئن ہوئی اور پھر بیٹھ پر پیسہ کرکود میں پینٹ رکھ کر کھولنے لگی۔ دیر ہو کھولنے پر اس میں سے ایک ڈبا نکلا۔ ڈبے میں اوپر ہی ایک کارڈ تھا اور

چپے۔ میری حیرت سے آنکھیں ایک بار کھلیں اور

میں شش دی۔ ڈبا کھولا تو اس میں موبائل میز دو ڈبا اور

انجائی خوب صورت کارڈ تھا۔ جس پر گلابوں کے

درمیان لکھا تھا ”آئی مس یو“ اور اندر لکھا تھا۔

”اے شہر رنگ آنکھوں والی لڑکی بھرک میری

گوازی کے یونٹ پر ایک کرکٹسٹو اور اپنا دوپٹا چھوڑ

ہاؤ کی۔ تیسورسن۔“

”ناب گاؤ۔۔۔۔۔۔ یہ اس دن کی ہے وقوفی ہے جو

اچھے خوب صورت انڈا میں واہن کی گئی ہے۔“

ساتھ ہی ڈریسنگ کارڈ بھی تھا جس کے پیچھے لکھا تھا۔

”خوب صورت آنکھوں والی لڑکی اگر مجھے فون

کر تو زندگی حسین ہو جائے۔“

”فون کروں؟“ میں نے سوچا مگر وہ کیا سوچے

گا میں کسی لڑکی ہوں۔ سوچتے دو وہاری کون ی رشتے

دار کی لٹنے والی ہے۔ ایڈو پھر گئی تھی۔ مجھے عجیب سی

فری محسوس ہو رہی تھی۔“

”کون محسوس آ گیا۔۔۔۔۔۔“ میں نے زور دیا ہٹ

لگائی تھی۔ نعمان گیٹ پر چلا گیا، میں بھی بیٹ اٹھا۔

اس کے پیچھے چلی۔۔۔۔۔۔ بغیر اس احساس کے کہ دوپٹا

میری کمرے سے بندھا ہے بغیر سڑھا چنے تھی میں۔ مانی

۔۔۔۔۔۔ دروازہ کھول چکا تھا سامنے وہ گاڑی والا موجود

تھا ہاتھ میں پینٹ لیٹے اور مانی اس سے پوچھ رہا

تھا۔

”کس سے ملنا ہے؟“

”ان سے۔۔۔۔۔۔“ اس نے میری طرف اشارہ کیا

مانی نے گھوم کر اپنے پیچھے دیکھا۔

”رانیہ سے ملنا ہے؟“

”جی جی۔۔۔۔۔۔ وہ گزربو آکر بولا۔

”رانیہ تم سے ملنے آئے ہیں۔“ مانی نے کہا۔

”مگر آپ کون ہیں؟“ میں آگے بڑھی۔

”میں لائبہ کا بھائی ہوں۔“ اس نے خود کو کیونکر

”لائبہ۔۔۔۔۔۔“ میں نے ڈکھرایا۔

”وہ۔۔۔۔۔۔ وہ آپ کی کلاس میں پڑھتی ہے۔“

”ہاں۔۔۔۔۔۔ لائبہ میری کلاس فیلو ہے مگر اس

سے میری ایسی دوستی تو نہیں کہ وہ آپ کو میرے گھر بھیج

دے۔“ میں حیران پریشان سی گیٹ پر کھڑی تھی۔

”یہ پینٹ اس نے آپ کے لیے کیجا ہے۔“

”میرے لیے کمر۔ کیوں؟“

”مجھے کیا پتا۔“ مجھے تو اس نے کہا میں نے

”آیا۔“

”لائبہ۔۔۔۔۔۔“ میں نے ہاتھ بڑھایا اور وہ پینٹ

لے لیا۔

”اسکے میں کھولے گا۔“ اس نے میری طرف

چمک کر سرگوشی کی بھڑتی سے مڑا اور پینٹ کمرنگ

کنارے کھڑی کار میں جا بیٹھا۔ میں نے گیٹ بند

کیا۔

”کیا ہے رانیہ۔؟“ نعمان پوچھ رہا تھا۔

”میں کھانا کھا چکا ہوں۔“ سلمان بھائی یہ کہتے

ہوئے ڈائننگ روم سے باہر چلے گئے۔ مجھے بہت دکھ

تھا کہ بھائی نے واقعی کچھ نہیں کھایا تھا مگر ای کی تو یہ

عبادت ہی تھی پھر پریشان ہوئے کیا بات تھی؟ مجھے تو

بکھی ڈائنٹ پڑتی تو بھی ڈٹ کر کھائی بھلا کھانے سے

کیا ناراضی۔۔۔۔۔۔ اور یہی اب دادو کبہر تھیں۔

”کھانے سے کیا ناراضی اور یوں بھی بہو

کھاتے وقت بچوں کو نہ کراؤ۔“

”اماں جی آپ بھی نا۔۔۔۔۔۔ اب وہ بچہ نہیں

بلکہ بچے کا باپ ہونے والا ہے انیسے غریب تو میں نہیں

اٹھا سکتی۔“

”اچھا ابھی چھوڑیں فضول بحث کو دادو یہ کفتوں

کا ڈنگ کو میری طرف بڑھا میں، سلمان بھائی کے

صے کا بھی کھالوں۔“ میں نے کہا۔

”میری ہی رہنا بیٹھ۔۔۔۔۔۔ ای نے کھرکا مگر

مجھے کب پر دیا۔“

”مونی ہو گئی تو کوئی پیسہ کبھی نہیں بیٹھی رہتا

میرے سینے پر موبوٹ دلنے کے لیے سدا۔“ ای نے

ٹھٹھے سے کہا۔

”کھانے پینے پر مت ٹوکا کرو خالدہ ابھی بچی

ہی تو ہے۔ کھاؤ میرا کچھ۔۔۔۔۔۔ داوی نے ڈنگ میرے

سامنے کر دیا اور میں نے اطمینان سے سنان پلٹ میں

ڈالا۔ ای کی طرف دیکھا بھی نہیں کہ لاڑنا وہ دیکھ رہی

تھیں۔

☆☆☆

میں ادنیان ڈرائیو دے پر کرکٹ کھیل رہے

تھے لان میں داو، مانی سے سر میں تیل گوارہی

تھیں۔ میں کر رہی تھی جبکہ نعمان بال ٹنگ کر رہا تھا۔

جانی سر دیوں کی دھوپ میں تھیں نہ ہونے کے برابر تھی

اور بہت مزہ آ رہا تھا۔ نعمان نے بال بیٹنگ کی تھیں

بچی۔

112

ماہنامہ مہمان کپڑہ۔ جون 2012ء

کیاری میں بیٹھی ابکائیاں لے رہی تھیں۔

”بھابی طبیعت تو ٹھیک ہے۔“ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور اشارے سے کہا۔ میں ہانڈی دیکھ لوں۔

”میں نے چو لھا بند کر دیا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”گڈ۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

”زیادہ طبیعت خراب ہے تو ڈاکٹر کے پاس چلیں۔“

”نہیں میری جان..... آئی ایم آل رائٹ تم پریشان نہ ہو۔“ بھابی نے میرا گال تھپتھپایا اور بچن کی طرف بڑھ گئیں۔

”آپ اپنے کمرے میں جائیں، میں سالن پکالتی ہوں۔“ میں نے کہا۔

”آنٹی ناراض ہوں گی۔“

”انہیں کون بتائے گا کہ سالن کس نے بنایا ہے۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔“

”مسلمان کے لیے پڈنگ بھی بنانی ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”حاضر سائیں.....“ میں نے سر جھکا کر کہا تو وہ ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئیں میں بچن میں آگئی۔ چو لھا

جلایا۔ گوشت تقریباً بھن چکا تھا میں نے ہلکا سا پانی ڈال کر شور بہ تیار کر لیا۔ میں انڈے پھینٹ رہی تھی

کہ امی آگئیں۔

”ملائکہ کہاں ہے؟“ امی نے پوچھا۔

”اپنے کمرے میں طبیعت خراب تھی تو.....“ میں نے بتایا۔

”اور تم کھانا پکا رہی ہو۔“

”تو کیا حرج ہے، میں اتنی پھوہڑ بھی نہیں ہوں۔“ امی نے گھور کر مجھے دیکھا اور تیلے کا ڈھکن ہٹا

کر دیکھتے ہوئے بولیں۔

”یہ کیا پکایا ہے؟“

”کوئی چھوٹی نہیں ہے، اپنے ساتھ کام میں لگاؤ اگلے گھر جائے گی تو مجھ پر سوسو باتیں ہوں گی۔“

”اگلے گھر کی دھمکی ضرور دیا کریں امی وہاں کیا سب بھیڑیے ہوں گے..... جو مجھے چر بھاڑ ڈالیں گے۔“ میں نے کہا۔

”بکواس کیے جانا، چلو اٹھو آمنہ کے ساتھ کام کرو، طلحہ رات کا کھانا ہمیں کھائے گا۔“ امی نے مجھے گھر کتے ہوئے کہا۔

”چائے تو پینے دیں اور ہاں امی طلحہ بھائی کیوں آرہے ہیں؟“

”اے لو کتنے دنوں کے بعد تو وہ آرہا ہے۔“

امی نے چمک کر کہا۔

”میں نے تو یونہی پوچھا ہے، آپ تو خفا ہونے لگیں۔“ نہ جانے کیوں میری آنکھوں میں نمی

اتر آئی۔ میں اٹھ کر باہر جانے لگی تو امی نے بلایا۔

”آمنہ کے ساتھ کام ہی کروالو ہر وقت شتر بے مہار بنی پھرتی ہو۔“ میں نے پلٹ کر دیکھا۔

”آمنہ آپا کا منگیترا آرہا ہے نہ کہ میرا وہ خود ہی اجتماع دل سے کریں گی اور اچھا کریں گی آپ فکر مند

نہ ہوں۔“ میری بات پر داؤد ہنس دیں جبکہ امی کی پیشانی کے بل کچھ اور بڑھ گئے۔

”بڑی زبان چلتی ہے رانیہ تمہاری کسی دن کاٹ کے رکھ دوں گی۔“ میں نے امی کے جملے کی پروا

نہیں کی ایسی دھمکیاں میں بچپن سے سنتی آئی تھی اس لیے ایسی دھمکیوں پر کڑھنے کا کوئی بھی فائدہ نہیں تھا،

میں باہر لان میں چلی آئی۔

☆☆☆

میں اپنے لیے اسکواش بنا رہی تھی۔ ملائکہ بھابی بچن میں ہانڈی بھون رہی تھیں کہ یک دم ہی وہ بچن سے باہر نکل آئیں انہیں ابکائیاں آنے لگی تھیں۔ میں

نے جلدی سے چو لھا بند کیا اور ان کے پیچھے لپکی وہ

”کیا ہوا ملائکہ کو۔“ سلمان بھائی پریشان ہو گئے۔

”بس بھئی سب کام نہ کرنے کے یہاں ہے۔ سن لو سلمان بس ایک بچے کے بعد اور کی گنجائش نہیں ہے۔“

”کیا کہہ رہی ہو بہو۔“

”میں ایسے نازخروے نہیں اٹھا سکتی۔“ امی نے ہاتھ اٹھا کر صاف جواب دیا۔ سلمان پریشان نظروں سے ماں کو اور کبھی دادی کو دیکھنے لگے پھر جلدی سے چائے کاگ ادھورا چھوڑ کر اٹھ گئے۔

”دیکھ لو کچا منہ کو آگیا.....“ امی! سلمان بھائی کو تیزی سے جاتے دیکھ کر بولیں۔

”بیوی ہے اس کی آخر، وہ خیال نہیں کرے تو اور کون کرے گا۔“ دادو نے بھی سلمان کی طرف داری کی۔

”میں تو کہتی ہوں جب تک بچہ نہیں ہوتا ملائکہ اپنے میکے ہی رہے۔ مجھے فضول سی ٹینشن ہوتی ہے اس کی ادا میں دیکھ کر۔“

”ای اب ایسی بات بھی نہیں وہ...“ میں نے کہنا چاہا۔

”کواس کرتی ہو، میری اماں نہ بنو اور دفع ہو جاؤ۔“ امی نے مجھے گھورا تو میں نے ٹرے اٹھائی۔

”خود پکالیں جو پکانا ہے، میں چلی پڑھتا ہے میں نے.....“ میں نے غصے سے کہا اور پاؤں پیختے ہوئے اندر آ گئی۔

”کچن میں مجھ سے پہلے آمنہ آپا موجود تھیں۔ حلیف پر میں نے ٹرے پھینکی۔“

”یہ تو بتائیں امی میری سگی ماں ہیں یا.....؟“ آمنہ آپا ہنسنے لگیں اور میں تیزی سے کچن سے نکل آئی۔

”سالن ہے چکھ کر دیکھ لیں مٹن ہے۔“

”وہ تو دیکھ رہی ہوں اس میں پالک ڈالنی تھی۔“

”چلیں اب ڈال دیتی ہوں پالک کا کیا ہے۔“

”گوشت کا قیمہ بن جائے گا۔“

”پالک ابال کر ڈال دیتی ہوں۔“ میں نے حل پیش کیا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے.....“ امی نے ڈھکن زور سے پتیلے پر مارا اور بولیں۔

”دادی کے لیے چائے بنا لاؤ، وقت بے وقت انہیں چائے کی ہڑک اٹھتی ہے۔“ منہ بتاتی امی پر مجھے ہنسی آرہی تھی مگر میں نے بہت مشکل سے ہنسی ضبط کی۔

چائے بنا کر دو گلوں میں انڈیلی کہ میرا ارادہ بھی تھا دادی کے ساتھ چائے پینے کا۔ باہر آئی لان میں تو اسی وقت سلمان بھائی بھی آگئے انہوں نے کارپورج میں روکی اور اپنے کمرے میں جانے کے بجائے لان میں آگئے جہاں دادی اور امی بیٹھی تھیں۔

”السلام علیکم دادو۔“ سلمان بھائی بولے۔

”وعلیکم السلام جیتے رہو.....“ دادی نہال ہو گئی تھیں۔

”چائے پیئیں گے بھائی.....؟“ میں نے پوچھا۔

”نیکسی اور پوچھ پوچھ.....“ وہ لان چیئر پر بیٹھ گئے۔ میں نے میز پر ٹرے رکھی۔

”ارے تم اپنے لیے چائے لائی ہو۔“

”نہیں بھائی، دو کپ بن گئے تھے آپ کا اسیب۔“

”دانے دانے پر مہر ہوتی ہے۔“ دادو نے محبت سے کہا۔

”جیکم کی بھی خبر لو۔“ امی نے کہا۔

☆☆☆
اپنے کمرے میں آکر میں نے دروازہ بند کیا اور پھر تیسرے کونوں کر دیا۔ وہ جیسے منتظر ہی تھا۔
”رائے میں تین دن سے تمہارے فون کا انتظار کر رہا تھا۔“
”کیوں، آپ کو کوئی اور کام نہیں ہے۔“
”بہت کام ہیں مگر آنکھوں کے سامنے سے وہ چہرہ جٹا ہی نہیں کر کوئی اور کام کروں۔“
”کون سا چہرہ.....؟“ میں نے خوشی سے پوچھا۔

”تمہارا چہرہ.....“
”اچھا..... میں نہیں دی۔“
”کیا کر رہی تھیں.....؟“
”ابھی تو میں بہت غصے میں تھی۔“
”میں سمجھا نہیں..... وہ حیران تھا۔“
”بس اس کی ذرا فٹ پڑ جائے تو پھر غصہ.....“
میں نے جملہ ادھر اچھڑو دیا۔
”آسان کچھوئے لگتا ہے۔“ تیسرے ہنسا۔
”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔“
”اچھا چھڑو کب مل رہی ہو؟“
”اب تم بات چہرہ پہنچانے لگے۔“
”منا ضرور ہے کیا؟“
”تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“
”تو اب بیٹھے بھون رہے ہیں، باتیں ہی تو کر رہے ہیں ہم۔“
”میں نہیں سامنے بٹھا کر دیکھنا چاہتا ہوں۔“
”تینوں سامنے بٹھا کے شراب“
ایہ میرا جی کر دیا“
تیسرے دروازے سے دیا۔
”یہ شعر تو کچھ بھنا چاہیے تھا۔“

مجھے کوئی شرم نہیں دیتا آتی۔“ میں نے بتایا۔
”ایک بار سامنے تو آؤ۔“ وہ خوش ہوا۔ ”خجود شرنا لگو کی۔“
”اتنی خوش بھی میں بھی نہ رہیں۔“
”پھر مل رہی ہو؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔
”بھئی کیسے ممکن ہے؟“
”کیوں نہیں ممکن بندہ فاصلہ تو کرے۔“
”دیکھیں میں بھی کیسی نہیں نہیں گئی۔“ میں نے بتایا۔

”اب ہمت کرو۔“ تیسرے کہا۔
”ہمت تو مجھ میں بہت ہے۔“
”پھر کیا مسئلہ ہے؟“
”بس میں ملنا نہیں چاہتی۔“
”وجہ.....؟“
”بس میرا سوڈ نہیں ہے۔“
”یاد رکھنا دوڑانی..... ہم دوست ہیں نا؟“
”جانتی ہوں۔“
”آخر تم اپنی باتیں کرتے ہیں تو.....“
”یعنی جس سے بات کر لی جائے وہ دوست ہوا۔“

”پھر کیا ہوتا ہے؟“
”دوست ہوتا نہیں رہا بات کرنے والا۔“
”خیر اصرار کر دیا فراز کے شعر کا۔“ تیسرے نے کہا۔
”میں نے اپنے مطابق تبدیلی کی ہے.....“
”میں نے نہیں کر کہا۔“
”اچھا تم سوچو۔“ تیسرے بولا۔
”اوکے۔“
”پہلے وعدہ کر دو لوگی۔“ وہ بے چینی سے بولا۔
”وعدہ نہیں دیکھوں گی۔“ میں نے جلدی سے فون بند کر دیا کچھ بوریت ہونے لگی تھی۔ فون نیچے

میں نے رکھ کر میں باہر آئی تو آمنہ آپا کھانا میز پر رکھی تھیں۔ سب ہی میز پر موجود تھے مسلمان بھائی اور بھائی نہیں تھے۔
”رائے جاؤ مسلمان کو بلاؤ اور ملائکہ کا کھانا اوپر لے آؤ۔“ دادو نے کہا۔
”کوئی ضرورت نہیں ہے، مچن میں جا کر ملائکہ لے آؤں گی۔“ ای چنگ کر بولیں۔
”بوروہ پیار ہے۔“ دادو نے کہا۔
”آپ اس کمرے میں میرے طور طریقے چلنے دیکر باں بھی۔ آنے والے کل کو میں نا نہیں اٹھا سکتی۔“

”نوافر تہی کچھ کہو۔“ دادو نے دوبارہ دہرائی دی۔
”ماں جی آپ کھانا کھا لیں یہ خالہ کا ہینڈ ہے۔“ بابائے نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا تو دادو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
میں بچن میں آئی ملائکہ بھائی اور مسلمان بھائی کے لیے سامن ڈونگے میں نکالا..... پڈنگ کباب اور چاول بھی فرسے میں رکھے..... چپا تیاں ہاٹ پائٹ سے نکال کر رومال میں پھینیں اور جلدی سے بچن سے لگ آئی مبادا می نہ آ جائیں۔

دروازے پر دستک دے کر میں اندر گئی تو ملائکہ بھائی بستر پر بٹھ حال پڑی تھیں جبکہ مسلمان بھائی پریشان سے رانگ چتر پہنچے تھے۔
”بھائی کھانا کھائیں اور بھائی آپ..... میں نے لے کر میز پر رکھی۔“
”مسلمان کھائیں، مجھے بالکل خواہش نہیں ہے۔“
بھائی نے کہا۔
”آپ جو کہیں میں پکا دیتی ہوں۔“ میں نے کہا۔
”بس گڑیا بٹھ مہربانی.....“ بھائی مسکرائیں۔
”پھر بھی کچھ تو لیں نا.....؟“

”جھالے لوں گی۔“
”بھائی آپ بھائی کو ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔“
”ہاں یہی سوچ رہا ہوں۔“
”پہلے کھانا کھائیں پھر چلے جائے گا۔“ میں نے رے فرینچ سے پانی کی بوتل نکال کر میز پر رکھی اور باہر نکل آئی۔

☆☆☆
موسم بہت خوشگوار تھا۔ میں بیرون پر کھڑی باہر سرک پر گزرتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی اور کبھی آسمان کی طرف دیکھنے لگتی تھی چاہ رہا تھا کہ ایک دم بارش ہو مگر دل کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ بھی آمنہ آپا آ گئیں۔
”کیا کر رہی ہو رائے؟“
”موسم اچھا ہے کر رہی ہوں۔“
”اچھا..... وہ جیسے پڑ پڑے گئیں۔“
”آپا ایک تو طبع بھائی بھی عجیب ہیں۔“ میں نے کہا۔
”کیوں بھلا.....؟“ آمنہ آپا حیرت سے بولیں۔

”بھئی آپا کریں بھانے بھانے سے..... آپ کو گھمانے لے جائیں۔“
”پھر کیا ہوگا؟“ وہ مسکرائیں۔
”میں بھی ساتھ لنگ جاؤں گی اور کیا ہوگا۔“
”طلحہ بہت شریف انسان ہیں۔“
”جی ہاں، ہانی کے تو منگیتروں کی قاتلوں میں تصویریں لگی گئی ہیں۔“
”تم منگیتی کر دالو تو.....“
”رہنے دیں اگر میرا منگیتروں بھی طلحہ میری جیسا سڑیل ہوا تو.....“
”طلحہ سڑیل تو نہیں۔“

”مجھے تو لگتا ہے۔“

”اب تم سے کون بحث کرے۔“ اسی وقت میرے فون کی بپ ہوئی۔

”یہ..... یہ سیل فون کہاں سے آیا.....؟“

حیرت سے آندہ آپانے پوچھا۔

”وہ..... وہ ملائکہ بھائی نے دیا ہے۔“ میں نے فون آف کرتے ہوئے استاد سے کہا۔

”کیوں.....؟“ آندہ آپانے پوچھا۔

”انہوں نے دویم والا فون لیا ہے تا تو یہ مجھے دے دیا۔“ میں نے بتایا۔

”کب لیا انہوں نے؟“ آندہ آپانے غلی انداز میں پوچھا۔

”یاران کے بھائی نے دیا ہے شاید تو آج مجھے کہنے لگیں کا فون پڑے ہے لہو تو میں نے لے لیا۔“

”اور تم کہاں سے لی؟“

”وہ بھی انہوں نے لا کر دی تھی..... اب آپ امی کو نہ بتا دیجیے گا۔“

”یہ غلط حرکت ہے رائیہ.....“ آندہ آپانے کہا۔

”کیا غلط ہے سارے جہاں کی لڑکیاں سیل فون لے کر پھر رہی ہیں۔“ میں نے کہا۔

”ان کے والدین کی پریشان ہوئی ہے۔“

”مجھے میری بڑی بھائی نے دیا ہے۔“

”مگر غلط ہے یہ..... انہوں نے کہا جاتا تو میں نے بات کاٹ کر کہا۔“

”اب آپ مجھے صحیح کا درس مت دیں۔“

میں نے منہ بنا کر کہا اور آندہ آپا کو ہیں چھوڑ کر نیچے آگئی۔ تیسروں کو بھی اسی وقت فون کرنا تھا۔ میرے فون پر سوائے اس کے اور کوئی فون آتا ہی نہیں تھا۔

میں ملائکہ بھائی کے پاس آئی کہ مجھے بتا تھا آندہ آپا نے امی کو یہ بات ضرور بتانی ہے۔

☆☆☆

”پلیز بھائی آپ میری عزت رکھ لیں۔“ میں نے ملائکہ بھائی سے اپنی انداز کر کہا۔

”چلو جس طرح تم کہہ رہی ہو وہی کہہ دوں گی..... مگر مجھے تو بتانا ہے فون آیا کہاں سے؟“ شری کی مسکراہٹ ان کے لبوں پر پھیلی ہوئی تھی۔

”وہ..... وہ تیسور حسن نے دیا ہے۔“ میں نے سر جھکا کر کہا۔

”کیوں ہیں یہ حضرت.....؟“

”آری میں سمجھ رہے۔“

”تجہاری ملاقات ہوئی.....؟“ ملائکہ بھائی نے پوچھا۔

”مزنوں پر.....“

”ظاہر ہے سڑک پر ہی ہوئی ہوگی۔“ ملائکہ بھائی نے فحش کر کہا۔

”پلیز بھائی یہ بات اپنے تک ہی رکھیے گا۔“

”دیکھو رائیہ تم مجھے تھکس پاؤ گی، میں سلمان کو بھی نہیں بتاؤں گی کہ..... مگر تم میری چھوٹی بہن کی طرح ہو، یہ باتیں اچھی نہیں ہوتیں۔“

”بھائی میری تو صرف فون تک ہی دوستی ہے میں کسی اس سے نہیں ملی۔“

”اسے کو شرافت سے رشہ پیجیے۔“

”میں ابویں کہہ دوں..... ابھی تو میں نے ماسٹر کرنا ہے۔“

”پھر یہ سلسلہ ختم کرو۔“ وہ بولیں۔

”ہاں، یہ ہو سکتا ہے۔“ میں نے کہا تو مجھے لگا جیسے میرے اندر رکٹ سے کوئی چیز ٹوٹ گئی ہو..... جیسے چوڑی نوٹھی ہے۔“

”کہیں تم تیسور سے محبت تو نہیں کرتے لگیں۔“ بھائی نے میرے پھرے کی طرف دیکھا۔

”نہیں..... نہیں تو بھائی.....“ میں گڑبائی۔

”پھر تمہارے پھرے کا رنگ کیوں پیکا پڑ گیا۔“

”آپ کا وہم ہے۔“

”دینے کچھ جذبہ ایسے بھی ہوتے ہیں رائیہ جو انداز تر جاتے ہیں اور بندے کو فخر ہی نہیں ہوتی اور ایسا جذبہ محبت کا بھی ہوتا ہے۔“ ملائکہ نہایت روشی سے کہہ رہی تھیں اور میں بس حیران تھی۔

☆☆☆

ملائکہ بھائی اور سلمان بھائی ڈاکٹر کی طرف ہمارے تھے تو میں بھی چل دی کہ دو روز سے میری اڑاڑ میں ہلکا ہلکا درد تھا۔ امی سے اجازت لے لی۔ کلینک پہنچے تو ڈاکٹر کے پاس رش تھا..... ملائکہ امی کا کسی کی ڈاکٹر کے پاس جلی نہیں اور میں کو ریڈر میں کسی پر بھیجی تھی۔ سلمان بھائی نے جانے کہاں چلے گئے تھے۔ پتھی میں نے دیکھا تیسور تیزی سے آ رہا تھا، مہل حیران ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی مگر وہ ناک کی سیدھ میں چل رہا تھا۔

”تیسور.....!“ بے ساختہ میں نے نکارا تو وہ ایک دم چلا..... اور مجھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ ہمارے قریب آیا۔

”تم..... تم رائیہ.....“ مارے حیرت کے اس کی آواز نہیں کل رہی تھی جبکہ اس کی آنکھوں میں بے ہوشا چمک تھی۔

”یہاں کیسے.....؟“

”وہ بھائی کے ساتھ آیا ہوں اور تم.....“

”میرا ایک دوست ایڈمٹ ہے، اسے دیکھنے آیا ہوں۔“

”پھر دیکھو اسے۔“

”تم سے زیادہ اہم نہیں ہے۔“ وہ کڑی پریشہ لگا۔

”اب تم جاؤ سلمان بھائی آتے ہوں گے۔“

میں نے گھر کر کہا۔

”آئے دو، بھایا میں کیا.....“ وہ شٹی..... ہوا۔

”یہ جرم ہو گیا۔“ میں نے کہا۔

”تو بہت برا جرم ہے۔“ اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

”اچھا تو پھر میں جارہی ہوں۔“ میں نے آگے قدم بڑھایا تو تیسور نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ مجھے لگا جیسے میرا پورا وجود جھٹکوں کی زد میں ہو۔

”اس طرح تو نہ کرو رائو..... مجھے اپنی آنکھوں کی پیاس تو بجھانے دو۔“ اس کا لہجہ بے سیاست بھرا تھا۔

”پلیز تیسور.....“ میں منمنائی..... تو اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور میں بھاگ کر ڈاکٹر عفت کے کمرے میں گھس گئی جہاں ملائکہ بھائی گئی تھیں۔ تیسور نے میرا ہاتھ کھینچا تھا۔ مجھے اس کا س بار دیکھا ہا تھا۔

..... میرے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوتی جارہی تھی، پھر تیسور میری رگ رگ میں سا مٹا چلا گیا۔ اسے سوچنا مجھے اچھا لگتا کہ اگر پھر قدرت کو بھی شاید مجھ پر ترس آگیا۔ ایک روز وہ ظہر کے ساتھ ہمارے گھر آگیا۔

میں اسے اچانک دیکھ کر حیران تو ہوئی..... بعد میں پتا چلا کہ ظہر اور وہ پرانے دوست ہیں۔ ایف ایس تک ایک ساتھ پڑھتے رہے پھر تیسور امی میں چلا گیا جیسے خطہ نے ایم بی اے کر لیا۔ بابا جان سے تیسور کی اچھی بہن ہو گئی کہ بابا جان ریناز ڈاکٹر تھے اور ان دنوں اپنا پتہ بکس کر رہے تھے۔

اب اکثر شام کو تیسور ہمارے گھر آ جاتا، بابا جان کے ساتھ اس کی خوب عتیق ان کے ساتھ تیسور شطرنج کھیلتا اور ڈرائنگ روم سے آتے اونچے اونچے قہقہے مجھے اونچے اونچے خواب دیکھنے پر مجبور کر دیتے۔

زندگی نہایت سبک رفتاری سے گزر رہی تھی کہ ایک دم ہی ظہر اور آندہ آپا کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ انہی دنوں ملائکہ بھائی کے ہاں عبادت کے جنم

ملائکہ بھائی کی زندگی.....

جون 2012ء.....

ملائکہ بھائی کی زندگی.....

جون 2012ء.....

ملائکہ بھائی کی زندگی.....

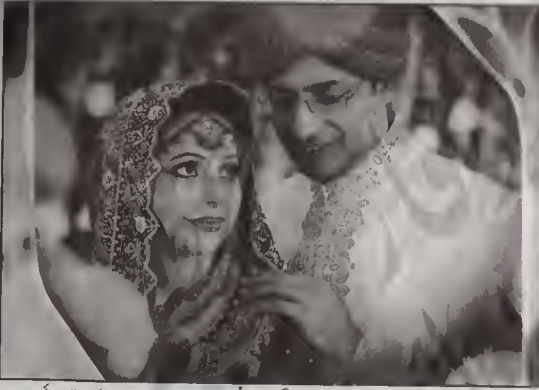
جون 2012ء.....

ملائکہ بھائی کی زندگی.....

جون 2012ء.....

ملائکہ بھائی کی زندگی.....

جون 2012ء.....



پاکیزہ کی قادی عارفہ قادی شادی جناب ونگر مظہر دانش مندی کے بیٹے شاہ زیب کے ساتھ ہوئی

”سوچ لو ایسے فیصلے یک دم نہیں کیے جاتے۔“
 ”فیصلہ یک دم ہی ہوتا ہے اسی..... آریا
 پار۔ اب میرے سامنے تیور کا نام نہ لیا جائے ورنہ
 میں خود کو ختم کروں گی۔“ اسی بھانپتا مجھے دیکھتے لگیں۔
 پھر میں آذر چاچو کے ہاں گوہر انوالہ چلی
 آئی۔ زہنی کے ساتھ میں بھی میرے دل کی اداسی نہ
 گئی۔ آخر سب کی کوششیں راگائل میں اور میں ریزہ
 ریزہ وجود کے ساتھ جیت گئی۔ پھر میں نے سنا تیور
 حسن کا سفر فر ہو گیا ہے تو ایک آسودہ میسراہٹ
 میرے لبوں پر پھیل گئی۔ ☆ ☆ ☆

میں یک دم ہی سمجھ گئی تھی۔ یہ خیال کسی بل بھی
 میرا چھپا نہ چھوڑتا کہ تیور کے میرے کردار کی گواہی
 اگل شاہ سے چاہی تھی۔ کیا میں اتنی ہی اعتبار تھی۔ کیا
 میرے جذبے اتنے ہی وقت تھے کہ جنہیں کسی اور کی
 گواہی کی ضرورت پڑ گئی۔ میں سب کچھ بھولنا چاہتی

مٹانے کی کوشش کی۔ فون کرتا تو میں اٹینڈ نہیں
 کرتی۔ طلحہ بھائی کو اس نے مجھے مٹانے کے لیے
 بھیجا۔ ملائکہ بھائی سے ضدی..... مگر میں نے کسی کی نہ
 مانی..... وہ بابا سے ملے آتا اور میں اپنے کپڑے میں
 گھس جاتی۔ اسی پریشان تھی، وہ یہی سمجھ رہی ہیں کہ
 میں ان کی وجہ سے تیور سے نہیں ملتی۔ تب ایک روز
 اسی نے مجھے کہا تھا۔

”راسیہ خود پر جبر مت کرو۔ میں نے شفقت
 بھائی کو انکار کر دیا ہے تم جو چاہتی ہو وہی ہوگا.....
 تم.....“
 ”میں چاہتی ہوں میرے سامنے تیور کا نام نہ
 لیا جائے۔“ میں نے اطمینان سے کہا۔
 ”کیوں آخر.....؟“ اسی پران تھیں۔
 ”مجھے اس سے نفرت ہے۔“
 ”میں سمجھتی نہیں۔“

”بس نہ سمجھیں تو بہتر ہے، اسی میں ہے اعتبار
 شخص کی زندگی میں شامل نہیں ہو سکتی۔“ پھر اسی کی گود
 میں سر رکھ کر میں نے سب کچھ بتا دیا۔
 ”یہ تو کوئی ایسی بات نہیں کہ تم اپنے دل کے
 ٹکڑے کر لو۔“ اسی نے مجھے سمجھانا چاہا۔
 ”بس اسی میں کسی ایسی شخص کے ساتھ نہیں رہ
 سکتی جسے مجھ پر اعتبار ہی نہیں ہو اور محبت میں اعتبار
 پہلی شرط ہوتی ہے، اس رشتے میں انہماک کو کم نہیں
 پشت نہیں ڈال سکتے۔“ پھر آپ تیور کو منگ کر دیں وہ
 یہاں نہ آیا کہ مجھے نفرت ہے اس سے۔“
 ”سوچ لو بیٹا جنہیں چاہا جائے اُن سے
 نفرت.....“ اسی نے کہا تھا۔

”مگر مجھے اس سے نفرت ہے، اسی میں نے
 اسے اتنی شدت سے نہیں چاہا جتنی شدت سے مجھے
 اس سے نفرت ہوئی ہے۔“ اسی نے میرا چہرہ تھام کر
 میری پیشانی پر دم لادو بولیں۔

”مکرایا۔“
 ”یعنی تم میری بات کا اعتبار نہیں کرو گے۔“
 ”یہ بات نہیں۔“
 ”نہیں تیور حسن..... تم چلے جاؤ..... اب کچھ
 نہیں رہا میں ایسے شخص کے ساتھ تھا مگر نہیں چل سکتی
 جسے مجھ پر اعتبار نہیں ہو۔“
 ”راؤ..... کیا کہہ رہی ہو تم؟“ وہ کرسی سے اٹھ
 کھڑا ہوا۔
 ”جو آپ نے سنا..... آئی ہیٹ اپنی گری ہوئی
 ذہنیت ہوئی آپ کی میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ آئندہ
 یہاں مت آنا اور نہ ہی مجھ سے ملنے کی کوشش کرنا۔“
 میں نے لفظ چاچا کر ادا کیے۔
 ”راؤ تمہارا دماغ تو صبح ہے؟“ تیور حیران
 تھا۔
 ”آج ہی تو دماغ صحیح فیصلہ کر رہا ہے۔“
 ”تم مجھے بھول پاؤ گی؟“ تیور نے پوچھا۔
 ”بھلا مشکل تو نہیں تیور حسن..... میں جنہیں
 اپنے دل اور یادوں سے بوجھ نہیں لگتی۔“ میرا وجود
 مارے غصے سے لرز رہا تھا پھر میں تیز تیز قدم اٹھاتے
 ہوئے اندر آ گئی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے
 چاروں طرف ریت کے ٹوکے ڈر رہے ہوں اور کرم
 ریت میری آنکھوں میں گھسی جا رہی ہو۔ دور دور تک
 ریت کے ٹوکے ہیں اور سامنے کا نشان تک نہ ہو۔
 وہ ساری رات میں تڑپتی رہی، سسکتی رہی مگر میری
 آنکھوں سے ایک آنسو نہ پکا کہ اس شخص کے لیے میں
 کیوں آنسو بھائی جس نے میری قدر نہ کی۔ میری
 محبت کا اعتبار نہ کیا اور اگل شاہ کے پاس چھپ گیا۔ وہ
 کیا سوچنا ہوگا۔ کتنا بکا کر دیا تھا تیور نے
 مجھے۔ میری محبت کو کھسکے ہوئے ہوا لڑکھاتا تھا۔
 جیسے خواب کچھ اس طرح بھرے تھے کہ میں
 خود بھی ٹوٹ گئی تھی پھر تیور حسن نے بہت بار مجھے



ٹلتے۔ رات کے کھانے کے لیے روٹی پکانے کا وقت تھا۔ اس خبر کے بعد کہاں کی بھوک..... اور کسی ڈیوٹی (روٹی پکانے کی) دل کی دھڑکن کا یو سے باہر کیا ہوئی سب سے پہلا اثر ہاتھ میں بکری تو سے کو اویگا۔ ورنہ توئی جوتے ہرہا کوئے خاطر تو معنے کے لیے

عمل سے گزروں کی جو میرے کردار کی گواہی کے لیے کبھی تمہارے پاس نہیں آئے گا کہ میں اسے بھی بتاؤں گی میں نہیں کہ میری زندگی میں کبھی کوئی تیرور حسن بھی آیا تھا جس کی چاہت کے بیڑے میں، میں بھیگی تھی۔ میں نے اپنا کل فون بیڑے ساندھ لیا تھا اور آٹھ آٹھ پانچ پانچ کیا۔ دوسری ہی تہل پر فون اٹھیند کر لیا گیا۔

”ہیلو.....“ اور دوسری جانب تیریز تھا۔
”آٹھ آٹھ پانچ پانچ بات کرتی ہے۔“
”وہ فرخ کو کھانا کھا رہی ہیں..... میں انہیں فون دیتا ہوں۔“
”رہے دیں..... میں آٹھ پانچ دے دیں کہ مجھے ان کی بات منظور ہے۔“

”کون سی بات؟“ تیریز پوچھ رہا تھا۔
”آپ کو پتا نہیں۔“
”پتا تو ہے کہ آپ کے لبوں سے سنتا چاہتا ہوں۔“ وہ دوسرے سے ہلایا۔
”تو سن لیجئے، مجھے آٹھ آٹھ پانچ کا ساتھ منظور ہے۔“ میں نے کہا اور تیریز کا جواب سے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔
میری آنکھیں جل رہی ہیں دل رو رہا ہے۔ دل کے خلاف کوئی فیصلہ کر لیا جائے تو ایسا ہی کرب ہوتا ہے اور میں آج چار سال بعد پھر اسی کرب سے گزر رہی ہوں جب تیرور حسن کو چھوڑا تھا۔

”سنو تیرور حسن! میں نے تمہیں اپنے دل کا خون معاف کیا۔“ ہاں میں نے تمہیں معاف کیا۔“ میرا زرواں گرواں انہی جملوں کی گردان کر رہا ہے اور آنسوؤں سے میرا چہرہ تر ہو رہا ہے کہ بعض جھٹکتیں بہت لڑاتی ہیں..... اور تیرور حسن کی محبت ایسی ہی تھی..... باہر بیڑے میں ٹوٹ کر برس رہا ہے۔



”فیصلہ کا اختیار رائیہ کو ہے۔“ ہاں اور ای نے کہا تھا اور میں نے آٹھ آٹھ پانچ کا وقت مانگا..... مگر یہ کیا..... میں تیریز حمید کے بجائے تمہارے بارے میں سوچ رہی ہوں ہمیشہ کی طرح..... تیرور حسن بار بار سوچا تو دل نے تمہیں باعزت بری کر دیا مگر..... مگر میرا دماغ تمہیں معاف نہیں کر سکا۔ جبکہ دل آج بھی تمہارا طرفدار ہے۔ میری انا کو زبردست چوٹ دی تھی تم نے..... مگر چار سال گزرنے کے باوجود آج بھی تم میرے دل کے گھٹاؤں پر موجود ہو..... ہے تا جبرت انگیز بات اور..... اور میں آج اعتراف کرتی ہوں کہ تمہیں تو پتا ہی نہیں ہوگا کہ وہ پانچ مگر..... جذباتی لڑکی جسے کوئی تھا کہ وہ تمہیں بھلا دے گی تو وہ جھوٹی نکلے مگر..... مگر میں تمہیں کیوں یاد کر رہی ہوں۔

”تم نے مجھے بھلا یا ہی کب سے رانو۔“ میرے قریب ہی سرگوشی ابھری۔ میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ ارے یہ آواز تو میرے دل سے آ رہی ہے۔ میں مسکرائی مگر میری جلتی آنکھوں سے آنسو ساندھ کی طرح ٹوٹ کر بہنے لگے اور تب میں نے لمحے کے ہزاروں حصے میں فیصلہ کر لیا آٹھ آٹھ پانچ بات مان لوں بقول ان کے میں تیریز حمید کے دل کی خواہش ہوں۔

آئینے میں نظر آتے اس کے عکس پر کچھ یادگار مناظر غالب آگئے تھے۔ زمی گرم ان میں ٹھوکی۔ وہ بچپن کے پیارے دن (تب بائبل بھی پیارے نہیں لگتے تھے) تب اشتقاق بھی پیار نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ وہ پیارا ہوتا ہی نہیں تھا۔ یہ سوئے سوئے ہونٹ..... باہر کاوبلی جھینے کے ڈیلوں کا مقابلہ کرتی آنکھیں، تاک کی ہیئت ایسی تھی کہ بہت دماغ لڑانے پر بھی سمجھ نہ آتی کہ کس چیز سے مشابہ کریں، رنگ کون سے تھوڑا کم ساٹولا..... مگر بہر حال کالا..... اور تمجہ کے کیا کہنے..... بچپن سے ہی دوزن میں خود کشیاں تھا۔ مگر چونکہ بہت ڈھول تھپے ادا کرتے تھے نواز تے..... مگر چونکہ بہت ادا میس ہوتی ہے اور اقل بنانے والا اللہ..... ہواشتقاق کی اسی شکل میں بنا کیڑے لگنے کے لیے زیب انسا کا دل اس پر آگیا۔

وہ دن آئینے میں عجیب دکھارہا تھا جب اشتقاق نے ابتدائے محبت کرتے ہوئے ایک طویل وعریض رتھ بڑی دقتوں کے ساتھ زمی کو پہنچایا تھا۔ جسے پڑھنے کے بعد زمی کی ساتوں میں نہ تو ڈھول بجادور نظروں کے سامنے کالا کوا پھڑ پھڑایا۔ جس دن خاندان ہو گیا کہ اشتقاق ہی سے کہہ دی کہ نگاہ التفات کا مرکز تھی۔ خدا کوئی بار پڑھا، چھپنے کی جگہیں بدل کر پڑھا..... اور سنہیل سنہیل کر رکنے میں کیسی بلکان ہوئی یاد کر کے شیشی کی مسکان ابھی زمی کے لبوں پر اٹھری۔

قریبی رشتے داری ہونے کے باوجود بھی محبت کرنے کے لیے چور دواڑے اس لیے استعمال کرنے پڑے کہ بہر حال ابائی کی ہدشت بہت تھی۔ دوسرے علت و غیرت کا بھی مسئلہ تھا۔ اشتقاق کی طرف سے والدے وہ خوشبودار خوش رنگ پھول، جیولری، چوڑیوں کے تحائف بھانے بھانے دینے کے خاص بل ایک دوسرے کے گھر جانا ہوتا تو

بڑوں کی نظر بچا کر خاص زمی کے لیے شقائق کی وہ یادگار خدشہ..... آدھی کولا خود ہی کر آدھی اس کے حوالے کرنا..... آدھا لٹو پیٹھ میں لٹکھن کا بہانہ کرنا کہ چھوڑ دینا..... جس پر زمی کا رزق ضائع نہ جائے کے عنوان سے درس دیتے ہوئے چھپت کر سالم نگل جانا..... اور تو اور وہ یادگار دن جو بھلائے نہیں بھولتا اور جسے بھولنے کو دل نہیں مانتا..... جب زمی کو اچھا خاصا بخار تھا۔ سب بڑے کمرے میں بیٹھے بی بی دی دیکھ رہے تھے۔ اشتقاق بھی کسی بھانے موجود تھا۔ زمی سے ہوئے منہ کے ساتھ ساتھ وہاں ڈانٹ کی پر دایکے بغیر حسن اشتقاق کی وجہ سے اب اس آئینہ میں مگر حالت خاصی خراب تھی۔ جو تاسر اور دھندلائی آنکھیں بی بی دی کو تباہندوں پر بھی ٹک نہیں پاری تھیں۔ سب کا پسندیدہ پروگرام آرہا تھا۔ سب کی توجہ بی بی دی پر تھی۔ کسی کو کیا پتا چلتا تھا۔ خود بھی بی بی لاطم رہی جب تک کہ پانی کا گلاس اور زمجہ در کی شہر زمانہ گولی چرسے کے سامنے نہیں آگئی۔ زمی بھی چونکا کر رہ گئی۔ اشتقاق شہتر کھڑا تھا۔ زمی نے ارد گرد ماحول کرنے کے بعد فوراً گلاس اور کوئی بیجڑی اور اچھے بچوں کی طرح نگلی۔ اب پتا نہیں گولی کوئی خاص کرمانا تھی یا پانی پر دم کیا ہوا تھا..... یا چنہ بہت کر شتی تھا، زمی اگلی صبح جی چکی تھی۔ اشتقاق یہ فدیہ یا نیکہ خدما تا نہیں تیار دانا طریقہ اس نے اپنی جاننے نہ جانتے دایوں میں سے کس کس کو نہیں بتایا۔ کسی رومانوی داستان کی طرح..... قصہ زمی اشتقاق..... بھی مشہور ہوا گیا۔ اب آئینے میں وہ دن جھلک مار رہا تھا جب غیر متوقع طور پر کہیں سے اس کا رشتہ آگیا اور اب..... اماں نے گویا پتیلی پر سرسوں جلائی.....

”نہیں.....“ آخر ہوئی تو پتیلی قلم کی بیرونی والی لٹکار مارنی خود یہ ان گل میں کد پڑی۔

اور نہ کسی نے نہیں..... اب، اماں دواوں میں مردہ ہوگئے۔ اکوٹی بی بی جس پر لاؤ شفقت کے خزانے نچھاور کیے تھے اس نے صلبہ چاند چڑھا کر دایا۔ اب اور اماں کودم بڑو کر دیا۔ اب اسے سے چٹکھائے رہے۔ اشتقاق انہیں بحیثیت داماد کے کہیں سے بھی قبول نہیں تھا۔

”ارے ایک ہی بی بی میری اس کے لیے جن جن گریڈوں میں نہ کرانی سمجھدار پر راسخی ہو چاؤں۔ دنیا دوالے کیا کہیں گے۔ داماد سے شان ہوتی ہے سرکی، میں اس کو اپنے ساتھ کھڑا کر کے اچھا لگوں گا کیا؟“

”اشتقاق سے شادی نہ دینا ہے کرتی ہے نہ آپ نے.....“ زمی کی زبان درازی بلکہ بے شری نے اب، اماں دواوں کو سناں گھٹایا۔ گھر میں بہت عرصے تک رہی جنگ کے بعد بالآخر ابا کو ہتھیار پیچیں کر اشتقاق کو شرف داد بخار پڑا۔ ان ہوں یوں ہوئی معنی کے فوراً بعد شائقے کا رینگ بڑھ گیا، وہ آری میں کہیں کے عہد سے تک جا پہنچا۔ ابابا کی بی بی چول کیا۔ جس داماد کے لیے اب، سمجھدار، میرا ہی اللہ استعمال کرتے تھے آج اس کے لیے رطبہ القاب تھے۔ پھر یوں ہوا اشتقاق اچانک ہی آسٹریلیا جانے کے لیے پرتولے لگا۔ اپنی اچھی بھلی جی جی نوکری کو لات مار کے۔ اب، اماں اس فیٹلے پر خوب مختصر ہوئے مگر اشتقاق کے سر پر جو صحن ہوا سواری تو اتار کر نہ دی۔ نہ جانے کسی جلت سوار تھی کہ شادی کرنے کا بھی نام نہ لٹا اور اشتقاق صاحب یہ جاوہ جا..... پیچھے زمی آسٹریلیا اپنی شخصیت کے خالوں میں اپنی گن ہوتی کہ پانچ سالہ انتھار کو فٹ زدہ آدم اور خوشگوار یاد لگا۔

”زمین..... اری او زمین.....“ نہ معلوم آئینے میں ابھی اور کون سی قلم چلی تھی کہ اماں کی اس کردار کی کار نے سارے مناظر نگہ کر دیے۔

”کتنی یاد کیا ہے کہ زمی کہا کریں نہ زمین سے

لگتا ہے جیسے جیسے کوئیں کام والی کوئی کار رانی ہیں..... کون ہے جو سائے.....“ خاصی بدردہ ہوتی، پتے وہ پتے کو چٹکتی زمی ناچار کمرے سے باہر جانے لگی۔ حالانکہ ابھی دل کہاں بھرا تھا خود سے باتیں کرنے سے۔

☆☆☆

باہر نکلی تو نئے مناظر تھے۔ اماں کی سہیلیاں اس کی سہیلیاں اور وہ رشتے دار نکلی جنہیں شائقے کے گھر بار پھول بہت ہوتا چاہے تھا۔ یہاں آ رہے تھے۔ شور، ہنگامہ، تہقہ، مبارک بادیں..... کسی ملے کا گمان ہوا تھا۔ اماں، ابابا کے بس میں نہیں قاسب کی مبارک بادوں کے جواب میں دھال ڈالنا شروع کر دیں۔ زمی کا تھوڑا تھوڑا منہ بن گیا۔ خاندان والے مٹھائے یہاں کیوں آگئے تھے۔ اُور شائقے کے گھر جاتے۔ ایسا بلکہ اس بھی برا منہ شہزادے کا بنا ہوا تھا۔ اسے شائقے نہ جاتے وقت آتائیں کر لایا تھا۔ جن اس کی آمد پر آنکھیں رہے تھے۔ وہ بھی صرف اس کے کیونکہ ”دخت“ معیت میں تھی ابابا ہوا صرف جو دوڑیں وہ لگا چکا تھا شائقے کی قدم پوی کی تیاری میں وہ ایک طرف..... جواں مفت خورے رشتے داروں کی سہان نوازی کی وجہ سے اب لگنے والی تھیں وہ سوچ کر دھاڑیں مارنے کو دل کر رہا تھا۔

”کرامت بھائی..... شائقے کی آمد یہ پہلی مبارک باد کا حق آپ کا ہے۔“ یہاں ایک پچھو زاد بہن تھی۔

”معلوم ہے جیلہ بن..... مبارکیں قبول.....“

”آخر تم نے پانچ سالہ بی دادوں کی طرح انتھار کیا..... بی جی سپاہی مہر سے بٹھائے رکھا، بیٹی کے سر میں چاندی آگئی پر رشتے کے لیے یہاں وہاں تاک بھاگت نہیں کی۔“ زمی کا ہاتھ بے اختیار اپنے پر رہ گیا۔

”پہلے کے منہ والی۔۔۔ کالی زبان، پھوٹے لٹکے تیرے حلق میں، سر سفید ہو تیری گلوہیوں کا۔ خوشی کے موقع پر بھی وار خالی نہ جانے دینا۔۔۔ میری جدی ہنسی دشن۔۔۔“ ابا کی چھتری بہن پر صرف دہری نے ہی نہیں اماں نے بھی دل کھول کر جوابی گولے پھینکے مگر صرف نظروں سے کہ یہ بے موقع گولہ باری لفظوں کی شکل میں ہوتی تو رنگ میں بھگ پڑ جاتا۔ جس کا نقصان انہیں ہی ہوتا۔

”ہم نے سوچا شائقے کے گھر تو جانا ہی جاتا ہے۔ پہلے اس گھر کی صفائی کھاتے جائیں۔۔۔“ (کیوں نہیں، کیوں نہیں، بڑیاں صفائیاں۔۔۔) ابا کچھ یاد وہی خوش تھے۔

”اوئے شہزادے۔۔۔“ اور شہزادہ پھر کھ گیا۔ اتنی بڑی خانگاہی پٹن کی سیوا کا سوچ کر ہی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے۔

”شہزادے پتھر کی طبیعت (خراب) لگ رہی ہے۔۔۔ یہ اباں کے خاندان کا کھانوی۔۔۔“ (کیوں شہزادے۔۔۔ کوئی کیس نہیں تو نہیں ہو رہی پیٹ میں۔۔۔ تو بچپن سے ہی معدے کا مریض ہے۔۔۔ رختے کی چاچی زربینہ نے کیا کھانا تجزیہ کیا تھا۔ ان کا یہ نظریہ اب میرے شہزادے دل جل گیا۔)

”ابو! ای۔۔۔ پیدائش رونی شکل ہے، محتاجوں والی۔۔۔ بڑا خاندان بیان آیا تھا۔ اماں اور شہزادے نے بلبل کے کہنے والی کو کھاجانے والی نظروں سے دیکھا مگر غصہ خون کے گھونٹ لپی لینے پر اکتفا کیا۔ اسی رنگ میں بھگ پڑنے کے ڈر سے۔“ جابیر اشریف۔۔۔ رس گلوں کے چار پانچ ڈبے بھاگ کر لے آئے۔۔۔

”میرے لیے برنی کا۔۔۔“ ”گلاب جاسن بھی ہوں۔“ شہزادے نے۔۔۔ کا حلقہ تینوں ہتھ فرماشی پر گرام فشر کرنے۔

والوں کو دیکھا اور ہنوز جم کے کھڑا رہا کہ جب خالی تھی۔۔۔ پیچھے ملے تو جاتا۔

”بھئی ہم نے سوچا۔۔۔ یہاں سے کھانا شانا کھا کر شائقے کے گھر ایک ساتھ چلیں گے۔ مل جل کر جائیں تو خود رونق پڑے گی۔“ ”کھانا؟ زہبی کے حلق میں کانٹے چھپنے لگے۔

”اور نہیں تو کیا۔۔۔ شائقے کے گھر کھاکے جان کا دشمن نہیں بنتا۔ یاد ہے پانچ سال پہلے والی دعوت جب شاقا ہوا تھا۔ اس کی اماں نے کچے شور بے پر فرمایا تھا۔ جس میں کتنی کی چار بولیاں تھیں وہ بھی بساند ماری۔ کھا کر ہفتہ پورا اٹھیاں کرتی رہی تھی۔“

”تو خالہ تمہارے سر پر کیا ملک الموت کھڑا تھا جو اس کے کسے کسان کو بھی نہیں چھوڑا۔“ زہبی کا جی رہا ہونے لگا۔ ایک خالص ذاتی خوشی جسے وہ جی بھر کر انجوائے بھی نہ کر سکتی تھی۔ دوسروں کی نظر ہوئی۔

”زہبی۔۔۔“ اماں نے پکڑا رکھا اور ایسا وہ تب کرتا جس کا مگلا ہوتا۔ ”خالہ جا میری شہزادی۔۔۔ یہ مفاسد خالصتاً سیاسی تھی وہ سمجھتی تھی۔ اسے جن میں جا کر اس برات کا بھونچتا کرتا ہے۔

”اماں۔۔۔ میں ایک گلو، وہ کلو جتنی مرغی، سالن بلاؤں کا سکتی ہوں، دیگ نہیں، آپ دیکھی کا انتظام کر دیں اپنے زبردستی کے بھانوں کے لیے۔“ اس نے بلاتر دوسرے چھنڈی دکھادی۔ اچھی مصیبت تھی، شاقا وہاں۔۔۔ برات یہاں۔

”یار شہزادے۔۔۔ تو بھی تک نہیں گیا؟“ اوٹھنا ہو شہزادہ ابا کی چنگھاڑ پر ہڑ بڑا کر سیدھا ہوا۔

”اماں لے کر امت پر بھائی۔۔۔ مجھے پیچھے طبیعت۔۔۔“ اچھی نہیں لگ رہی۔۔۔ قبل اس کے کہ زربینہ

ابا کی کاڈ اکثری مشاہدہ طول چکوتا شہزادے نے لیے ڈگ بھر کر کمرے سے نکل جانا چاہا کہ ابا کی گرج پھر قدموں کی زنجیر بن گئی۔

”شہزادے۔۔۔“ پھر رخ روشن قریب بیٹھے اناج چاچے کی طرف کر کے بولے۔ ”کیا خیال ہے کوشر ٹیک رہے ہیں ابا کی اسی؟“ ”کیوں ابا؟“ شہزادے کو اب کھن ہوئی۔

”اوئے نا بھجھ۔۔۔ شائقے کے گھر نہیں جانا کیا؟“ ”وہ کیا بن کوشر پر؟“ شہزادے کو غش آنے لگے۔

”ناں تو ہوائی جہاز پر؟“ ابا نے تسخرا ڈایا۔ ”کوچ نہ لیتا آؤ؟“ اس نے تسخرا نہ بین سے طفری گولی چلائی۔

”نہیں، ہائی اٹس ٹیک رہے گی۔“ طفرہ بجھتے ہوئے ابا نے بنتا چھوٹی سواری پر قناعت کی۔

شہزادہ کھری سانس لے کر دروازے کی جانب مڑا۔ آج کل یقین تھا کہ سارے شہر میں اشتہار لگ کر رہتا ہے کہ گھر والے ٹیلی فون کا کردار ہو گئے تھے۔ قریب ہی شائقے کی کالونی تھی اور۔۔۔ یہاں دیکھیں مگلائی جا رہی تھی۔

”لوگوں نے پاگل ای اوئے کہہ کہہ پتھر نہ مارے تو میرا نام بدل لیتا۔ بلکہ رکھ لیتا شہزادہ سلم۔“ مذہبی مذہب میں بددعا ہوتے ہوئے شہزادہ کمرے سے جانے ہی لگا تھا کہ ہال میں رکھائی فون بج اٹھا۔ ”فون ہے شہزادے۔“

”یہ کبھی میں اٹھاؤں؟“ وہ ہلٹ کر روکھا ہوا۔ ”اتھائی لو۔۔۔“ ابا کا حکم تھا۔ مانتے ہی بنی۔ مرے مرے قدموں کے ساتھ فون کی طرف بڑھا۔ اماں کی سہیلیاں، زہبی کی سہیلیاں اور رشتے داروں کی بہائیت، بیجاہت کی پولیاں فون بیٹنے میں لالچالہ

دقت۔۔۔

”وے چپ۔۔۔“ شہزادے نے جوں ہی ریسیور اٹھایا۔ اماں کی کراہی آواز نے ایک لمبے میں سب کو چپ کر دیا۔ (دھر شہزادہ بھی بیلو کے بعد دوبارہ نہ بول سکا۔ تاہم ریسیور کان سے لگاتے بس کھڑا کا کھڑا رہا۔ اور کردے بیک نہ خود سے بیک نہ۔

”بات سن حسینہ۔۔۔“ زربینہ چاچی، شہزادہ کو نظر میں رکھے اماں کے قریب ٹھکسن۔ ”سوہرے شہزادے کو ڈاکٹر کے پاس ضرور لے جانا۔ مجھے لگتا ہے وہ پت پڑے ہیں لڑکے کے پیٹ میں۔ پہلے بیلا ہو رہا تھا۔ اب دیکھ سہید پڑ گیا۔“

”تیری تو میں اٹلی پھیلی لٹل کو سفید پڑتا دیکھوں، اللہ کی ہاں کر کیجیے ہی پڑ گئی میرے معصوم کے۔“ اماں نے ایک بار پھر اندری اندر بیچ و تاب کھاتے اور کراہی آواز میں کر رہیں۔

”کیا ہوا شہزادے۔۔۔“ صورت کیوں بن گیا؟ کسی نے فون میں سے ہی پوچھا مارو یا کیا؟ تاہم ناکوں بے میں بھی اس کو فون پر سیدھا کروں۔۔۔ شہزادے نے خالی خانگاہی نظروں سے اماں کو دیکھنے کے بعد ہنسی سے ریسیور کرڈل پڑ ڈال دیا۔

”پروچو چاچا کا۔“ شہزادے نے اشتاق المعروف شائقے کے باپ کا نام لیا۔ ”ہاں۔۔۔ ابا! اماں حیران ہوئیں۔“ اس نے مٹر چھو لگا۔

”ہاں۔“ شہزادہ کی ہنسی ہنسی آواز برآمد ہوئی۔

اماں اور زہبی دونوں کا مٹھا تھا۔ ☆☆☆ جتنی کو تک سروس میں بہا خوشی کے اظہار دکھانے میں کی گئی تھی۔ اس سے اٹھ مٹر کے اندراجات کسٹن کر دو مکمل دکھایا گیا۔ بے یقین اور ناہم مگر بہر حال یقین تو آتا ہی تھا۔ ایک شائقے کے ابا کی ہی

کیا..... ایک کے بعد ایک آگے پیچھے کی کالیں وصول ہوئی تھیں۔ شائقے کے گھر کے بقیں میں بیٹھے یک صاحب کی جواب کے بھی ایسے رفیقوں میں سے تھے۔ اماں کی گاڑی، بہن جیسی کبھی خالد شینم..... جن کا آنا جانا اشفاق کے گھر بھی تھا۔ یہی نہیں شہزاد سے چھوٹے جواد کا دوست عظیم..... جس کا بڑا بھائی اشفاق کا دوست تھا اور خود زہبی کی ایک بھلی لکڑی سی نام نہاد کنبلی سفید جس کی بھائی کا بیٹا اشفاق کے محلے میں تھا۔ سب نے ایک ہی منبر چوکا۔

”اشفاق آگیا..... ایک نہیں چار بن کر.....“

گوری میم کے ساتھ گورے ساس سر جی ساتھ لایا ہے۔“ اور اب جیسے سب میم مردہ سے ہوئے بیٹھے تھے۔

جو رشتے داز مبارک با دیں دیئے آئے تھے۔ وہ ممبر کی گھر یا تھا کہ ہیڈ لائن کی تفصیل سننے یقیناً اشفاق کے گھر بھی تھے۔ یہی زبانی کا پٹن ہے منہ پر کس کا پیٹھ پیچھے کھاک۔ یہ انتہائی غیر متوقع خبر سن کر اس فوراً دھڑکیں مار مار کر رونا شروع ہوئی تھیں۔ زہبی سے دھڑکیں تو کیا ایک آنسو بھی نہیں ڈھپکا گیا۔ وہ سن اسی یقین میں کہ سننے میں سناستیں دھوکا کر گئیں ہیں ورنہ اشفاق یہ ظلم کیسے کر سکتا ہے۔ چپ اور کم ایک ایک کام نہ نکلتی رہی۔ کچھ دیر بقیں خوشی کے مارے گھر بھر میں بھونچال لانے والے اباب بالکل خاموش ہو چکے تھے۔ ایک دم سے ماحول بدلا تھا مگر کیفیت اتنی جلدی تھوڑی بدلتی تھی۔ اسی چندتا قریں سے استے سرشار، ایسے خوش کہ شہر کا ہر رخ کر لینے پر آگئے تھے۔ اب ایک دم سے کیسے یقین کر لینے کہ وہ خوش محض لئے بھر کی تھی..... ریت کی طرح ہاتھوں میں آتے ہی پھسل گئی۔ تو باؤ کی بڑبڑ خاہری کے۔

فی الحال تو چپ کے چپ رہ گئے۔

”یہ کیا کیا شائقے نے..... ہائے پانچ سال

کے انتظار کا درد کیوں دیا..... نہیں کرتی تھی پہلے انکار کر دیتا..... زہبی کے آئے رشتے تو نہ ملتے۔“

”شائقے نے تمہاری نہیں، ہماری بیٹی کو دکھ دیا ہے۔ ہم اسے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ غضب خدا کا شرتے داری تک کو نہ دیکھا۔“

”میں تمہارے ساتھ ہوں کرامت..... میرے لیے پر دے کر کے کا دانا پانی حرام..... میرا اس سے جو تعلق تھا آج سے ختم۔“

”ہائے ہائے زہبی..... میری بیٹی زہبی رخصت ہونے سے پہلے انگریزی..... ہائے اجڑیں تجھے جا جانے والے۔“

”اب کون آئے گا معصوم کا ہاتھ مانگنے..... کون آئے گا درد نہٹنے۔“

رشتے داروں نے یہ نہ دیکھی کہ کے دھاڑیں مار کے بچھ کچھ کر آنسوؤں کے نام پر دو قطرے نکال کے بہتیزی کو کش کی، اماں نہ کی اباب..... چلو اب نہیں تو شہزاد ہی غیرت پکڑ کر اندر کی کھون زبان سے نکالے تاکہ شائقے کے گھر نہ کرنے کے لیے رپورٹ مل جائے۔ مگر یہاں سوائے اماں کی دھاڑوں اور دھچکیوں کے کچھ نہ ملا۔ رشتے داروں کو مایوس ہو کر جاتے ہی بنی۔

☆☆☆

”اوئے شاقا جانا نہیں ہے۔ اس نے کس کی پیٹھ پر چھرا اٹھو نہ ہے۔ کرامت شیری کی بیٹی روپی ہے اس نے کوئی معمولی کتا نہیں کیا..... میں اس کی.....“

”ابابا..... جو صلہ کریں، برداشت سے کام لیں۔“ ابابا کو سننے میں شہزاد کی سانس پڑھ گئی۔ وہ جو قابل یقین اور انہم ہی کیفیت حملہ آور ہوئی تھی۔ وہ بس تب تک حادی رہی جب تک تماش بین رشتے دار احباب یہاں موجود رہے۔ دوسرا انہوں نے گیت پھلا ڈا بھر ابا کو حوصلہ، برداشت، صبر تمام

ہوا اور یہ تو پتہ تھا۔ انہوں نے شائقے کو کم سے کم کالے پائی کی سزا دے کر دتی ہے۔

”اوئے دلج کر برداشت کر..... اس نے میری مرغی چوری کر کے ذبح..... نہیں کی جو میں برداشت کروں۔ اس نے میری بیٹی دھکا دی ہے۔ میری عزت کو لٹکا رہا ہے۔“

”عزت نہیں فیرت کو۔“ اماں ابھی بھی سبک رہی تھیں گرفتار دینا نہ چاہتیں۔

”میں نے اس کی اگلی سات بقیں ملا دی ہیں۔ تو دیکھ تو کسی میں کرتا کیا ہوں۔“ عزائم ایسے تھے جیسے ابھی ہندو سیت شائقے کے گھر پڑھ دوڑیں گے شہزاد حقیقتاً بل گیا۔

”ابابا اس کریں۔ چپ بہتر ہے۔ لوگوں کو ہنسنے کا موقع ملے گا۔“

”ایک تو میں تیری اس دنیا خونی سے بڑا عاجز ہوں۔ اوئے بے غیرتا، اوئے بڑولا..... کیا بھائی ہے تو۔ بہن کے امانوں کا خون ہو گیا ہے۔ تجھے لوگوں کی پڑی ہے۔ جا جا کر برقع پہن کر بیٹھ جا۔ تیرا ہوتا نہ ہونا برابر ہے۔ اوئے جو کام تجھے کرنا چاہے تھا وہ میں کر رہا ہوں، ڈوب مر..... بقا ضرور کے شہزادہ رگیدار گیا۔ اس لیے برا بھی بے حساب لگا۔ بہن کے ارمان میں ملی گئے۔ اب ضروری تھا وہ بھی ابابا کی طرح سلطان راہی بن جاتا..... لال لال ڈیلوں میں تھر بھرے چھانی ٹھونکا شائقے کو لٹکا رہا۔“

”یہ تو ہے ہی کمزور دل..... شووا..... میرا جواد ہوتا تو..... تو لوگ دیکھتے کیسے باپ کا سایہ بنا۔“

اماں ایک اور ڈرامائی کبھی کے چوٹی کی تھیں۔ جواد سب سے چھوٹا ایسا ملا آدمی پڑنے کی غرض سے تھا۔

”میں ایک ہی کافی ہوں۔ جواد نہ شہزاد..... میں ایک سب بے بھاری ہوں۔“ شہزاد نے دویدہ تو اماں نے غریبے ابابا کو دیکھا تھا۔ شہزاد کو یقین سا ہو چلا

اشفاق کے گھر کسی ایک نے ابابا کے ہاتھوں پر حملہ ہانا ہے۔ اس کی گوری میم نہ کسی ساس سر میں سے لای کوئی ایک۔

”میں دیکھتی ہوں، میری بیٹی کے مقابلے میں وہ کس ہیر کو بیاہ کر لایا ہے۔ میں نے بھی اپنی بیٹی پندرہ دن میں نہ بیاہی تو حسین نام نہیں میرا۔“ اس وقت منہ پر ہاتھ بھیر کر اماں پوری کی پوری دواں قلم کا حصہ لگیں۔ بارو کو چند دنوں میں رخصت کرنے کا عظیم ٹوہرائی..... شاہ رخ کی بے وفائی سے بد حال ابیوریا کی ماں۔

☆☆☆

”کی..... کہاں رہ گئی؟“ وہ کم صم نا قابل یقین کیفیت یہاں بھی چھٹ گئی تھی۔ زہبی اس وقت پھر سے ”نوباہیک“ بنی و حید مراد کے فراق میں اتسو بہا رہی تھی۔

”کیا میں کم صورت تھی؟“ وہ سوچ رہی تھی۔ ایک ایسا با جس پر سوچا اس کا دوسری گری رہا ہی نہیں تھا۔ کیونکہ صورت کے ساتھ وہ لفظ کبھی لگاتی تھی۔ اب بیٹے اس کی اس سوچ پر لوگوں کو تحفظات ہوں۔ بہر حال وہ ایک پُرکشش لڑکی تھی۔ جس کی دلکشی بہت سوں کو چوکا کشتی تھی۔

”شاہ نصیب میں کی رو رہی۔“ تنگ بارہا ایک لبسا ہوا (آہ) بھرا۔ اور بندہ پر کر کر جی جان سے بائم کرنے لگی۔ آج کی رات شب فراق لازمی منانی تھی کمزور لبے اختیار ہوا جا رہا تھا۔ پانچ سال سے زیادہ عرصہ ایک بندے کو دل اور دماغ پر سوار کر تھا اب ایک دم سے جدا ہونا..... اذیت ہی اذیت تھی۔

☆☆☆

”بس کیا تاؤں کرامت یا.....“ کچن میں کام کرتی اماں کے کان بیک صاحب کی آواز پر لگے

تھے۔ جو ڈرانگ روم میں اسے محکم تھے چونکہ بیک صاحب، اشفاق کے ہمسائے تھے اور قہر بھی آدھر کا چھپیرے ہوئے تھے۔ سو اس کا دماغ روٹی کی طرف کم اور بیک صاحب کی طرف زیادہ لگنا پڑا تھا۔

”شاتے کا سرکل منہ اندھیرے چنڈی بنیاں پہن کے گلی میں ٹھیکیں لگا رہا تھا۔“
”سی.....“ اماں کا ہاتھ روٹی کے بجائے تو سے پر جا پڑا۔ ایسی شرم آئی روٹی بول کر منہ پر دو ٹھاکہ لیا۔ گویا شاتے کا سر اس لیے میں سامنے آ کر اڑا ہوا ہو۔

”اب تم جانتے ہو اپنی کالونی کے کتوں کو۔ اچھے بھلے ہندوں کو دیکھ کر بھونکتے ہیں۔ بچے والے کو کیسے چھوڑ دیتے۔“ اماں کی روٹی تل گئی۔ زہمی کے سوگ کا آج تیرا دن تھا۔ اماں کو سب معنوں میں اس کا سوگ کھلا۔

خدا جھوٹ نہ بلوائے..... جس نے نہیں دیکھا اس نے کچھ نہیں دیکھا۔“

”کیا.....“ بچے والے؟“ اماں کے استفسار پر اماں نے ”اوئی“ کہتے ہوئے پھر سے منڈھانا۔

”اوہو..... وہ منہ مٹھ لکھتا تھا۔ ہماری گلی سے شیخ انور کی گلی۔ وہاں سے جامع مسجد..... جامع مسجد سے سیدھا پتھر بازار..... آخر میں کیوڑ منڈی..... سر جب کھر پچا چکا کہہ رہا ہوں سورج نکل چکا تھا۔ دھوپ پر مری اور دھماکے بھائی وہہر کا کھانا تیار کرنے میں لگی تھیں۔“

”قہہ..... قہہ..... کتوں نے ناس مار دیا ہے چارے کا۔“ اماں کو قہہ دے افسوس ہوا۔

”خالی دوڑیں گلو انہیں یا کتوں نے کچھ نوچا بھی۔“ اماں البتہ مزہ نہ کر بولے تھے۔

”اب نوچا..... چھوٹا ہوا تھا۔“

”ابا بیک صاحب.....“

”ابا بیک صاحب.....“

”کیا بنیاں؟“

”دھنیں پھنڈی.....“ کھانے کی ٹرے لے کر اماں نے بھی میں اسی لمحے ڈرانگ روم میں قدم رکھا تھا کہ بیک صاحب کے اس جملے نے انہیں اگلے پیر پلٹنے پر مجبور کر دیا۔

”متم دیکھو تو سکا باوے۔“ چھ ہندوں جتنا ایک بندہ ایذا بھول لکتا ہے پورا..... یہ تاڑ جتنا تھا..... اور گئی من گوشت..... کز رو دل والے نہ دیکھیں اسے۔“ اماں نے خشکی نظر سے بیک صاحب کو دیکھا۔

”پہلی بات تو مجھے اس کے جتنے کا کیوں بتا رہا ہے دوسری بات کز رو دل والے کے کہا؟“

”مجھے تو نہیں کہا۔“ بیک صاحب کز بڑا رکھے۔

”سین کز یہ کہہ رہا تھا میرے جیسوں کے سامنے کیڑا لگے۔“ ایک ہاتھ مارے میرے پیٹ پر۔

”ابا..... ایک بار پھر تم آلو دھو اور یاں وار۔“

”تھوہے کس نے کہا میں اس سے دھل لڑنے جا رہا ہوں؟“ اب کے قہر لہجہ میں سمٹ آیا۔ بیک صاحب سر کھانے لگے۔

”ہات کرتے کرتے پڑی بدل لیتا ہے۔ ایسے خواہوا بھائی تجھے اپنے حلال کا نشانہ نہیں بنائیں۔“

”ارے یاں.....“ بیک صاحب نے کھیا کر کچھ کہنا چاہا مگر اب ابا کا انہی چالو ہو چکا تھا۔ رکنا ہانکنا تھا۔

”ابے مجھے بتا..... اس کو چودہ ٹیکے لگے ہیں کہ نہیں۔“ یا کتوں نے خالی شہری گھمایا؟“

”یار نیک بندہ ہے بچ گیا..... لکھ مقصد میں آدھا شہری دیکھ آیا ہے۔“

”نیک بندہ.....“ ابا کے گلے میں دونوں لفظ پھنس گئے۔

”تو کھڑا ہو جا.....“ پھر ایک دم سے اجنبی بنے بیک صاحب کو باہر راستہ دکھانے پر آ گئے۔

”یار نیک بندہ.....“

”یار نیک بندہ.....“

”پر کیوں.....؟ بیٹھا نہیں اچھا لگ رہا۔“
بیک صاحب اپنی اشت سے ذرا جوہلے ہوں۔

”بیٹھا کیا تو کراہی اچھا نہیں لگے گا، تو بس رخ ہو جا..... نیک بندہ..... ارے تجھے اس انگریز ہاشی میں نیکی کہاں سے نظر آ گئی..... اس نے جو ایک گناہ میری بیٹی کی جگہ پر ہی بیٹے کر لیا..... وہی اس کی آخرت پلید کر چکا، تجھے کہاں سے وہ نیک نظر آ گیا؟“

”یار میرے۔“ بیک صاحب نے دونوں ہاتھ جوڑ کر باقاعدہ ماتے سے ملا کر بیٹے ہوتے ہوئے کہا۔ ”منہ سے نکل گیا۔“ واپس منہ میں ڈالتا ہوں.....

”تو جنوں میں نہ آ اور پوری بات سن.....“ ابا جو فوہر جوش میں کھڑے ہو گئے تھے منہ پھلانے ناچار بیٹھے۔ ورنہ بیک کی جگہ کوئی اور ہوتا مگر بیان پڑ چکے ہوتے۔

”بھلے کتوں نے جہاں اچھا ڈانٹیں پر آدھا شہر ایتھلیٹ بن کر گھومنے کے بعد بیٹھے اڑ گئے۔“ بیٹ میں گول سا پھرانے لگا۔ ہڈیوں کی رگیں تن نکلیں۔ اسپتال دیکھنا ہی تھا۔ سواب دہی دیکھ رہا ہے۔“

”مطلب؟“

”مطلب بے ہوش ہو گیا تھا جب گھر واپس پہنچا..... اس دن سے اسپتال میں ہے جانتے سوتے کے نظر آ رہے ہیں بے چارے کو۔“

”ابا.....“ یہاں ابا نے براہین بنا کر قہر لگایا۔ بالآخر بیک کے منہ پر پڑی تھیں۔ ان کے انتہائی ارادوں کی زد میں آنے والے کرداروں میں سے ایک کردار کو بتیں..... مل چکا تھا۔

”مجھے سے اچھے تو کتے ہیں۔“ مارے خوشی کے دماغ ایسا کھسکا کہ جو بولے..... اسے بول کر بھی نہ سمجھے کہ کیا بولے۔

”یار نیک بندہ.....“

”یار نیک بندہ.....“

”یار نیک بندہ.....“

”یار نیک بندہ.....“

”یار نیک بندہ.....“

”یار نیک بندہ.....“

”یار نیک بندہ.....“

غزل

ارموز لہر فرصت میں ملتا ہم سے
کر گیا وہ اک بہانہ ہم سے
کیا اس بات سے ڈرتے ہو تم
کہے گا کیا، یہ زمانہ ہم سے
چل گیا یہ سحر تمہارا
آنکھوں ہی آنکھوں میں کھلتا ہم سے
دعا ہے یہ میری رب سے
کہ نہ تم چھڑنا ہم سے
یوں نہیں تو سپنوں میں ہی
رہی تو مل جانا ہم سے
کچھ معلوم ہے تم کو بھی ایتن
کہ چاہتے ہیں وہ چچا چھڑانا ہم سے
شاعر: محمد امین
مرسلہ: میوند نیر، کرپاچی

”یہ تمہیں ہم دیر سے بتا چلا۔“ بیک صاحب نے اطمینان سے ان کے کہے پر ہر لگائی، وہ پھر بھی نہ سمجھے۔

”جمل فیر اس خوشی میں تجھے ٹائم کھانا کھلاؤں۔“ شہزادے کی ماں..... کدھر کم ہو..... کھانا کھاؤ۔“ ابا کی آواز کٹک رہی تھی۔ اماں فرامیادار بیویوں کی طرح جلدی جلدی ہاتھ چلائے نکلیں۔

☆☆☆

زہمی بظاہر عجیدہ اور عجیدہ بنی سب کے سچ بیٹھی تھی۔ سہیلیاں دل جوئی کم کر رہی تھیں، نمک زیادہ چھڑک رہی تھیں۔ اماں کے ہاتھ کے بے لذت آلو والے ہاتھ نرے پین سے کھائے جا رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

اس معاملے میں زہی کسی سے بچے نہیں تھی۔

”چھوٹا تو میں کیا بتا رہی تھی؟“ مردانہ وار دارکار مارنے کے بعد سندس گویا دیا کہ وہ کوئی ضروری بات بھی کر رہی تھی۔ زہی نے جان بوجھ کر بے پروائی ظاہر کی حالانکہ دل میں بچہ وہ دب کھاتے میں لگی تھی سندس کے جہاز ساز ناولوں پر جو اس کے بولنے میں آئے آئے رہتے تھے۔ جی تو وہ شاق اور آسٹریلیا میں دوہنی کی اہل موقف کر کے پیٹ کا ایندھن بھرنے میں لگی تھی۔

”وہی داستان لڑ لیتا۔“ حینا بھی پر انھوں سے فارغ ہو چکی تھی زور اور جوش دکھانے میں پوری جان لگاتی۔

”ہاں اس کی بیوی..... روزا..... ہماری زہی کے مقابلے میں.....“ سندس..... نے ”یہ“ کی شکل انگوٹھا دکھا کر ظاہر کی۔ زہی کو بے پروائی ترک کرنی پڑی۔ تھوڑی ٹھنڈی ہوا برسی کی اندر نکلیں۔ ”میں نے جب پہلے پہلے اس کو دیکھا..... مطلب فرسٹ ٹائم..... یقین کرو..... میں بھی شائستہ کی ساس ہے۔“ زہی کا منہ اور آنکھیں دونوں مکمل نکلیں۔

”شکر ہے میں نے اس کو ثانی، آٹھ بجے پکارا نہیں۔“

”شکل کی کیسی ہے؟“ زہی نے اب کی بار پورے تجسس سے پوچھا۔

”شکل میں کیا رکھا ہے، جب تمہیں بتا رہی ہوں شائستہ کی اماں جتنی ہے..... اور گوری چڑی کے علاوہ کچھ نہیں اس کے پاس..... ہماری کام دانی کی شکل اس کے مقابلے انشور ہے، لکھ کر دے دوں..... لڑکیاں شائستہ کی شکل پر ماتم کرنے لگیں۔ جس نے دلکش کا بیکہ زیب اٹھا کو چھوڑ کر بیروں پر کھڑائی ماری کی پر زہی کو نہ اس کی شکل پر

ماتم کرنے کا خیال آرہا تھا نہ اپنی کم مانگی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے اندر تو کوئی زندگی سے بھر پور تھپتھپانے لگانے میں ممکن تھا۔ گویا دل پر چھائی شکافت اترتی تھی۔

☆☆☆

اماں ن کا نکتہ بنی ہوئی تھیں۔ اور ارد گرد کی ان بھولیا صفورا، بشنم، زہیدہ، صابرہ، فہیدہ اور عزیزہ کسی سبق کی طرح ”شاقا نامہ“ سنارہی تھیں۔

”بھلے شاقا غلط ہو، پر ایک بات ماننے کی ہے، اس کی سراسرال ہے بڑی طرف دانی۔ سیماکے لیے سارا جھیز شائستہ کی بیوی کے پیروں سے بنا ہے۔“ صفورا کی اس اطلاع کو اماں غصہ نہیں کر پائیں۔ کرمی کیسے کہتی تھیں کہ اس میں ”روزا“ کی تحریف آ رہی تھی۔

”ہاں..... اماں بھی شائستہ کی شادی نے نو گھر کا گھر بدل دیا۔ ہم بچہ رہے تھے یہ بن شائستہ کی وجہ سے برسر رہا ہے۔ یہ حقیقت تو اب جا کے کھلی۔ شائستہ کی تنخواہ انہیں جتنی دولت اس کی بیوی کے پاس ہے۔ اس کی بیوی کے دم سے ان کے گھر کلمشی اترتی ہے۔ سیماکا جھیز اتنا ہے کہ تین ٹرک کم پڑ جائیں۔ یہ تو روزا کی دین ہے۔ اور سو شائستہ کی ساس نے الگ، ہسر نے الگ اپنی بھر بھر نقد دیا ہے۔ باقی گھروالوں کے تنھے بھی بے حساب، شائستہ سے چھوٹے عرفان کا بھی ویزا لگوار ہے ہیں شائستہ کے سسرالی، اس کو بھی دو ہولائیں لکھ کر رہے تھے سیماء اور اس کے شوہر کو بھی شادی کے بعد وہ کیا ہوتا ہے..... ہنی مومن..... اس کے لیے وہ ہیں لے جائیں گے۔“ اماں کی ناگواری بدتر توجہ حیرت کے سمندر میں بڑھتی گئی۔ اب یہ حالت تھی کہ کوئی چٹکی بھی کاٹ لیتا اماں کو اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ منہ کھولے، آنکھیں پھاڑے آسٹریلیا کی سیر کو جانچی تھیں۔

”ہم نے تو انگریز بیویوں کے اگلے چلنے دیکھے ہیں۔“ زہیدہ چاچی نے منہ بنایا۔ ”وہ حفظ بھائی کا، سکرٹا شیا لندن والی جولایا تھا ایک سال بھی نہیں لگی کی۔“

”وہ لندن والی تھی، یہ آسٹریلیا والی ہے۔ اس لیے تو یہ کچھ تین سال سے شائستہ کے ساتھ ہے۔“

”تین سال.....“ اماں کے انتہاک میں کچھ غلط ہوا۔

”تین سال..... ایک بیٹا بھی ہے۔“ یہ نئی اور اذیت بھری اطلاع تھی۔ اماں کا چہرہ دھواں ہوا اس نے کہ۔

”یہ پرویز بھائی اور ناصرہ جب پچھلے سال ہاں گئے تھے آسٹریلیا شائستہ کے بلاوے پر تھے۔ جب سے ان کو پتا لگ گیا تھا۔ شائستہ کی شادی اور بچے کا۔ اب جاکر باقیں مکمل رہے ہیں کہ وہاں کے گھر چپ سادہ کی کہ اشفاق خود آ کر سب بتائے گا ہم کیسے بتاتے.....“ اماں کے اندر اذیتیں اچھلنے لگیں۔ شائستہ کے اماں اباکا پچھلے سال آسٹریلیا سیر کو جانا ان کے علم میں تھا۔

”اچھا میں..... جینا! اب تو دل پر مت لے۔“ شاپاش بہادر بن..... ”عزیزہ کو ترس آ گیا تھا اماں کی حالت دیکھ کر۔“

”ظلم کیا تمہوں نے۔“ اماں کی آواز میں آسٹریلیا کی آمیزش تھی۔ ”جب بتا دیتے بیٹے کے کرتوت تو آج حالات ایسے نہ ہوتے کیا پتا میری لاشی کی اس سے بھی اچھی بیکہ شادی ہو جاتی۔“

”ابو..... وہ تو اب بھی ہو جائے گی اللہ کرے گا تو دیکھنا تو کسی۔ پتا بھی نہیں چلے گا۔“

”سیماکا شائستہ کی لڑکیں سے میرے کی انگوٹھی اٹھ دی ہے۔“ صفورا نے قدرے تیز آواز میں موصوع کلام نوٹی ہوئی جگہ سے جڑ کر سب کو بھر چڑھا۔

”ساحنے پر بچو کر دیا۔“

”میرے کی انگوٹھی!“ اماں دوسری سانس لیتا بھول گئیں۔

”ہاں، ہاں اور سنو.....“ بچہ ابھی باقی ہے۔“

”شائستہ کی وہ دہنی فر فر پٹپٹا بیٹتی ہے۔ اس کے ماں باپ کو بھی آدمی ادھوری آتی ہے۔ شائستہ کے ماں باپ بھوپہ واری صدفے چارے ہیں۔ کہتے ہیں آسٹریلیا میں بھی اس نے ان کو بہت کچھ دیا تھا۔ پرویز اور روزا جب کام کے لیے نکلے گئے تو روزا گھر میں قافیں، ٹھکیں منگوا کر انہیں دی جاتی کہ وہ بور نہ ہوں۔ سیر کے لیے بھی خود لے جاتی۔“

”اب سیماکا شادی کے لیے آئے ہیں؟“ کسی نے پوچھا۔

”ہاں..... اکلوتی بہن تو جی۔ شائستہ نے تو آنا ہی تھا۔ ساتھ بیوی..... اور ساس، ہسر کی بھی روزگاری کردی۔“ باقیں نے چاہنے اور کتنی دیر تک رہی تھیں۔

”گھر کی آئینہ حد تک اماں کے اندر کی گفت، نا معلوم کیفیت میں بدلنے لگی تھی۔ وہ پوری طرح کم غم تھیں۔“

☆☆☆

کم و بیش اسی قسم کے قہیدے اب تک بھی ضروری مدد کی صورت پہنچنے لگے۔

”شائستہ کی وہ دہنی نے کھ کر آداب دل کر رکھ دیا ہے۔ بڑی شکار اور دنیا فیس ہے۔ شائستہ کا سوہرا تو اپنا ہوا تو کیا بچہ۔ روز رات گئے تک مہویدار کی جینک میں ہمارے ساتھ بیٹھا رہتا ہے۔ اس کی رنگ برنگی بچائی خوش کر دیتی ہے۔ پورا زور دیا کہ وہ آسٹریلیا واپس جانے تک سیکھ جائے اور تو اور وہ جو سرائیکی جھکے ہوئے اپنا پیار..... اس نے تو آسٹریلیا میں سوہرے کو دو کا پہاڑ یا کروانے میں دن رات ایک کر دیے ہیں۔ بارہم جہنناں اس سے سرائیکی زبان میں دو کا

پہاڑہ.....ہنس ہنس کے پیٹ میں درد کروالو..... بڑا
بیابانہ ہے سیدھا سادہ..... جتنی بار لڑکی بازی ہمارا
ہے، اتنی بار لڑکائی، چہرے اور پسینے کھلائے ہیں اور
سن..... صدالہین کا چٹا سر ہموں سے گر گیا تین دن
ہوئے..... علاج کا خرچہ سوہرے نے دیا.....
”کیوں..... اس کا مفت کا مال ہے؟“ اپانے
انکارے چلائے تھے۔

”مفت کا ہو یا محنت کا..... اس نے تو صدور
الدین کی مدد کی.....“
”جیسے اللہ تو فیق دے.....“
”سوہرا کہہ رہا تھا میرے تیمور کو آسٹرلیا
بلوائے گا.....“
”میرے اشعر کو بھی کہا وہاں لے جانے کا..... ابا
یہاں ہوتی ہے ایک ایک کامند دیکھنے لگے تھے۔

☆☆☆☆
بالآخر وہ چیز آگئی جس کا انتظار سب کو تھا مگر
صرف اندر خانے یعنی دل میں ایک دوسرے کے
سامنے بے پروائی ظاہر کی جاتی یعنی سیما کی شادی کا
کارڈ..... جو جب سب سے پہلے اقامت میں
آئے..... خوب گرجے دھاڑے..... مگر کی جتنیں تک
نہیں گئیں۔

”کوئی نہیں جائے گا..... کوئی جائے گا بھی
کیسے..... ارے ان بے شرموں کو کہیں کارڈ بھیجے شرم
بھی نہیں آئی..... سوچا بھی کیسے نہیں بھیجے گا اور سوچ
کیسے کہتے ہیں ہم جاؤں گے ان کی بیٹی کی شادی
میں ارے پیٹہ چیخے دار کیا ہے انہوں نے میں چھوڑوں
گیا کہ سب..... قیامت تک بدلہ لوں گا..... سات بیٹیں
کاچیں کی میرے نام سے.....“ پھر کارڈ کیا اماں کے
ہاتھ میں دو کر گئیں ابھی دیکھ رہیں تھیں۔
”ارے غلاموں نے کس منہ سے یہ کاغذ کاغذ
بھجوا..... جو دل کر آتے ہوئے نگوے دیکھتے تھے؟ میری

بچی کے قیمتی سال برباد کر دیے..... میں اپنی زہری
ہاتھ پیلے کر چکی ہوئی..... ان غلاموں کے آسرے
اسنے سال بھٹائے رکھا..... ہائے سیری کم نصیب
بچی..... ہائے میں بد بخت..... زہری اور شہزادہ
مصلح گرم گرم تاثرات دکھانے پر اکتفا کیا تھا۔
”کوئی نہیں جائے گا..... دونوں کے منہ پر کڑک
تھا۔

☆☆☆☆
رات بہت ہوگئی تھی..... کم از کم ان کے سونے
کے وقت سے بہت زیادہ..... اماں اور ابا کی رات
ساڑھے نو بجے ہو جاتی تھی مگر اس وقت بارہ بج چکے
تھے اور چند کئی کو کوسوں دور..... روٹی مجبور بن کر کھاتی
تھی۔

سیما کی شادی ہوئی تھی سوان کے بغیر بھی ہو کر
رہی..... اب ٹھیک تیرے دن شائے، اس کی بیوی اور
ساس سسر کی جتنی بھی آسٹرلیا..... حیرت انگیز طور
آسٹرلیا سوہرے نے اپنے وعدے پورے کر دکھا۔
تھے..... جن جن کے کاغذات یا پاسپورٹ اور ویزے
کے مسئلے نہیں تھے..... وہ سوہرے کی مدد سے آسٹریا
روا گیا..... کہ لے کر لے کر تیار تھے..... ان سب کے مگر والوں
کے قدم زمین پر رکھ رہے تھے..... گویا سوان
کی شادی سے کوئی خسارے میں نہیں رہا تھا۔

”کیا واقعی؟“..... کرسی پر جمو لے کر
مانے ابانے بھیجی آنکھوں سے بیوی کو دیکھا.....
پوری آنکھیں کھولے دور کہیں خلاؤں میں گم تھیں
نصیب کے پتھر تھے..... شائے کی بیٹی شادی ان کے
لیے خسارہ ہی خسارہ لاتی تھی۔

☆☆☆☆
ڈرائنگ روم میں اسے نفوس جمع تھے کہ اچھا
ڈرائنگ روم تنگ پڑ رہا تھا..... سہانہ تو سہانہ مگر
بھی سبھی افراد ڈرائنگ روم میں جمع تھے.....

صحت..... جس کی نظریں بار بار ہینک کر دوڑا پر پڑ رہی
تھیں..... سب نے جھوٹ بولا تھا روز تو واقعی ”روز“
جی بہت کا منی اور مصحوم سی..... زہری تو اس کے مقابلے
خانہ بدوشوں کی لڑکی نظر آ رہی تھی اور وہ کالا موٹا
انا تھا..... وہ تو غیور ہو کر آیا تھا..... اتنا اسارت اور ٹھیک
ٹھاک گورا..... شائے کے ساس، سسر البتہ خوب
موٹے تازے تھے..... شائے کے اماں..... ابا..... اور جن
کی دعوت کے یہاں ان سب کو خاص الخاص بلایا گیا۔
یعنی سیما اور اس کا دودھلا۔

”چاچا نہیں آئے میرا دل ڈراما بھی نہیں لگا
پڑا ہی میں..... یہ سیما جی..... منہ بور کر بلکہ منہ چھڑا کر
بھینگی والی محبت کیا جلتا ہی ابا قریبان ہو گئے۔

”بس دیکھ ہو گیا ناں..... دیکھ اب تیرے
ہاچے نے کسی خوشبوؤں والی دعوت کی ہے تیرا گلہ
دور کرنے کے لیے.....“ اب یہ اللہ جانتا تھا ابا مگر
والے گلہ گلہ کر دور کرنا..... انہوں نے خسارہ دور کرنا
تھا۔

”ابھی اب دوستان کوئی ایسے بھی چھوڑی
جاتی ہیں..... معمولی باتوں پر..... شائے کے ابا نے
لٹکا لگا کر کہا۔

”او نہیں تو کیا..... قسم لے لو حیدر تمہارے بغیر
میں نے سیما کے ویسے کارڈ بھی نہیں پھینکا..... سب کہہ
ہے تھے آفت زدہ تھیں کسی کے ویسے کا ایسا نہیں کیا.....“
”میں کون سا خوش بھیجی تھی.....“ دونوں اماں
گل ل کر نہ تھیں..... ابا بھی شائے کے ابا سے پیچھے
گر لے..... شہزادے بھی شائے سے ملنے وقت خوب
گر لوش لکھا ہی تھی..... یہی نہیں ابا نے شائے کے بیٹے کو
ہزار کا نوٹ تو اماں نے سیما اور روزا کو ہزار ہزار
بھجوائے..... ابا نے بطور خاص سوہرے سے جن کا نام
”امام“..... تھا مگر آسٹرلیا سوہرا بیار میں مشہور
لگے تھے..... پھر ابراہیم..... میں..... دو کا پہاڑہ..... بناہ سوہرا

صاحب سرائیکی میں دو کہنے پر جو باکان
ہوئے..... جملہ حاضرین کے کن کر پیٹ میں گر رہیں
پڑیں..... وہ بقیہ کچھت لڑ رہی۔
دیکھتے رنگوں والے چہرے کل تک کیا تھے آج
کیا ہوئے بیٹھے تھے..... ”خمارہ“..... جب کسی کو کہیں ہوا تھا
شائے کی شادی کا تو ابا جیسے بندے کو کیوں کہل ہوتا
جو دور دور کو بائیں کرو پے میں مشہور تھے..... ان کے
کاروباری ذہن نے اسی رات ہی پتہ چلا دیا تھا..... جب
محلے والے شائے کے تو سارے آسٹرلیا جاسکتے تھے تو
ان کا شہزادہ کیوں نہیں..... ان کا حق محلے والوں سے
زیادہ بنتا تھا..... شہزادہ آسٹرلیا جاتا جاتا..... مگر کہ سب
مستے زہری کی شادی سمیت حل ہو جاتے تھے۔

”پتر..... اس گلہ کے لیے تم خود
”روزا جی“..... بھی دوڑی دھوڑ کے پیادہ دیا..... یہ تو اپنی
ٹامی بھی سی لاسکتا ہے بس.....“ دعوت آخری مراس
میں جی جب ابا نے یہ کہہ کر گویا سب سے بڑی خواہش
کو زبان دی..... یعنی بدلتا ہے رنگ اس کا نہیں کیسے۔

”چاچا فکر نہ کریں..... روزا جی بھی دوڑوڑوں
گا.....“ ابا اور اماں ہی نہیں زہری بھی ہلکی ہلکی ہوگی.....
شہزادہ کو فی الحال شرنانے سے فرصت نہیں تھی۔
خزیر سے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکرتا ہے..... آسٹرلیا
پھر آسٹرلیا بیوی، آسٹرلیا ساس، سسر..... بہن
کا..... آنکھوں کو چھوڑ دیا..... اور چھوٹے بھائیوں
کا بھی غیر ملک محفوظ مستقبل پر خیال بلکہ فائدہ ابا
اماں کے مگر بھی خطر ہار سکتے تھے اگر وہ زہری والا خسارہ
پر سے پھینک کر حقیقت شناس تھے..... شہزادہ آسٹرلیا
بھرنے لگا زہری کا رشتہ زیادہ بہتر جگہ ہو جاتا تھا..... یعنی
مواضع مندرہ..... شائے اور اس کے سسرے شہزادہ کا.....
ویزا..... گت سارا خرچہ خود برداشت کرتا تھا..... یہاں
سب خربوزے ہیں مان میں۔

زندگی میں جہاں رشتے ناتے اور روابط بہت اہم ہوا کرتے ہیں... وہیں ایک دوسرے کے مثبت رویے بھی کسی خاندان کے لیے مضبوط ستون کا درجہ رکھتے ہیں... مگر ہمیں بہت سے لوگ، بہت سے مواقع ایسے ضرور ملتے ہیں... جب محبت دستک دیتی ہے... اور اس کی خوشبو میں روشنی کی تابناکی بھی ہوا کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ... مگر و فریب... سفاسکی اور تنگ نظری کے سائے... ازل سے محبت کرنے والوں کے دشمن رہے ہیں اور زندگی بھی یہی ہے کہ کبھی کبھی تڑپ کی لگی بھی حکم کے اکے کو کاٹ دیا کرتی ہے... ہماری ہاے تازہ مصنفہ نایبہ سلطانہ اختر کے قلم سے ایک شاہکار ناول

جس کی سرسری میں زندگی سوکرتی نظر آئے گی



ناموسی رعی پھر نو جوان عورت نے اس سکوت کو توڑا۔

پہلے پہلے اپنے آپ کے پرہیز

”میرا نام بسمہ ہے، یہ میری والدہ ہیں۔“ اپنے دوسرے جیلے پر اس نے دوسری عورت کی جانب دیکھا۔
 ”مسز رحیم شاہ.....“ مسمر عورت نے اپنا تعارف مکمل کر لیا۔

”آپ لوگ آئے کہاں سے ہیں؟“
 ”ڈیفنس سے۔“ مسز رحیم شاہ نے بتایا۔ ”الطاف میرا داماد ہے۔“

”اور میرے سپینڈ۔“ نوجوان عورت نے جتایا۔
 ای نے کن انکیوں سے حجاب کے تاثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ اس کے چہرے پر انہیں کوئی غیر معمولی تاثر دکھائی نہیں دیا۔

”مجھے پتا چل جاتا تو میں اسی دن آتی۔“ بسمہ نے کہا۔
 ”تو کیسے آ سکتی تھی بیٹا تو اس روز لیبر روم میں تھی۔“ ماں نے بسمہ کی بات پر اسے ٹوکا۔
 ”مئی! مجھے پتا چل جاتا تو چاہے لیبر روم سے اٹھ کر آتا پڑتا مجھے میں آتی اور الطاف کا حشر نشر کر دیتی۔“
 بسمہ کا لہجہ جارحانہ تھا۔

”آپ کو پتا کیوں نہیں چلا؟“ بسمہ اس کی والدہ اور خود امی نے بھی چونک کر حجاب کی جانب دیکھا۔ اس نے بولنے کی ہمت کیسے کر لی تھی۔ اسے تو صدمے سے سکتہ ہونا چاہیے تھا۔
 ”الطاف سے ہم لوگوں کی کچھ ان بن چل رہی ہے اس لیے یہ اپنے گھر میں نہیں ہوتی ہمارے پاس آئی ہوئی ہے۔“ مسز رحیم شاہ نے بتایا۔

”آپ کو پتا کیسے چلا؟“ اب کی بار بھی سوال حجاب ہی کی طرف سے آیا اور اس کے اس سوال نے بسمہ کو دوبارہ یہ پوچھنے پر مجبور کر دیا۔
 ”تم حجاب ہی ہوتا؟“
 ”آپ کو کچھ شبہ ہے؟“

”نہیں، نہیں۔“ بسمہ خفیف ہو گئی۔ ”وہ تو میں تمہارے ہاتھوں پر مہندی دیکھ کر سمجھ گئی تھی۔“
 ”آپ غالباً حیران ہیں کہ میں کیوں بات کر رہی ہوں۔“

”میں غصے میں آئی تھی لیکن آپ لوگوں کا رویہ دیکھ کر مجھے اب شرم بھی آرہی ہے۔“
 ”آپ بے تکلف ہو کر بات کریں۔ یہ جتنا آپ کی زندگی کا معاملہ ہے اتنا ہی میرا بھی ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقت کیا ہے۔ دھوکا دیا گیا ہے تو کس کو کتنا۔“ حجاب نے کہا۔

”ہمیں تو کچھ پتا ہی نہیں تھا۔ جب یہ بچہ پیدا ہوا تو ہم نے الطاف کو فون پر اطلاع دی۔ امید تھی کہ اتنی بڑی خبر سن کر وہ دوڑا آئے گا مگر اس نے پلٹ کر نہیں پوچھا۔ دو دن پہلے کسی جاننے والے نے بتایا کہ الطاف تو کسی لڑکی سے نکاح کر کے گیا ہے۔ بڑی مشکل سے آپ لوگوں کے گھر کا پتا چلایا۔“
 ”کس سے۔ کس نے بتایا؟“ ای نے پوچھا۔

”آئی ڈھونڈنے پر آؤ تو خدا بھی مل جاتا ہے۔“ بسمہ نے ای کو لا جواب کر دیا۔
 ”نکاح تو ہوا ہے نا؟“ بسمہ کی والدہ نے تو یقین چاہی۔

ای نے اثبات میں سر ہلایا۔ بسمہ کی والدہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

”ماشاء اللہ آپ کی بیٹی بھی خوش شکل ہے، میں پوچھ سکتی ہوں الطاف کو آپ لوگوں کو اندھیرے میں رکھ کر دوسری شادی کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ میاں بیوی میں ان بن تو ہو ہی جاتی ہے۔“ امی نے متحمل لہجے میں کہا۔

”دیکھیں۔“ بسمہ نے مداخلت کی۔ ”ہم اس وقت ایک اہم معاملے پر بات کر رہے ہیں اس لیے بہتر ہوگا کہ مکمل کر بات کریں۔“

”بالکل۔“ امی نے تائید کی۔

بسمہ نے بچے کو اپنی والدہ کے حوالے کیا اور سٹ کر بیٹھتے ہوئے اپنا روئے سخن بیک وقت امی اور حجاب کی جانب کرتے ہوئے بولی۔ ”ہر شخص کا ایک ماضی ہوتا ہے لیکن کسی کے حال یا مستقبل کو آپ اس کے ماضی کی وجہ سے بر باد کریں تو یہ زیادتی ہے یا تو آپ اس سے تعلق ہی نہیں جوڑیں اور اگر جوڑ لیتے ہیں تو پھر اس تعلق کو انسانوں کی طرح نبھائیں۔ اسے جانوروں کی طرح بھنبھوڑ کر سسکنے کے لیے نہ چھوڑیں یہ بے رحمی ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟“ اس نے اپنے آخری فقرے پر ابی اور حجاب سے اُن کی رائے چاہی۔

”بالکل ٹھیک۔“ حجاب نے پر ملا تائید کی۔

بسمہ نے سر جھکا لیا اور آہستگی سے بولی۔ ”مجھ میں اتنی اخلاقی جرأت ہے کہ اپنے گناہ کا اعتراف کر سکوں۔۔۔۔۔“ اس نے توقف کیا پھر کہا۔ ”الطاف سے میری شادی ہونے سے پہلے میری کسی اور سے انڈیگزنگ تھی مگر نہ اس کے گھر والے راضی تھے نہ میرے گھر والے۔ الطاف سے ہماری دور در دوری رشتے داری ہے۔ اس نے مجھے پسند کر لیا۔ رشتے داروں میں کسی نے اسے ہٹا دیا کہ میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں اس کے باوجود الطاف نے مجھ سے شادی کر لی۔ شادی کے بعد میں پچھلا سب کچھ بھول گئی۔ میں نے الطاف کو عزت دی، مکریم کی، دل میں اس کی محبت کو جگہ دی۔ اس کے ساتھ غلطی نہ رہی۔ اس کے گھر کو اپنا گھر، اس کی ہر چیز کو اپنے پاس اس کی امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کی کوشش کی لیکن الطاف نے مجھے ہمیشہ میرے ماضی کے آئینے میں دیکھا۔ مجھے کبھی وہ اعتبار نہیں دیا جو ایک عورت کا بیوی ہونے کے ناتے ہوتا ہے۔ پریشانی کے بعد وہ مجھے دہلی سے پاکستان لائے اور یہ کہہ کر مجھے میرے والدین کے گھر چھوڑ گئے کہ یہ میرے لائق نہیں۔“ دھیمے لہجے میں بات کرتے کرتے وہ یک لخت بھڑک اٹھی۔

”یہ کہاں کی انسانیت ہے بھئی کہ تم نے ایک لڑکی سے شادی کی۔ اس سے جب تک تمہارا دل جا پا اپنا مطلب نکالا پھر چھوڑ گئے۔ صرف اس لیے کہ تمہیں اس کے ماضی کی ایک کمزوری کا علم تھا۔ کسی کو کیا پتا کہ تمہارا اپنا ماضی کیا رہا؟ کتنی لڑکیوں سے چکر چلایا۔۔۔۔۔! کس کس کو بر باد کیا، کوئی شغلیت پیش کر سکتے ہو اپنی پارسائی کا۔۔۔۔۔ یہ زیادتی ہے۔۔۔۔۔ اتحصال ہے، میں اسے کندم کرتی ہوں اور اپنے حق کے لیے لڑنے لگی ہوں۔ انجام کی مجھے اکل پروا نہیں۔ میرا موقف یہ ہے کہ الطاف کو شادی سے پہلے ہی میرے ماضی کا علم ہو گیا تھا۔ اسے یا تو مجھ سے شادی کرنی نہیں چاہیے تھی اور اگر کی تو نبھانا تھی۔ یہ کیا کہ جب تک آپ کا جی چاہا رکھا اور جب جی بھر گیا تو نکال پھینکا۔ میں اسے چین سے تو نہیں رہنے دوں گی۔“

”میں نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ مرد ہے، چار شادیوں کا حق ہے اسے مگر یہ سنتی ہی نہیں۔“ بسمہ کی می می نے

کہا۔

لی ہوں الطاف تو مجھے ایک سانس میں تین طلاقیں دے دے گا۔“

”وہ آپ کو طلاق دے یا نہ دے مجھ سے اپنا رشتہ بہر حال توڑا ہوگا اسے۔“

ای ہڑ بڑا کر جواب کو دیکھنے لگیں۔

”نہیں، نہیں، ہمارا یہ مقصد نہیں۔ اگر الطاف ہماری بیٹی کو اپنے گھر میں نہیں بساتا چاہتا تو ہم تمہارا ہستا گھر اٹھا رہیں۔ اس نے تو کہیں نہ نہیں کر لی تھی شادی۔ بسہ کا بھی یہ مقصد نہیں، کیوں بسہ؟“ بسہ کی ماں نے بسہ کی طرف دیکھا۔

”ہاں وہ تم سے نہ کرتا کسی اور سے کرتا، دوسری شادی تو اس نے کر لی تھی۔ میں یہاں نہ آتی اگر مجھے یہ پتا نہ چلتا کہ وہ خود کو خیر شادی شدہ ظاہر کر کے دوسرا نکاح کر کے گیا ہے۔ میں چاہتی ہوں جس طرح اس نے ناشی میں کسی اور کے لیے میری پسندیدگی کے جذبات کو بسہ کے لیے ایک طعنہ بنا کر رکھا اور مجھے ہمیشہ اپنی نظروں سے گرا کر رکھا اس طرح وہ خود بھی اپنے جھوٹ کی سزا میں ہمیشہ تمہاری نظروں سے گرا رہے۔“ بسہ کے لیے جیسی شی جی، کرب تھا۔

”مجھ سے تو اس کا رشتہ ختم ہو کر رہے گا۔“ عجب نے فیصلہ کر لیا۔

”عجب! اے کی کے لیے میں محتاطی سمجھتی تھی۔“

”یہ فیصلہ ہے اے۔“ اس نے انتہائی قطعیت سے کہا۔ زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جب ای کے بجائے وہ خود اپنی زندگی کے لیے کوئی فیصلہ کرنے کا اعلان کر رہی تھی۔

☆☆☆

”ای نہیں ہوتا..... مفاہمت کے راستے کالے جاتے ہیں..... سمجھو تا کرنا پڑتا ہے۔ جب کہیں جا کر زندگی گزرتی ہے۔“ ای نے دونوں خواتین کے جانے کے بعد اسے چھایا۔

”میں کوئی مفاہمت نہیں کروں گی ای۔“ اس نے دونوں کہا۔

”کیوں؟ کیوں نہیں کرو گی؟“ ای نے تیوری چڑھا کر دیکھا۔

”جھوٹے اور دھوکے باز آدمی کی میری زندگی میں کوئی چاہ نہیں۔“

”ہو سکتا ہے جھوٹی یہ عورتیں ہی ہوں۔“

”ہاتھ لگن کو آ رہی کیا..... آپ براہ راست اس شخص سے یا اس کی بہنوں سے پوچھ لیں۔“

”یہ کیوں کہ تمہاری بیوی اور سراسر آئی تھیں۔“

”ان کا حوالہ دینے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ کسی ذریعے سے پتا چلا ہے۔“

”پہلے تباہ اور بھرت کو تو بتا دوں۔“

”خون پر مت بتائے گا گھر بنا کر پوری بات بتائیں۔“

”خانم خانم اور ارم کو بہک نہیں لٹی چاہیے۔“

”کیوں؟“

”نہیں گے۔“

”آج نہیں تو کل پتا تو یہی کوٹے گا۔“

”جتنی آسانی سے نہیں جی۔“ بسہ نے ماں کو دیکھا اور چار چاند انداز میں بولی۔ ”میں ابھی اس کے نکاح میں ہوں اور قانون کے تحت وہ مجھ سے اجازت کے بغیر دوسری شادی نہیں کر سکتا اور نہ سزاوار جرم ماند دینا پڑے اسے..... اس نے جو کرنا تھا کر لیا۔ میں بھی جو کر سکتی ہوں وہ کروں گی۔“ اچانک اس نے عجب کو براہ راست مخاطب کیا۔ ”عجب! ایمانداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ الطاف تم سے نکاح کرنے سے پہلے خود تم کو لوگوں کو یہ بتاتا کہ اس کی پہلی شادی دوسری شادی ہے لیکن جس رشتے دار نے ہمیں اس کی دوسری شادی کے بارے میں بتایا اس سے پتا چلا کہ وہ اور اس کی بہنیں باقی رشتے داروں سے چپ چپاتے لڑکی والوں پر یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ الطاف کی پہلی شادی ہے۔“

”جس رشتے دار کو یہ پتا ہے وہ دوسروں کو بھی تو بتا سکتا ہے۔“ ای بولیں۔

”پتا بتا چلی چکا ہے سب کو..... اور میں بھی یہ تیرہ رچکی ہوں کہ الطاف کو اپنا اجازت دوسری شادی کرے۔ پر اسرا ضرور دلوں کر گزروں گی۔ اس کے بعد خود مجھے اس کی طرف سے جو بھی سزا ملے منظور..... بسہ کی آنکھوں میں آنسو اُٹے۔ عجب اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے پاس جا بیٹھی۔ ای تیرانی سے اسے دیکھنے لگیں۔

”ایک بات پوچھوں؟“ عجب نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرے ہوئے کہا۔

”پوچھو۔“ بسہ اسے ابھی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

”اس سے کتنا پیار ہے آپ کو؟“ عجب نے بسہ کی والدہ کی گود میں اس کے نوزائیدہ بیٹے کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔

”مت پوچھو.....“ بسہ نے جبکہ کر بچے کا سر چوما۔

”اس اپنی بیوی اور بیٹی چیز کو آپ نے میرے قدموں میں ڈالنے کی غلطی کیوں کی؟“

”جب کچھ مجھ میں نہ آئے تو پھر ایسی ہی حالتیں کیا کرتا ہے انسان۔“ بسہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ماتا کہ آپ کو الطاف سے تکلیف پہنچی ہے مگر الطاف کا بیٹا ہونے کی اتنی بڑی سزا اس ننھی سی جان کے لیے کسی طور پر مناسب نہیں۔“

بسہ مزید شرمندہ دکھائی دینے لگی۔

”ایسا کیا بات بتائیں..... اگر میں اس کے باپ سے اپنے نکاح کے جرم میں اسے سنبھالنے پر آمادہ ہو جاؤں تو چھوڑ دیں آپ اسے میرے پاس؟“ عجب نے کہا۔

”اور میرا ڈیڈی ڈیڈی اوہ شرنی کی طرح بھڑک رہی۔“ اس کا باپ بھی نہیں لے سکا اسے مجھ سے۔“ اس نے بچے کو نانی کے ہاتھوں سے لے کر اپنے سینے سے لگا لیا اور اپنے ہونٹ اس کے سر سے مس کرتے ہوئے عجب کو کچھ اس طرح دیکھنے لگی جیسے وہ واقعتاً اس کا بچہ اپنی تحویل میں ہی تو لینے جا رہی تھی۔ عجب دھیرے سے مسکرائی۔

”ایسی مشکوک نظروں سے مت دیکھیں مجھے.....“ اس نے توقف کیا پھر بولی۔ ”میں آپ کو یقین دلائی ہوں کہ میری طرف سے آپ سے کتنی پرکوشی آج نہیں آئے گی۔“

”حق! بسہ نے کرب سے کہا۔“ پہلے کو سا کوئی حق تھا میرا..... یہ جانے کے بعد کہ میں آپ لوگوں سے

وہ خاموش ہو رہی۔ جی چاہ رہا تھا قسمت کی ستمگر بی بی پر چٹیل مار مار کر روئے مگر اس نے اپنے دلے اور انگوٹوں پر غصہ کے پھرے بشار کئے تھے۔ ذہن جنگل ہو رہا تھا۔ کیا یہ تھے وہ دشمن اور حادثہ جس کے بارے میں طالب نے اسے وہی جانے سے قتل ہو سار کیا تھا۔ یا اسے اپنی سابقہ سہیلی زہرا بی کے بارے میں یہ کہنے کی سزا تھی کہ وہ تو کسی قیمت پر کسی شادی شدہ مرد سے خواہ اس کی بیوی زندہ ہو یا مردہ شادی کرنے کی غلطی نہیں کرے۔ اوہ خدا!..... جو بھی سبب تھا حیات کا یہ رخ انتہائی دل آزار اور دل تنگ تھا۔

”آپ اور میرے بھائی بہن ہیں نا، مجھے قوت دینے کے لیے۔“
 ”عورت کو بھائی، بہنوئی سے نہیں شوہر اور اپنی اولاد سے قوت ملتی ہے۔“
 دوسرے کمرے میں اس کا موبائل فون بجنے کی آواز سنائی دینے پر ای چٹکی سی نظر آنے لگیں۔ ”گلتا ہے
 تمہارا فون بج رہا ہے۔“

وہ اُٹھی اور دریاں دیکھیں وہ دیکھ بیٹ آئی۔
 ”کس کا تون تھا؟“ اسی نے پوچھا۔
 ”اسی کا۔“
 ”الطاف کا۔“
 اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”کیا کبر ہوا تھا؟“
 ”میں نے سوئیاں آف کر لیا ہے۔“
 ”کیوں؟“ امی چوئیں۔
 وہ چپ رہی۔
 ”کیوں آف کر دیا؟ بات تو کی ہوتی۔“
 ”کیا بات کرتی امی! اگر سمجھ اس کی بیوی ہے..... جو کہ وہ ہے..... تو میرے پاس کیا جواز دہ جاتا ہے اس
 کچھ دیر بعد اسے کھڑکی کی جانب سے گھس پھسکی آواز سنا دی۔ اس نے نظر اٹھا کر کھڑکی کی طرف دیکھا
 تو تعجب اور اتقار کے کچھروں سے چہرہ دکھائی دیے۔ وہ کھڑکی سے کمرے میں جھانک رہی تھی لیکن اسے اپنی طرف
 دیکھنے یا کر وہ کھڑکی کے پاس سے یک لخت یوں غائب ہو گئیں جیسے تنہا کی نظر دوبارہ اُن پر پڑتی تو وہ پتھر کی
 دیوار کا ٹکڑا بن جاتی۔ اس کا جی چاہا اُسے کھڑکی تک جائے۔ باہر جھانک کر، بہوں کو بکاسے اور کہے۔ ”آؤ..... مجھے
 مجھے بتاؤ میرے پیچھے گھر میں کیا ہوتا رہا؟“ مگر وہ ایسا کب کر سکتی تھی۔ وقت اس نے اس کے پاؤں میں
 ڈال ڈال دی تھی۔

سے بات کرنے کا۔“

”تم بھی اس کی بیوی ہو۔ آخر میں بھی تو تمہارے باپ کی پہلی بیوی کی موجودگی میں اُن کی دوسری بیوی بن کر ساری زندگی اُن کے ساتھ رہی۔“

”میرا باپ دھوکے باز نہیں تھا ہی۔۔۔۔۔ آپ سے شادی کرنے سے پہلے انہوں نے آپ کے گھر والوں کو سب کچھ بتا کر رکھا تھا کہ نہیں۔“

”بعض اوقات مجبوراً یوں ہوتی ہیں جو بتانے نہیں دیتیں۔“

”مجبوری و جبوری کچھ نہیں..... وہ فراڈی ہے..... آج اس نے پہلی بیوی کی موجودگی چھپائی ہے کل نہ نگرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا۔ اس نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔ اپنے ہی گھر میں خوف

منیدسولی بر بھی آجاتی ہے وہ تو اپنے کمرے میں انے بستر پر تھی۔ دہرے سے سی مگر منید آگئی۔ رات کے پچھلے

”بچہ ہو رہا ہوتا تو لڑو الی بات تھی۔“ اس نے توفف کیا پھر پوچھا۔ ”ڈانٹ پڑی؟“

”کیونکہ یہ میری زندگی کا معاملہ ہے۔“

”اس نے پانچ منٹ بعد تمہارا سر پھون کرنے کو کہا تھا۔ وہ خون کر رہا ہوگا۔ اپنا فون آن کر دو۔“

”سوری۔“

”تمہارا نمبر بند ملا تو وہ پھر بھی کو کرے گا۔“

”آپ کہہ دیں اس سے کہ وہ تمہارا فون نہیں سننا چاہتی۔ صاف صاف بات کیوں نہیں کر لیتیں آپ اس

۔۔۔“

”کیا صاف صاف.....؟“

”یہی کہ میں تمہاری پہلی شادی اور بچے کا تامل گیا ہے۔“

”ارے تو کون سا کوئی غضب ہو گیا۔ دین اسلام میں تو مرد کو چار شادیوں کی اجازت ہے۔“

”مگر دھوکا دے کر نہیں۔“

”کوئی مجبوری ہوئی ہے چار سے کی۔“

”بے چارہ!“ وہ چیخے لگی۔

”اور کیا مرد بے چاروں کی سو مجبوریوں ہوتی ہیں۔“

”میری بھی مجبوری ہے۔“

”تمہاری کیا مجبوری بچہ اُتی چو کہیں۔“

”مجھے بائر نکلتا ہوتا ہے۔ لوگوں کو فیس کرنا ہوتا ہے، میرے ساتھ کام کرنے والے لوگ، اسٹوڈنٹس، ان

کے والدین سب یہ سمجھیں گے کہ میں نے نیک و ملت مند آدمی سے اس کی پہلی بیوی اور بچے کے ہوتے ہوئے

بھی محض اس کی دولت کے لالچ میں شادی کر لی۔“

”تمہیں لوگوں کی فکر کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ رخصتی کے بعد تو وہ تمہیں اپنے ساتھ دئی لے جائے گا۔ نئی

دنیو بنا دیگا، نئے لوگ۔“

”مجبوری یہ بھی ہے کہ میں اس کی پہلی بیوی کو زندہ دے چکی ہوں کہ میرا اس سے رشتہ ختم سمجھے۔“

”یوں کہہ دینے سے رشتہ ختم نہیں ہو جاتا۔“

”جانتی ہوں۔“

”تو پھر ایسی بات زبان سے نکالے سے فائدہ۔“

”ای، کبھی رشتے کی اہمیت دل میں اس رشتے کے احساس سے ہوتی ہے۔ جس رشتے کو دل ہی قبول نہ

کرے تو پھر اس کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔ بابا سے بی بی جان کا نکاح تو کروایا گیا تھا لیکن کیا وہ ساری زندگی اس

رشتے کو کوئی اہمیت دے سکے۔“

”اُن کے ساتھ تو زیادتی ہوئی تھی۔ نا سمجھی کی عمر میں انہیں ایک ایسی عورت کے ساتھ رشتے میں باندھ دیا

کیا جسے وہ اس کی طرح سمجھتے تھے۔“

”میرا خیال ہے کہ شخص پر آپ کا اعتبار جاتے رہنا عمر کے تفاوت سے بھی بڑا ہے ساتھ۔“ ”جب اب کی

آواز یک لخت رعدہ گئی۔

پھر آنکھ کھلی تو سخت پیاس کا احساس ہوا۔ اس نے موبائل آن کر کے وقت دیکھا دو بج کر پچاس منٹ ہوئے۔ سب سو رہے ہوں گے مگر میں جا کر لوکر سے پانی پینا چاہتا تھا۔ اس خیال کے تحت وہ بستر سے اٹھ کر دروازے پر گیا اور دروازے پر کھٹکی مچائی۔ مگر دروازہ کھولنا چاہتا تو ہٹا چلا دروازہ باہر سے بند تھا۔ وہ سن رہی تھی۔ کیا اس حد تک ناقابل اعتبار ہو گئی تھی وہ مگر والوں کے لیے۔ اچھا تو تھوڑے عرصے میں جا کر اس نے واش روم کے سٹلکے سے اپنے ہاتھ میں پانی بھر کر دو گھونٹ پانی پینا۔ تو تین ڈرات کا احساس پیاس بھر پائی کی طلب پر غالب آچکا تھا۔

☆☆☆

جب اب کافون مسلسل بند ملنے پر الحاف نے امی کو فون کیا تھا۔ رمی علیک سلیک کے بعد اس نے کہا۔ ”آ

جب سے بات کرتی تھی لیکن اس کافون بند مل رہا ہے۔“

”اچھا.....! امی نے تامل عارفانہ سے کیا ام۔“ میں بتاتی ہوں اسے۔“

”جیک یو.....! اسے بتا دیں، میں پانچ منٹ بعد پھر کرتا ہوں اس کے نمبر پر فون۔“

”آپ نے بتا کیوں نہیں دیا اسے۔“ امی نے جواب کو تباہ کر دیا۔

”کیا..... کیا بتاتی؟“

”یہی کہ میں اس کافون آئیڈنٹس کرنا چاہتی۔“

”وہ پوچھتا کہ کیوں؟“

”آپ اسے وجہ بتا دیتیں۔“

”بتا دیں گے سہولت سے بتا دیں گے مگر تم اس کافون تو سن لو۔“

”کیوں سن لوں امی، جب میں اس سے رشتہ ہی نہیں رکھتا چاہتی۔“

”نہیں بیٹا، یہ رشتہ کوئی تمہارا ہے کہہ دینے سے تو ختم نہیں ہو سکتا۔“

”کیوں نہیں ہو سکتا۔ مجھے حق ہے اس کا۔“

”دیکھو! میں تو تمہیں نیا باب بھی کتا کتا رہا۔“

”میں بچی نہیں ہوں اپنا اچھا برا خوب سمجھتی ہوں۔“

”تمہارا بھائی بھی اسی حق میں ہے کہ اس معاملے کو ایسا بھانپتا ہے کہ بھانپنے کا موٹی سے سمجھتا ہے کہ

چاہے۔ اچھا لے لوگوں کو بھانپنے کا موقع ملے گا۔ جتنے منہ ہوں گے اتنی باتیں، حاسدوں کو نقلیں بھانپنے کا موقع

ملے گا۔ چلنے والے فراق اڑائیں گے اور وہ جنہیں ٹوہنی کر لیا اس اچھا اور کھاتا پیتا رشتہ انہیں کہاں سے لیا وہ

پھبتیاں اڑائیں گے۔“

”لوگوں کی خاطر میں خود کو دباؤ پر لگا دوں۔“

”لوگوں کی خاطر کیوں تمہارے بھائی کی یہی صلاح ہے۔“

”سوری امی..... بھائی کی خاطر بھی میں خود کو دباؤ پر نہیں لگا سکتی۔“

”داؤ پر لگانے کی کیا بات ہے بیٹا اس سے تم سے نکاح کیا ہے۔“

”اپنی ازدواجی حیثیت کے بارے میں غلط فہمی کر کے۔“

”ادو! تم ایک ہی بات کیوں پکڑ کر بیٹھ گئیں۔“ امی زچ ہو گئیں۔

”تم آخر چاہتی کیا ہو؟“

”چھٹکارا۔“

”کیا مطلب؟“ اسی نے چونک کر اسے دیکھا۔

”مجھے صلح چاہیے۔“

”کیا! اسی نے ہڑ بڑا کر اسے یوں دیکھا جیسے انہیں اس کی بات سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہو۔

”جواب نے اپنی بات کو دہرائے ضروری نہ سمجھا۔ وہ جانتی تھی اسی تک اس کا پیغام بخوبی پہنچ چکا تھا۔

”بہت کافغہ تو کچھ رکھا ہے تاہم نہ؟“

”انہوں نے میرا استقلال نہیں دیکھا۔ اب یہ میرا فیصلہ ہے اسی کہ میں اس شخص سے اپنا رشتہ رقیبت

پر توڑ کر ہوں گی۔“ جواب نے اہل سہجہ میں کہا۔ اسی ہکا بکا کامند دیکھنے لگیں۔ ”اُن کا فون مسلسل سے بج رہا

تھا۔

اسی کی توقع کے مطابق الطاف ہی کا فون تھا۔ اس کی کال ریسیڈ کرنے کی ہمت نہ ہوئی انہیں، کیا کہیں اس

سے کہ جواب بات نہیں کرتا چاہتی۔ فون بجتا رہا۔ بار بار بچہ کیا انہوں نے کال ریسیڈ کی۔ بہت بھائی اور

نایاب باجی سے صلاح لینا ضروری ٹھہرا۔

☆☆☆

”جواب کو اب اسی کے ساتھ گزرا کر رہنا ہے۔“ بہت بھائی نے دو ٹوک اپنا فیصلہ سنایا۔ اس معاملے میں

اسی کے ساتھ یہ اُن کی دوسری نشست تھی۔

”میں نے بہت سمجھا یا اسے مگر۔۔۔۔۔۔“

”مگر وہ کچھ نہیں، اسے وہیں جانا ہوگا۔“

”ویسے الطاف یا اس کی بہنوں سے بات تو ضرور کرنی چاہیے۔“ نایاب باجی نے صلاح دی۔

”کیا بات؟“ بہت بھائی نے نایاب باجی کو دیکھا۔

”بہن! کہ میں باوجود ذریعے سے معلوم ہوا کہ الطاف کی پہلے بھی بیوی موجود ہے جس سے ایک بچہ

بھی ہے۔

”وہ کہہ دیتے ہیں ٹھیک ہے۔۔۔۔۔۔ تو پھر؟“

”اس صورت میں جواب کے مستقبل کے متعلق کیا ضمانت ہے؟“

”وہ کہیں گے ہماری سہمہ، بچاس تولہ زیورات نکاح کے وقت، بچاس تولہ رخصتی کے موقع پر اور ایک سرخ

اراضی یہ ضمانت نہیں تو اور کیا ہے۔“

بہت بھائی کی بات پر نایاب باجی کا جواب ہو کر اُن کا منہ دیکھنے لگیں۔

”ان باتوں کا موقع نہیں ہے اب۔“ بہت بھائی بولے۔

”پھر ہمیں انہیں جتنا تو دینا چاہیے کہ ہمیں یہ بات چاہی ہے۔ اور کچھ نہیں تو کچھ اخلاقی دیاؤں میں تو آئیں

گے وہ لوگ۔ جواب کو بھی اطمینان ہو جائے گا کہ کمر والوں نے کچھ پوچھ تو کی۔“

”اس نقطہ نظر سے بات کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔“

”اسی میرا خیال ہے کہ آپ الطاف کے بجائے پہلے اس کی بہنوں سے بات کر لیں ایسا نہ ہو کہ آپ الطاف

سے بات کر لیں تو وہ بدک جائے۔“ نایاب باجی نے صلاح دی۔

”ٹھیک ہے، میں کر لوں گی۔“

☆☆☆

وہی گھر تھا جہاں وہ شیرنی بنی پھرتی تھی اور گھر کے باقی لوگ اس کی بد مزاجی اور بد زبانی سے خائف رہا

کرتے تھے۔ ذرا سی بات خلاف مزاج ہو جائے پر وہ بری طرح اشتعال میں آ جاتی تھی۔ دروازے اس بری

طرح دے دے کر مارنی کہ سوئے مردوں کے جاگ پڑنے کا احتمال ہوتا۔ سب اپنی عزت کو کان دہانے

بیٹھے رہتے۔ اس کے کمرے میں تو ایسے وقت کی کے جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا مگر بے کے اس پاس سے بھی

گزرنے کی ضرورت پیش آتی تو وہ پاؤں گرا جاتا۔

اور ایک یہ وقت تھا کہ پچھلے تین دن سے وہ چوری سی کرے میں وہ کی ٹھیک سی جو بھی اس کی مدد جانی ہوا

کرتا تھا۔ حالات میں بند کی زیر حراست مجرم کی طرح اسے کھانا پینا اسی کرے میں پہنچا یا جارہا تھا۔ کبھی تمہید

خاموشی سے ناشتے کی خرے کرے میں رکھ جاتی، کبھی تقدیم کھانے کی خرے پہنچا جاتی۔ کرے کا دروازہ بند رہتا۔

کھڑکیوں پر پردے تھے۔ اسے باہر دیکھنا ہوتا تو پردے کی اوٹ سے باہر جھانکنے کی کوشش کرتی۔ تین

دنوں میں اسے چاروں بہنوں کی صورتیں تو دیکھنے کو بھی تھیں۔ ایک دو بار ابا کی جھلک بھی دکھائی دی مگر اماں کی

صورت تو کچا اُن کا سایہ بھی نہ دیکھنے کو ملتا تھا۔

تین تین دنوں میں مدثر سے اس کی بار بار بات ہوتی تھی۔ اس کا ایک ہی سوال ہوتا۔ ”مئی کو کب بھیج رہے

ہو؟“

”آجائیں گی یا۔۔۔۔۔۔“ وہ بھی بڑے استقلال سے ایک ہی جواب دیتا۔

”کب؟“ وہ چٹائی کا اٹھارہ کرتی۔

”جلد۔“ وہ کہتا۔

”جلد کب؟“ وہ اضطراب سے پوچھتی۔

”آجائیں گی یا، جلدی کیا ہے۔“ اس نے تیسرے دن قدرے ہزارے سے کہا۔

”جلدی کیا ہے۔“ اس نے مدثر کے الفاظ تھرائی سے دُہرائے بھر گیا۔ ”مجھے ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل

ہو رہا ہے اور تم کہہ رہے ہو جلدی کیا ہے۔“

”سمجھا کر وہی اٹھتا تو آئیں گی نہیں۔ انہیں ڈیڑی کو بھیجنا پڑے گا۔“

”تو کب وہاں سے مٹائیں۔“

”یارا ایسے کاموں میں تھکا پر سروں نہیں جھاتی جاتی، کچھ دقت لگتا ہے۔“

”میں اس کوئی بھی سمجھ سے بات نہیں کرتا۔ بس کہنے کی طرح کھانا ڈال جاتے ہیں میرے سامنے۔“ وہ

رو ہنسی ہوئی۔

”ٹھیک ہو جائے گا رہے ٹھیک ہو جائے گا۔“

”کب ٹھیک ہو جائے گا تاہم نہ اپنی مئی کو جلدی نہ بھیجا تو میں خود آ جاؤں گی۔“

”نہ۔ ڈیالسی قلعی مت کرنا۔“
”تو پھر انہیں جلدی بھیجو۔“

”اجما ہار۔“

تنبہ کو یونیورسٹی چھوٹ جانے کا بھی بہت دکھ تھا۔ وہ سوچتی کاش کوئی صورت ایسی ہوتی کہ وہ دوبارہ یونیورسٹی جاسکی۔ تاہم اس کے واپس گھر آنے کے بعد تقدیم نے ابا کی خوشامد کر کے تعلیم اور تقدیس کو دوبارہ کالج جانے کی اجازت دلا دی تھی۔ تعلیم کا کالج میں تیسرا سال تھا تقدیس کا سال اول میں داخلہ ہوئے چند ہفتے ہی گزر رہے تھے۔

”مگر دونوں میں سے کسی کے ہاتھ میں موبائل نہیں دیکھنا چاہتا ہیں۔“ ابا نے تعلیم اور تقدیس کو دوبارہ کالج جانے کی اجازت دیتے ہوئے شرط عائد کی۔

”نکب ہے ابا۔“ تقدیم نے چھوٹی بہنوں کی جانب سے ابا کو یقین دہانی کرائی۔ تبسم کے آنے کے بعد اماں گھر میں کسی سے بات کر تیں تو اتنی آواز میں کہیں مخاطب نہیں بن پائے۔ شاید انہیں تبسم کو اپنی آواز سنانا تک گوارا نہیں رہا تھا۔ تبسم ان کی آواز سنانا اور ان کی صورت دیکھنا چاہتی تھی مگر اماں نے تو جیسے اس سے پردہ ہی کر لیا تھا۔ انہیں بس ایک بات کی فکر تھی کہ مدثر کے گھر والے جلد آئیں اور دنیا دکھاوے کو تبسم کو اس گھر سے رخصت کر دیا جائے۔

اتوار کو زیوان اماں مان بنا کر لے کر آ رہی تھی جو تقدیم کو دیکھنا چاہتے تھے۔ اماں دعا گو تھیں کہ لوگ اچھے ہوں اور بات بھی بن جائے۔ تبسم جو چھوٹی بہن کے لیے پیام آنے پر روئے ہوئے بیٹھے جاتی تھی جبھی۔ یوں جیسے اس نے تبسم والے واقعے کے بعد گھبراہٹ ہو کر بہنوں میں سے جس کے لیے پہلے مقول رشید لیا جائے اسی کی ہوجانے میں عافیت تھی۔ جن دونوں تبسم کا کالج میں بھی ایک محلے دار خاتون نے اس کے لیے اپنے دیو کا پیغام دیا تھا جو ڈرگزی ہوٹلر انجیر مشر تھا اور ایلا تھیں میں بہت اچھی ملازمت کر رہا تھا مگر اماں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ پہلے دو بڑی بہنوں کی ہوجانے پھر اس کی کریں گے۔ تبسم کی شادی وہاں ہوگئی ہوئی تو یہ نہ ہوتا جو ہوتا تھا۔ بہر حال اب مناسبت کا باب وہاں چکا تھا۔ اماں اور ابا بھی سمجھ چکے تھے کہ پہلے بڑی کا رگ الٹا پڑا فائدہ نہ تھی۔

☆☆☆

ای نے تو بہت حزم و احتیاط سے الطاف کی ایک بہن سے بات کی تھی۔ کراچی سے دہلی تک پہنچ چکی تھی۔ الطاف کی دونوں بہنیں اور بہنوں کا جماعت و کالت کو پہنچے۔ الطاف کے شادی شدہ اور ایک بچے کا باپ ہونے سے انہیں انکار نہ ہوا تاہم انہوں نے الطاف کے دفاع میں کہا کہ جس لڑکی سے اس کی یہی شادی ہوئی اس کا کسی اور کے ساتھ جگر تھا۔ شادی کے بعد بھی وہ دہلی سے اس لڑکے کو فون کرتی تھی۔ الطاف نے خود اس کی فون کا ٹر پکڑیں۔ ایک مرتبہ وہ محض اسے آزمانے کی خاطر دہلی سے پاکستان لے کر آیا اور یہ کہہ کر اسے اس کے والدین کے ہاں چھوڑ گیا کہ چار ہفتے بعد لینے آئے گا لیکن وہ ہفتے بھر بعد ہی واپس آ گیا اور اس نے چپ چپاٹے اپنی بیوی کی نسل و حرکت پر نظر رکھنا شروع کر دی۔ پتا چلا کہ اس شخص کا نہ صرف اس کے میکے میں آنا جانا تھا بلکہ وہ دونوں اکٹھے گھومنے پھرنے بھی جاتے تھے۔ الطاف کی بہنوں اور بہنوں کی مشترکہ رائے یہ تھی کہ الطاف کی یہی بیوی بد کردار تھی۔

(۱۵۴)

خاصی دیر گفتگو چلی۔ سمجھت بھائی مصلحتاً اس نشست میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اسی کا خیال تھا کہ بہت بھائی کی عدم موجودگی الطاف کے گھر والوں کو اخلاقی باؤس اور رکھے کی دہشت تو یہ سوچ کر مطمئن ہو جائیں گے کہ اب بھی کو چلا چلا گیا تو اب کس بات کا ڈر۔

”ابھی تو میرے بیٹے کو یہ بات پتا نہیں ہے۔ میں نے سوچا آپ لوگوں سے کتنی کڑوں پھر بتاؤں گی اسے۔“ ای نے کہا۔

”ضرور بتائیں۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ الطاف کی پہلی بیوی بھی ہے اور اس عورت سے ایک بیٹا بھی ہے۔“ الطاف کی بہن نے کہا

”آپ لوگ یہ بات پہلے بتا دیے تو اچھا تھا۔“ نایاب باجی جنہیں ای نے اپنی دوسرا ہٹ کے لیے بلالیا تھا بولیں۔

”دیکھیں واکٹر صلیب ہماری نیت میں کوئی تو نہیں۔ برائی پر پردہ پڑا رہنے دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ ہم کیا تانتا ہے آپ کو کہ الطاف کی پہلی شادی ایک بد کردار لڑکی سے ہوئی تھی۔“ الطاف کے بڑے بہنوئی نے کہا۔

”دوسری لڑکی کی زندگی اور اس کے مستقبل کا معاملہ تھا جو بھی تھا بتا دینا بہتر تھا۔ اس طرح اصحا کو کھیں نہیں پہنچتی۔“ نایاب باجی نے کہا۔

”فکر نہ کریں جی اعتماد کو اب بھی نہیں پہنچے گی۔“ جواب ملا۔

”انشاء اللہ حجاب بھائی ہمارے بھائی کے ساتھ بہت خوش رہیں گی۔“ الطاف کی بہن نے کہا۔

ای اور نایاب باجی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ حجاب نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر الطاف سے اپنا رشتہ قائم نہیں رکھے گی۔

”آپ لوگ تو جی نہیں یہ بتائیں کہ مرضی کی تاریخ لینے کے لیے ہم کب آئیں؟“ الطاف کے بہنوئی نے کہا۔

”سمجھت بھائی ہوتے تو ہم کہتے آج ہی تاریخ طے کر لیں تاکہ آپ لوگوں کو دوبارہ تکلیف نہیں دینی پڑے۔“ الطاف کی بہن بولی۔

ای اور نایاب باجی نے پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

”ہم لوگ ذرا گھر میں ڈکس کر لیں پھر بتا دیں گے آپ کو۔“ نایاب باجی نے کہا۔

الطاف کا بڑا بہنوئی گرگ باراں دیدہ تھا۔ ای اور نایاب باجی کے بار بار ایک دوسرے کو دیکھنے اور سر دھو قحاط لہجے سے وہ تاریخ کیا تھا کہ اب معاملات پہلے پیچھے نہیں رہے تھے۔ دراز پڑ چکی تھی۔ الطاف کو فوری طور پر مطلع کرنا لازم تھا۔

☆☆☆

اکیڑی میں پاسنگ آؤٹ کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ ویک اینڈ پر نمونے کو بھی آؤٹ پاس ملنے کی امید نہ رہی۔

”پاپا مشرا! عازہ باجی نے بلا رکھا ہے کیسے جاؤ گے۔“ عقل نے اسے چھیڑا۔

”نہیں جاؤں گا۔“ وہ اطمینان سے بولا۔

”ناراض تو نہیں ہو جائیں گی وہ۔“

”تم سے اور کس سے۔“

”کبھی کبھی مجھے اس بات سے ڈر لگتے لگتے ہوں کہ اگر تمہارے گھر والوں نے ہماری محبت کو ایکسپٹ نہ کیا تو؟“

”پانچ بہنوں کا اکلوتا بھائی ہوں۔ گھر میں کسی میری کوئی بات، کوئی خواہش رو نہیں گئی۔“

”میں نے سنا ہے پاس آؤت ہونے والا ہراسر پانگ آؤت میں لیڈر مہمان بنی بلا سکتا ہے۔“ عازنہ نے اچانک ہی موضوع بدل دیا۔

”ہاں۔۔۔۔۔“

”پھر تو تم صرف اپنے گھر والوں کو ہی بلاؤ گے۔“

”وہ بھی آئیں گے اور تم سب لوگ بھی۔“

”تم نے لوگوں کی اجازت ہوگی؟“

”دھکر نہ کرو۔“

”اچھا سنا۔۔۔۔۔ میں تمہاری پانگ آؤت میں کیا ہوں؟“

”یہ تمہاری اپنی چوائس پر ہے، ویسے جو بھی بیٹھو گی اچھا لگے گا۔“

”وہ تو مجھے معلوم ہے۔“ انتہائی معمولی سبک سی اس لڑکی کو یہ اعتقاد اس کے ماں باپ اور اس کی تعلیم نے دیا تھا۔

”انگل کونون کر کے کہوں کل لے آئیں تم سب لوگوں کو یہاں۔“

”تمہاری مرضی۔۔۔۔۔ نہیں تو اشارہ کرنے کی دیر ہوگی بس۔۔۔۔۔ عقل کیسا ہے؟“

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ خرے میں ہے۔“

”وہ ہمیشہ خرے میں ہی ہوتا ہے۔ ابری گولی۔“

اتوار کی دوپہر صبر احمد اپنی بیگم اور بیٹیوں بچوں کے ہمراہ کاکول آئے تو عقل اور منوں نے دو دو حائی کھنے ان کے ساتھ کرے۔ ان دونوں کے لیے وہ گھر کا لذیذ کھانا پائس میں رکھ کر لائے تھے۔ چکن بریانی، تلی پھل، کچے جیسے کے کباب اور غرائفل دونوں کے لیے دو علیحدہ علیحدہ ٹیاپنگ بیگز میں چلتے پھرتے ٹونگے جانے والی بہت سی چیزیں بھی تھیں۔

”اس تکلف کی کیا ضرورت تھی انکل۔“ منوں نے کہا۔

”جتنی تیار۔۔۔۔۔ عقل نے اسے ٹھیکہ کر دیتے ہوئے کہا۔

”بہت نیدے ہو۔“ عازنہ نے اپنی آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے عقل کو دیکھا۔

”اچھا میں تو تمہارا نیدہ۔۔۔۔۔ اس کے بارے میں کیا تو فی صاف فرماتی ہیں آپ۔“ عقل نے شرارت سے منوں کو دیکھا۔

”شریف آدمی۔“ عازنہ نے کہا۔

”ارے واہ! عقل اچھا۔“ تو کیا! میں شرافت کا طبقہ لیٹا پڑے گا کہیں سے۔“

”ہو سکے تو کہیں سے تھوڑی سی عقل ادھار لینے کی کوشش کرو۔“

”خیر کرو، کزن سسٹر تمہاری۔۔۔۔۔ بہنوں کے لیے کوئی یوں بات کرتا ہے۔“

”اویارا! وقت بدل گیا ہے۔ اب تو بھائیوں کو بہنوں کے لیے خود راستے بنانے پڑتے ہیں۔“

منوں نے اسے گھورا۔

”سچ کہہ رہا ہوں۔۔۔۔۔ ویسے مجھے بہت خوشی ہوگی اگر عازنہ باجی سے تیرا کچھ سلسلہ بن جائے۔“ وہ منوں کو بولا۔

منوں نے اسے آنکھیں دکھانے کی کوشش کی۔

”او علی۔۔۔۔۔ وہ پہلے سے زیادہ کھل کر ہنسا۔

”بائی دی دے تجھے کیوں خوشی ہوگی؟“

”اس لیے میری جان۔“ عقل نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔ ”فحش میں کوئی اچھا بندہ

شامل ہوتا ہے کسی خوش نہیں ہوتی۔“

”زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں۔“

”میری مرضی۔۔۔۔۔ نہیں کرنا چاہتا یقین تو نہ کرو۔ صبر ماموں نے اگر کبھی پوچھا مجھ سے تو کہہ دوں گا وہ

انتہا سڑ نہیں۔“

”یکو اس نہ کرو۔“

”عازنہ جی نہیں آسکوں گا۔“ منوں کو عازنہ سے معذرت کرتا پڑی۔

”دیکو؟“

”دیک اینڈ بند۔“

”پنشنٹ؟“

”نہیں نہیں۔۔۔۔۔ پانگ آؤت کی تیاریاں۔“

”آئی سی۔“

”تم لوگ آ جاؤ۔“

”پاپاؤ ٹوٹو۔۔۔۔۔ لاگ ڈرائیو کو بہت انجوائے کرتے ہیں وہ لیکن تم تو مصروف ہو گے ہمارے آنے کا

فائدہ۔“

”کچھ کر لیں گے یار۔“

”بائی دی دے کیا؟“

”یہ تو وقت بتائے گا، تم نے ناٹیں محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔“

”پوچھ سکتی ہوں یہ محبت ہے یا جنگ؟“

”محبت جنگ ہی تو ہوتی ہے۔ کسی کو اپنی جان سے بڑھ کر چاہتا۔“

”اوہو ہولٹین صاحب آپ تو شاعرانہ باتیں کرنے لگے۔“

”محبت بندے کو شاعر ہی بنا دیتی ہے۔“

”محبت! کس سے آفیسر؟“

میں تو بات نہ کر سکی لیکن گھر پہنچنے کے بعد جب عبادی موٹر سائیکل پارکنگ لاٹ میں مگڑی کر کے اٹھا لیا تو بات میں پہنچا تو اسی نے جو انتہائی سرور میں کہا۔
”مجھے تو لڑکی بہت پسند آئی۔ بالکل تمہارے جوڑی ہے۔“

عباد خاموش رہا۔
”بھئی ہے تو لگتا ہے منہ سے بول چہڑ رہے ہیں، تمہیں کیسی کمی ہے؟“
”میں نے..... تو بس یونی..... سرسری نظر دیکھا تھا۔“ عباد نے کہا۔ اسی مسکرا دیں۔

”کھلی بار سرسری نظر ہی دیکھا جاتا ہے۔“ انہوں نے توقف کیا پھر بولیں۔ ”لوگ..... بھی ہماری ہی طرح کے ہیں۔ سیدھے اور سفید پوش..... اپنے ہی جیسے گھر میں بیاہ کر آئے تو اسے دوسرے گھر کے مسائل کا بھی احساس ہوتا ہے عزت سے گزارہ کر جاتی ہے..... مجھے ہرے کرے آئے کی توجہ ہو چکا ہے ساتھ ہی مل کر بیٹھے گی، اس کی سبھی کی مجھے، ارے میرے کون سے دو چار ہیں کافی کی ایک ہی آنکھ..... پھوٹنے کی تو اس کافی کو دوسری آنکھ بھی مل جائے گی۔ سر آنکھوں پر بھڑکائی اسے۔ سال بھر پاؤں بستر سے نہیں اتارنے دوں گی۔ بٹھا کر کھلاؤں گی اسے۔ ارے اب بھی تو میں ایلی گھر کے سارے دھندے نہاتی ہی ہوں۔ اس کے آنے پر بھی کرنی رہوں گی تو کیا کچھ پاؤں کس جائیں گے۔ اللہ جانے وہ کسی سائیں ہوئی ہوں گی جو پھوٹوں سے خدمت لینے کی جا رہی تھیں۔ میں تو اپنی ہوئی خود خدمت کروں گی۔“ اسی جوش جذبات میں بھئی چلی گئیں۔ انہوں نے عباد کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

”بس اب جس دن تم کو گاہ کو لوگوں کو بلا لیتے ہیں تاکہ وہ بھی آکر ہمارا گھر یاد رکھ لیں۔ چلتے وقت زینوں نے آہستہ سے نیچے ہٹا دیا کہ لڑکا پسند آیا ہے ان لوگوں کو۔ زینوں تو چارہ ہی تھی ایک دو روز میں ان لوگوں کو بلا جایا کر میں نے آہستہ سے اس سے کہا عباد سے مشورہ کر کے بلاؤں گی۔“

”اچھا کیا۔“ عباد بولا۔
”ہاں نا بیٹا، جب کسی کو بلاؤ تو گھر کا تھوڑا بہت تو ہاتھ منہ پونچھنا ہی پڑتا ہے۔ بھئی تو کہہ دوں گی میرے گھر میں ایک میں اور ایک میرا بیٹا ہے، آپ کے گھر کی طرح سلیقہ مند بیٹیاں تو ہیں نہیں جو اوپر پھر اولاد تصوریں ہی سچا کر سکیں۔ آنے والی اپنی سرسری سے آکر سجانے گی۔“

”ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں بستر سے سال بھر پاؤں نہیں اتارنے دیں گی اسے۔“ عباد نے گویا ی کی غلطی کھڑی۔ اسی خفت سے مسکرا دیں۔

”ارے بیٹا بالآخر تو گھر اسی کو سجانا مسنوار نا ہوگا، اپنی مرضی سے سجانے..... کیوں؟“ اسی نے عباد سے اپنی بات کی تاکید حاصل کرنی چاہی۔

وہ چپ رہا۔
”بتاؤ کہ بلا لیں ان لوگوں کو؟“
”بھئی بھی نہیں۔“

”کیا مطلب؟“ اسی کی ساری خوشی جیسے کافور ہو گئی اور جوش کو بجھانے لگا۔
”گھر دیکھا آپ نے ان کا؟“

”عائزہ! میری جان بس کرو۔“ مسز منصور اچھ بولیں۔ ”تنی خوب صورت جگہ اور ایسا دلربا موسم غنچا لڑانے کے لیے نہیں ہوتے۔ ذرا دیکھو تو کسی خوب صورت ڈھلان ہے۔ سرتا سرتے سے دھکی۔ اسکی چمکوں کو دیکھ کر توجہ چاہتا ہے بیٹھے رہیں۔“

”ہاں، ہاں پورا مہر عینا ہے رک کیوں گئیں۔“ مسز منصور مسکرا کر بولے۔
”نیشی رہیں مای تصور ماموں کیے ہوئے۔“ عقیل نے خوشی دکھائی۔
”واہ واہ واہ واہ۔“ منصور نے چمک کر داد دی۔

”عائزہ!“ مسز منصور اچھ نے عائزہ کو متنی خیر نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم گراؤنڈ کا پکڑ لگا آؤ بیٹا تمہیں تو ایسی جگہیں بہت پسند ہیں نا۔“

”میرے ساتھ کون چاہے؟“ عائزہ نے کہا۔
”کم از کم ہم بیٹوں کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔“ عقیل نے منصور اور بطور کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بے اشتناکی کا مظاہرہ کیا۔ منصور اور بطور نے تاکید نہ کر رہیں بلائیں۔

”میرے کھینے سے بھی صبح سے ہلکا ہلکا درد ہے، سو رہی بیٹا۔“ مسز منصور نے عائزہ کی جانب دیکھتے ہوئے محذرت کی پھر اچانک بولے۔ ”موسں جیسے آئی نہیں چلے جاتے عائزہ کے ساتھ؟“
”شیور.....“ موسں بولا۔

زندہ داد! کیا سمجھدار اور بچوں کے لیے راستے ہموار کرنے والے والدین تھے۔ موسں کو دیکھتے ہوئے عقیل آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکرایا۔ موسں جھینے گیا۔
”صبح وعیش کر اؤ پڑ پکچہ دیر وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے پھر عائزہ نے کہا۔“ سنا ہے آرمی آفیسرز شادی کے بعد چلنے والی بہتوں کے چکر میں عموں پاؤں میں عجیب سال کی عمر میں شادی کر لیتے ہیں۔“

”اس سے پہلے بھی کر لیتے پر کوئی پابندی تو نہیں۔“ موسں بولا۔
”وہ ٹھک گی اور اسے دیکھنے گی۔“

”ایسے ایک دیکھ رہی ہو؟“ وہ مسکرایا۔
”اگر تمہارے گھر والے نہ مانے تو؟“

”وہ میرا مسئلہ ہے تمہارا نہیں۔“
”آئی لو یوسں۔“ عائزہ نے کہا۔

”آئی لو یو۔“

دونوں پھر ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ موسں کی نگاہیں آسمان پر دھیرے دھیرے تیرتے بادلوں پر تھیں اور عائزہ کا دل زندگی بھر اس کے ساتھ یونہی چلتے رہنے کی خواہش میں لگا ہوا تھا۔ مسز منصور اور ان کی تنگم دور لان چیز زبردستی ابھی کو دیکھ رہے تھے۔ عقیل، منصور اور بطور کو اپنے ساتھیوں سے ملوانے لگ گیا تھا۔

☆☆☆

اسی بہت خوش تھیں، زینوں نے انہیں عباد کے لیے اسکی لڑکی تھی جو تھوڑا دمات، صورت، شکل تعلیم ہر لحاظ سے عباد کا بہترین جوڑی تھی۔ عباد کے ساتھ اس کی موٹر سائیکل پر بیٹھی ہونے کے باعث وہ اس سے راستے

کر رہی ہیں۔ اگر ان کارکنوں میں بینیوں والے ہی ہوں گے اور انہیں اپنی بینیوں کی شادیاں ہی کرنی ہوں

172 ماہنامہ پاکیزہ — جون 2012ء

پہلے اس گھر کی تاریخ میں ایسی جان لیوا آفات پیش کی تھیں کہ ابھی آتی تھی۔

”بس جیسے ہی مجھے اُدھر سے اشارہ ملے گا میں پک کر تمہارے پاس پہنچوں گی۔“ زینون نے اماں کے پاس سے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

”یہ تمہارا کسٹے کا رابیہ، باقی اپنے حق کی فکر نہ کرنا تم۔“ اماں نے سوسو کے دونوں اس کی منگی میں دبا تے ہوئے کہا۔

”ہاں، ہاں اس کی مجھے کوئی گھبراہٹ تو ہوئی ہے۔ مجھے تو اس بات کی تسلی ہے کہ تم بھی اچھے وہ بھی بھلے، لڑکے کی ماں تو فرشتہ ہے۔۔۔۔۔ اچھا اب چلوں ایک دو گھر میں اور چھائی مارتی ہے مجھے۔“

زینون کے جاتے ہی اماں نے تقدیم کو پکارا۔ وہ آئی تو اماں ٹکرمندی سے بولیں۔ ”اے بیٹا! اس منہوس مارے کو فون کر کے پوچھو تو۔ کب لے جائے گا وہ اسے۔ آخر تک بیٹھی رہے گی ہمارے سینوں کا بوہ بنی یہاں۔“

تقدیم کو نشیم کی بد قسمتی اور اماں کی مجبوری پر ملال ہوا۔ کون ماں اپنی اولاد کو سینے کا بوہ بن گئی تھی۔

گھر کا ٹکڑا ہوا ہوتی ہے۔ نشیم کسی بد نصیب بھی کہ اپنی غلطی کی وجہ سے ماں کے سینے کا بوہ بن گئی تھی۔

اماں کی ایما پر تقدیم نے مشغول نہ ہو کر غلطی کی وجہ سے اس نے بلاتا خیر کال رہ کر بولی کہ۔ تقدیم نے مدعا بیان کیا۔

”تھوڑا سا ٹائم دیں پلیز۔“ وہ بولا۔

”بہت تیز سوال ہے۔“

”اصل میں۔۔۔۔۔ گھر میں بھی کچھ پر ابھر رہی ہیں۔ نشیم گھر والوں سے ہانک کر گئی ہے۔ وہ غلطی اسی کی ہے مگر اس کی غلطی کی یاداش میں نشیم میں ہم ہی ہیں۔ یہ مسئلہ جتنی جلدی حل ہو جائے ہم سب کے حق میں بہتر ہے۔“

”میں سمجھتا ہوں۔۔۔۔۔ میں سمجھتا ہوں۔“ اس نے کہا۔

☆☆☆

الطاف کو اس کی بہنوں نے جنوبی خبر دی وہ بلا تاخیر پاکستان پہنچا اور آتے ہی ای کے پاس حاضری دی۔

بیوی اور بچے کی موجودگی سے منکر نہ ہوا۔ تاہم بیوی کی کردار میں کوئی کسر نہ اٹھا رہی۔ اس نے تو یہاں تک کہا کہ نشیم شادی والے دن اس نے اپنے محبوب کے ساتھ فرار کر پور کرام بنا رکھا تھا مگر وقت پر چوڑی کی ٹنگی۔ الطاف کے بقول اس بات کی خبر اسے اور اس کے گھر والوں کو بھی ہوئی تھی مگر چونکہ لڑکی والوں سے رشتے داری میں اہلذا ان کی عزت رکھنے کو شادی تو کر لی مگر دل نہ ملا۔ دوسری شادی اس نے گھر بیٹوں کی خاطر کی تھی اور اپنی پہلی شادی کا قصہ اس لیے چھپا لیا تھا کہ کہیں وہ اسے رشتہ دینے سے انکار نہ کریں۔ وہ حجاب سے مل کر اس پر اپنی پوزیشن کلیئر کرنا چاہتا تھا مگر حجاب نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا۔

”وہ ذاتی دوسرے آیا ہے۔ اپنی غلطی پر شرمندہ ہے۔ معافی مانگ رہا ہے اور کیا چاہتی ہے وہ۔“ بہت بھائی کو بتا چلا تو وہ سخت خفا ہوئے۔

”تاتا تو جی ہوں تمہیں۔“ ای نے کہا۔

”جو وہ چاہتی ہے قیامت تک نہیں ہوگا۔ یہاں سے پشاور تک ٹی اڈو اتنی سے کیا ہے“

ای نے سمجھایا۔ ٹایپ باجی نے خوشامد کی کہ وہ ایک بار تو الطاف سے مل لے سکن وہ جس سے سن نہ ہوئی۔

”آپ فکر نہ کریں۔ زینون کو میں سنبھال لوں گا۔ اس سے کہہ دیں ہمیں لوگ پند نہیں۔“

ای چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔ وہ سنبھلا۔

”اس سے آگے میں خود بات کروں گا زینون سے۔“ اس نے کہا۔

”کیا بات کرو گے؟“

”وہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔“

”کچھ بتا تو چلے۔“

”آپ پریشان نہ ہوں آپ کے سامنے ہی ہو گا سب کچھ۔“

ای پھر اس کا منہ دیکھنے لگیں۔ یہ لک کا پچھتاہٹا ہوا تھا۔ جو معاملات بڑے سے ملے کرتے ہیں، وہ خود کرنے کی بات کر رہا تھا۔ لاا ماں!

☆☆☆

اماں کے دل میں ان دنوں دھوپ چھاؤں کی آنکھوں کی چل رہی تھی۔ اگلا بیٹا افسر بنے جا رہا تھا۔ ابابے کے حوالے سے یوں تو برسوں سے خوش خیالیاں کرتے رہتے تھے لیکن اس کے کاکول جانے کے بعد تو وہ انہیں ملکی آنکھوں نہ جانے کیسے کیسے خوش رنگ خواب دکھایا کرتے تھے۔ اماں سے ان کا وعدہ تھا کہ مونس کی پانچ آؤٹ میں انہیں اگر تینوں پر سوار کر کے کبھی کاکول لے جائے گا پتا تو لے جائیں گے لیکن جب وقت آیا تو نشیم ایک کمل کھلا کر چھوڑ گئی ہوئی تھی۔ اور جس بد بخت کی خاطر اس نے کل کھلا آیا تھا وہ رات کی تاریکی میں اسے گھر کے دروازے پر چھوڑ کر جانے کے بعد دوبارہ پلٹ کر نہ آیا تھا۔ اماں جس بے تابی سے اس کی منتظر تھیں وہی جانتی تھیں۔ اس انتظار نے مونس کے افسر بننے کی خوشی کو بھی کھتا رکھا تھا۔ نشیم والے والے وقت سے تو تقدیم کے لیے ایک اچھا رشتہ آنے کی خوشی کو بھی ماند کر گیا تھا۔ کاش! نشیم نے غلط قدم اٹھانے کے نتائج پر بھی نظر رکھی ہوئی۔

اس روز لڑکے اور اس کی والدہ کے جانے کے بعد زینون کافی دیر اماں کے پاس بیٹھی رہی تھی۔ بہت خوش تھی وہ۔

”ایمان ہے تقدیم کی ماں ایسا رشتہ لائی ہوں میں کہ ساری عمر تم دعا میں دو گی مجھے۔“

”خدا تمہیں خوش رکھے زینون۔ ہم بیٹیوں والوں کی فکر بنا کر تم ڈھیروں دعا میں لیتی ہو۔ دیکھو اب اُدھر سے کیا جواب آتا ہے۔“

”فکر نہ کرو چھاپی آئے گا۔ زینون نے اماں کا زانو دوسرے سے دبا تے ہوئے کہا۔ ”لڑکے کی ماں چلے وقت چپکے سے میرے کان میں کہہ گئی ہیں لڑکی بہت پند آتی ہے انہیں۔“

”خدا میری تقدیم کا نصیب اچھا کرے۔“ اماں اچھائی کا بڑی سے بولیں۔ ”یوں تو تجھ پر بھی کچھ کہ نہیں۔ بڑی خدمت کی ہے اس نے میری۔ اپنے باپ اور بھائی بہنوں کی فکر تقدیم تو جیسے بیڑوں کی طرح اپنے ابا کا بازو بن گئی ہے۔ جہاں کوئی ضرورت، کوئی آڑا چیز حادثہ آئے سے میری بچی، ہم سب کی ڈھارس بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔“ اماں کا بچی اس دن کے خیال سے بھر آیا جب نشیم کے جانے کے بعد اگلے روز تقدیم اس کی تلاش میں گھر سے نکلی تھی اور اسے اپنے ساتھ لے جانے والے بد بخت کو ڈھونڈ کر گھر واپس لوٹی تھی۔ وہ پہلا موقع نہیں تھا اس سے پہلے بھی وہ نہ جانے کب اور کہاں کہاں گھر والوں کے کام آئی تھی۔ ان کی ڈھارس بنی تھی مگر اس سے

”بالکل ہے اسی اور اس کی قدر بھی ہے دل میں۔ چان بھی دے سکتے ہوں آپ کی خاطر تو۔“
”مجھے جان نہیں چاہیے۔ اپنے گھر کو خیر ہوئے سے بچانا چاہتی ہوں۔ وادادہ ہے، بہو بیگے، خاندان والے جو اتنا چھار شیدائیل جانے پر رنج سے مرے جا رہے تھے تاکیاں بجا نہیں گئے۔ بھجوت کہتا ہے وہ اس گھر سے قطع تم کر لے گا۔“

”آپ کو سب کی پرواہ ہے میرے..... کیسی عجیب بات ہے کہ ایک شخص نے خود کو غیر شادی شدہ ظاہر کر کے آپ کی بیٹی سے شادی کی اور آپ اپنی اس بیٹی کو احتجاج کرنے کا حق دینے کے بجائے توقع کرتی ہیں کہ وہ آنکھیں بند کر کے اس شخص کے ساتھ زندگی گزارنے چل دے۔“

”تمہارے اپنے دو حیل میں ایک ایک مرد نے تین تین چار چار عورتیں نہیں باندھ رکھی ہیں کیا اپنے گھر کے کھوئے۔ سب سر جھکا کر اپنا دقت زلانی ہیں کہ نہیں۔“

”تو پھر میں کسی دیکھی ہی مردہ اور بے زبان عورتیں بتائیں تا آپ، کیوں تعلیم دلوائی... کیوں شعور دیا؟ کیوں یہ بتایا کہ ہماری اپنی بھی کوئی شاخت ہے، اگر آپ بابا کو باپ کی جان کے حقوق ادا کرنے پر مجبور کر سکتی ہیں تو میں الطاف کی بیوی سے کیے ہوئے وعدے سے کیسے پھر سکتی ہوں۔ میں نے ان زبان دی ہے۔“ ”عجب جذباتی ہوگی۔“

”تم کیا جانتی ہو الطاف اسے رکھے گا؟“
”رکھے باندھ کے یہ اس کا اور اس عورت کا مسئلہ ہے۔ میں کم از کم اس احساسِ جرم سے آزاد ہو جاؤں گی کہ میں نے کسی کا گھر اجازت اس پر اپنا محلِ تعمیر کیا ہے۔“
ای اے یوں دیکھ لیں جیسے اُن کے پاس کہنے کو کچھ نہ رہا ہو۔

☆☆☆

”فصل کا اس لوگ ہیں۔ بھیا۔ شریف اور سید سے صاف سے۔ لڑکی میں بھی کسی بات کی نہیں۔“ زیتون نے کہا۔

”بچی آنی! آپ ٹھیک کہتی ہیں۔“ ”عباد نے کن انکھیں سے ای کی کو دیکھا جو زیتون کی آمد پر کچھ فکر مند دکھائی دے رہی تھیں۔“

”تو بس پھر کس بات کی دے..... کروم اللہ..... چٹ مٹکتی پٹ پٹا یہ.....“ زیتون نے خوشی کا اظہار کیا۔
ای نے آہستہ سے پہلو ہلاد۔

”گلتا ہے آج تمہاری طبیعت کچھ ڈانواں ڈول ہے۔“ زیتون نے ای کو چپ چاپ دیکھ کر کہا۔
”آئی..... ہاں..... بس ذرا بلڈ پریش..... بلڈ پریش کو لوگ لاکھ کوئیں نہیں پر بے وقت بے وقت کام

آنے والی بیماری۔ ای نے بھی آؤٹے وقت ای کی پناہ سے کام چلانے کی کوشش کی۔
”اللہ کی دشمن کو بھی بلڈ پریش نہ کرے۔“ زیتون نے ای سے اظہارِ ہمدردی کیا پھر اپنے لیےبے مشغلتی

پہرہ کر کے ہونے ای کا دھیان اُن کی بیماری سے ہٹانے کو بولی۔ ”بھوہرا جائے اللہ نے چاہا تو دیکھتے ہی دیکھتے اسکی چھل چھلاری لگے گی کم آن کی میں میں میں اپنا بلڈ پریش و دیر و سب بھول جاؤ گی۔“

ای چپ رہیں۔ زیتون سے کیا کہیں۔
”تا تو پھر کب لے آؤں لڑکی والوں کو تمہارے ہاں؟“ اگلے ہیے لڑکی کا بھائی بھی افسری پاس کر کے آ رہا

ای جن کی زبان سے نکلے الفاظ اس گھر میں فرمانِ شاہی کی طرح تقطیم پاتے تھے گھر کی تاریخ میں پہلی بار ان کے حکم سے روگردانی ہو رہی تھی۔ گھر کے تین بڑے امی، بھجوت بھائی اور تانیاب باہی حقیقتہ طور پر اپنی حمایت اور ہمدردیاں الطاف کے حق میں کر چکے تھے۔

”جو حالات اس نے بتائے ہیں اُن میں کوئی بھی مرد و مادی شادی کرے تو لوگ اسی کو حق بجانب سمجھیں گے۔“ تانیاب باہی نے کہا۔

”کوئی اس عورت کی بھی توئے۔“
”ارے رہے دو۔ لوگ خواہ وہ کہاں کہاں گھڑ لیتے ہیں دوسروں کی ہمدردیاں بٹورنے کو۔“

”کیا یہ نہیں گھر سکتا۔“
”شوہر ہے تمہارا۔ اس کے لیے تمیز سے بات کرو۔“ تانیاب باہی نے اسے غلطی کا احساس دلایا۔

”بد قسمتی ہے میری گھانگ دھوکے باز آدمی سے میرا مقدر لگایا۔“
”خواہ وہ ایک چھوٹی سی بات کاوش ہو یا کیا ہے تم نے۔ اس بے چارے نے تو مسئلہ پہلی بیوی کا ذکر نہیں کیا؟

لوگ تو نہ جانے کیسے کیسے جھوٹی بول جاتے ہیں۔“
”میرے لیے یہ چھوٹی نہیں بہت بڑی بات ہے۔“ ”عجب تملکا کر بولی۔“

”تم آخر چاہتی کیا ہو؟“ ای نے غصے سے کہا۔
”میں آپ کے اس سوال کا جواب کئی مرتبہ دے چکی ہوں۔“

”بھجوت شوٹ کر دے گا تمہیں مگر ایسا نہیں ہونے دے گا۔“ ای بولیں۔
”بے شک کر دیں۔ مجھے پروا نہیں۔“

”عجب! میری جان ہوش کرو، کیوں باندھنا ضروری ہو ایک بیکاری بات کی خاطر۔“ تانیاب باہی بولیں۔
”بیکاری بات.....“ اس نے کھالِ نظر سے تانیاب باہی کو دیکھا۔ ”آپ نے تصور کر سکتی ہیں کہ اپنے

چندوں کے بچے کو کسی کی دلہیز پرچوں میں لے جاؤائیں۔ کوئی صورتِ انتہائی حالات میں ہی ایسا کرے گی۔“
”اس نے ڈراما کیا اور مچ پیس..... کیا حماقت ہے جی!“

”گھٹنوں آکر سوا کیوں کی طرح بیٹھا رہتا ہے وہ اس گھر میں اور یہ بیگم صاحبہ اس سے ملتی ہی نہیں۔“ ای نے تانیاب باہی سے اس کی شکایت کی۔

”کس نے دعوت دی ہے اسے کہ آ کر بیٹھے۔“ وہ بولی۔
”تو پھر کس طرح حل ہوگا یہ مسئلہ؟“ تانیاب باہی نے اپنا سر ہاتھوں میں قما لیا۔

”اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے آکر بیٹھا رہنے سے مسئلہ حل ہو سکتا ہے تو شوق سے بیٹھا رہے۔ میں ہاٹل میں اپنا بندوبست کیے لیتی ہوں۔“

”اچھا! ای..... بے ساختہ چونک کر اسے گھورنے لگیں۔ ”تو یہ ارادہ ہے ہیں بیگم صاحبہ کے۔“
”ای بلہیز! ایسے الفاظ استعمال نہ کریں میرے لیے جن سے مجھے انتہیت کا احساس ہو۔“

”تم نے تو جیسے بہت دم بھرا ہے میری بھجوت کا۔ کچھ اندازہ ہے تمہیں کہ کسی کی مشکلیں اٹھانی ہیں میں نے تمہاری خاطر۔“

ہے کچھ دنوں کی چھٹی پر۔ میں تو کہتی ہوں اس کی چھٹی میں ہی دھوم دھڑکا ہو جائے تو اچھا ہے۔“
 ”آئی سب ہو جائے گا۔ پہلے تو آپ ذرا یہ لفافہ اُن لوگوں کو پہنچا دیں۔“ عباد نے ایک سر بند لفافہ جو اس نے پہلے ہی تیار کر کے رکھا ہوا تھا زیون کو دیتے ہوئے کہا۔ امی نے چونک کر اسے دیکھا۔
 ”یہ کیا ہے بھیا؟“ زیون نے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا پھر اپنے قیاس سے خود ہی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے بولی۔ ”اچھا اس میں تمہارا شجرہ نسب ہوگا، ہاں، بھی جو طریقے کے لوگ ہیں وہ رشتے ناتے کرتے ہوئے ایک دوسرے کا شجرہ ضرور دیکھتے ہیں تو کیا اُن کا بھی لے آؤں۔“
 ”اگر ویں تو ضرور لے آئے گا آئی۔“ عباد دھیرے سے مسکرایا۔

امی کے چہرے پر ایک تسلی ساجی سا اثر تھا۔ وہ سمجھتی تھیں عباد اس لفافے میں اپنا شجرہ نسب نہیں اس رشتے سے اپنا انکار لڑکی والوں کو بھجوا رہا تھا۔

”ارے زیون دہنچے دو۔“ امی نے زیون کے ہاتھ سے لفافہ لینے کی کوشش کی۔ ”اب کون پڑتا ہے ان چوچلوں میں۔“ ساتھ ہی انہوں نے عباد کو آنکھیں دکھائیں۔

عباد نے امی اور زیون دونوں کے ہاتھ کے بیچ سے لفافہ اچکا اور امی کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”جانے دیں امی ورنہ مجھے خود جانا پڑے گا۔“ امی نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

اس سے پہلے کہ امی کچھ پوچھتیں وہ دھیرے سے ہنسا اور بولا۔ ”فکر مت کریں، کوئی ہم نہیں بھجوا رہا ہوں میں اس لفافے میں۔“ اس نے لفافہ دوبارہ زیون کو تھما دیا۔

”خدا جانے انکار میں کیا لکھا ہوگا اس نے۔“ امی نے دل ہی دل میں سوچا۔ ”آج کل کی اولاد تو ماں باپ کے کان کترتی ہے۔“ امی کو اپنے مرحوم شوہر کا خیال آیا۔ ”اس کے ابا تو ایسے نہیں تھے۔ ہمیشہ بڑوں کے سامنے سر جھکائے رکھا۔“ امی اپنا دل دکھتا ہوا محسوس کر رہی تھیں۔

☆☆☆

عباد کے بھجوائے ہوئے سر بند لفافے کا ملفوف ہم نہ سہی مگر اپنی ہلاکت خیزی میں ہم سان ضرور تھا۔ ضروری نہیں ہوتا کہ انسان کی سانس رک جائے اور دل تھم جائے کبھی کبھی کسی حادثے کی شدت سانس چلنے اور دل دھڑکنے کے باوجود انسان کو مار کے رکھ دیتی ہے۔ عباد کی جانب سے بھجوائی گئی مادی مطالبات پر مبنی طویل فہرست جس میں زیرو میٹر کا مطالبہ بھی شامل تھا اس کی اپنی دانست میں تو رشتے سے انکار کا ایک محفوظ اور مہذبانہ طریقہ تھا جو اس نے اختیار کیا مگر اماں اور ابا کے اعصاب پر اس کی ہلاکت خیزی کسی ہم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔
 ”اپنا سارا جی بی فڈ نکلوا لوں تو بھی تقدیم کو جھیز میں یہ سب کچھ نہیں دیا جاسکتا۔“ ابا کو خود اپنی آواز کسی اندھے کو نہیں سے آئی تھی۔

”فرض کریں تھوڑا بہت قرض ادھار کر کے پورا پڑ بھی جائے تو اور دل کو بھی تو غمنا ہے۔۔۔۔۔ تمہید کی تو عمر نکلی ہی سمجھو۔۔۔۔۔ تھک گئی ہے میری بچی ہم سب کی خدمتیں کر کر کے۔۔۔۔۔ تسنیم کے واقعے نے ایسا خوف زدہ کر دیا ہے اس کو کہ اس مرتبہ تقدیم کا رشتہ آنے پر ذرا چون و چرا نہیں کی اس نے۔“ اماں نے دل گرفتگی سے کہا۔
 ”کیا کریں پھر؟“ ابا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

”رشتہ اچھا تھا۔ ہو جاتا تو میں بھی سکون سے ہوتی کہ کوئی ایک تو عزت سے اپنے گھر کی ہوئی۔“

”کسی سے قرض ادھار کا بھی امکان نہیں۔ آج کل ہر مولیٰ اپنے چوں پر بھاری ہے۔“ ابا بڑبڑائے۔
 ”کوئی بات نہیں..... دوسروں کے لیے ہم کو تو نہیں سکتے۔“ اماں نے ابا کو آزدہہ دیکھ کر انہیں دے دینے کی کوشش کی۔

”تب مسکا تو مجھے کب جانے میں بھی کوئی عار نہ ہوتا۔“ ابا انتہائی رنجیدہ دکھائی دینے لگے۔
 تقدیم کرتا چلا تو لوگوں کی ہنسی اور بے بسی پر اسے بھی ملال ہوا۔ وہ شرم و جھجک کو ایک طرف رکھ کر اماں اور کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ ”اب آئیں تو جو تھے مار کر کھالے گا ان بے جاؤں، لاچ کے ماروں کو۔“ اس حماقت سے کہا۔ ”بھگ گئیں گے۔“

اماں اور ادا دونوں اسے بے یقینی سے دیکھا کہ پھر اماں دل رکھتی ہے بولیں۔ ”دعا مانگو کہ تم لوگوں کے کوئی بھلے ہانس آئیں۔ ہر وقت میرے دل کو بے بسی کی لگی رہتی ہے۔“
 ”کم از کم میرے لیے تو آپ گھر مندر رہنا چھوڑ دیں اماں۔“ وہ اماں کے نزدیک بیٹھ گیا۔
 ”ممکن ہے؟“ اماں مجسم سوال بن گئیں۔

”میں اپنے بیروں پر کھڑی ہوں۔“
 ”کیا فرق پڑتا ہے۔“ اماں نے کہا۔
 ”اپنا بوجھ آپ اٹھا سکتی ہوں، اصل مسئلہ کفالت ہی کا ہوتا ہے اماں۔“
 ”عورت کے لیے کفالت سے بھی زیادہ کایا ہم مسئلہ تحفظ کا ہوتا ہے۔“
 ”جس کا پتلا دل لاچ کی مٹھی میں دبایا ہو وہ کیوں کیا تحفظ دے گا اماں۔“ انکا کرکریں آپ ان لوگوں کو۔“
 ”دیکھتے ہیں بیٹا کیا ہوتا ہے۔“ ابا نے کہا۔
 ”اب کیا دیکھنا!۔۔۔ ان کی اسلیت سے شائب ہو چکی۔ ایسے لوگوں کو تو بے تحفظ نہ مانی جائیں۔“
 ”بیٹی والے مجبور ہوتے ہیں۔“ ابا کا لہجہ تھکا سکا تھا۔

”کیا مجبوری!“
 ”تم نہیں سمجھو گی۔“ ابا نے کہا۔
 ”جب ہمارے مقام کو پہنچو گی تب سمجھ میں آئے گی کہ میں۔“ اماں بولیں۔
 ”اپنی کوڑھ مغزو تو نہیں ہوں اماں..... وہ دھیرے سے مگرانی اور اس نے اپنا ہاتھ اماں کے شانے دھرتے ہوئے کہا۔ ”زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا یہی نا کہ شادی نہیں ہوگی۔ نہ ہو..... بے شک نہ ہو۔“ شادی زندگی کا خیر اثر نہیں ہے۔“
 ”سنت ہے۔“ اماں نے کہا۔ ”اللہ کا حکم ہے۔“

”لیکن جہاں شادی کو بیڑ پار بنالیا جائے وہاں؟“ تقدیم کی نگاہوں میں کاٹ اور لہجے میں سوال تھا۔
 ”اس سوال کا جواب اماں، ابا دونوں میں سے کسی کے پاس نہیں تھا شاید وہ جواب دینا نہیں چاہتے تھے۔
 ”موسں کی پاسنگ آؤٹ سے کیسے پگرا کر رہا؟“ تقدیم نے اچانک ہی موضوع بدل دیا۔
 ”تمہاری ماں جانے کو آدھ ہی نہیں ہو پھر حالانکہ وعدہ یہ تھا کہ بیٹے کی پاسنگ آؤٹ میں انہیں میرے کندھوں پر بھی سوار ہو کر جانا پڑا تو یہ جائیں گی۔“

”ارے میرے بیٹے پرموگہ لئے کہنم چوٹی ہے گھر میں۔ اس بد بخت نے تو میرے لیے ہر خوشی حرام کر لی۔ یہ کھ کھلا کر نہ بیٹھی ہوگی گھر میں تو میں اپنے بیٹے کے آنے پر گھر میں قرآن خوانی کروانی۔ اپنوں والوں کو جوڑی۔ خوش بخت سے موسں کا شہتہ کر گئی۔“ دیکھیں چڑھوانی خوشی کرنی۔ تسنیم کے کراوت نے میری ہانڈی خوشیوں پر پانی پھیر کر رکھ دیا۔ جانے کو قدم بھی جب اٹھتے ہیں جب دل خوش ہو۔“ اماں رو ہانسی ہو گئیں۔
 ”جانا تو بڑے گا اماں، کوئی معمولی بات تو ہے نہیں۔ موسں کی زندگی میں یہ موسں پھر پلٹ کر ٹھوڑی آئے۔“ اگر اس موقع پر کمرے سے کوئی نہ کیا اس کی خوشی میں شریک ہوئے تو اسے تمام زندگی تپ رہے گا..... اور یہ صرف اس کی خوشی تھوڑی ہے ہم سب کی خوشی ہے۔ ہم سب کے لیے فکر کا موقع ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا اماں؟“
 تقدیم نے اماں کا حوصلہ بڑھانے کہا۔

”بالکل!“ ابا نے تاکید کی۔
 ”ایسا کر تم اور تمہارے ابا چلے جائیں۔“
 ”میں تو سر آکھوں کے مل جاؤں گی لیکن آپ بھی کیوں نہیں۔“
 ”مجھے پریشانی ہوگی، ساتھ جانے والوں کے لیے بھی پریشانی کا سبب بنوں گی۔ ویسے بھی بچیاں ہیں گھر اس کے سر پر ہاں، باپ میں سے کوئی ایک تو ہونا چاہیے۔ مجھے گھر میں رہنے دو تو چلے جانا۔“
 ”جانا تو ہر صورت ہو گا ابا۔“ تقدیم نے ابا کو دیکھا۔
 ”غصہ ہے ہم باپ بنی چلے چکیں گے۔“
 ”خوش بخت کے لیے آگوشی بننے کو دے دو۔“ اماں بولیں۔ ”موسں آئے تو میں موقع دیکھ کر اس کے نام کی لڑکی تو پہنا دوں خوش بخت کو۔ چاہے کوئی تقریب ہو یا نہ ہو۔“
 ”آپ اطمینان رکھیں، میں غصے ہی بننے کو دے دوں گی۔“
 ”جیسی رہو..... اللہ تمہارا نصیب اچھا کرے۔“ اماں نے دل سے دعا دی۔

☆☆☆
 اس کو جانے کے لیے چاب صبح کے وقت عموما گھر سے میں روڈ کو پیدل آنے کے بعد رکشالے لیا کرتی تھی۔ اسی نے اس کیلئے کسی میں سفر کرنے سے ہمیشہ منع کیا تھا۔
 اس روز بھی وہ حسب معمول میں روڈ پر آنے کے بعد کسی خالی رکشالے کے انتظار میں کھڑی تھی کہ کتنے ماڈل کی ایک طور گھرے کر اس کے بہت نزدیک آ کر۔ یہ کوئی اچھے والی بات نہ تھی۔ آئے دن کا تماشہ تھا۔ ایسے موقع وہ لفٹ دینے کے شوقینوں کے منہ کٹنے کے بجائے یا تو چند منٹ پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو جاتی تھی یا ایسے کارٹینوں کے گوشوں کو قطعاً نظر انداز کر کے آگے چلا شروع کر دیتی تھی اس وقت بھی اس نے یہی کیا۔ کارڈ ہتھی سے رہتی ہوئی پھر اس کے نزدیک آ کر۔ کتنے ماڈل کی ایسی کے شمار کریں شہر میں ہوائی دوڑتی پھر رہی تھیں۔ الحاف کے اس بھی ایک ایسی ہی گاڑی تھی۔ گاڑی کا مارن بجاد اور اگا دروازہ کھول دیا گیا۔ وہ کارٹین کے بے غیری اور احتیاطی پر ہی جی میں کھولتی اسے لڑکے کو ٹھک گئی۔ اپنے بائیں پہلو پر جھکا گاڑی کا اگا دروازہ وا کیے الحاف اسے دیکھ رہا تھا۔

(باقی آئندہ)

مکمل ناول

فیصلوں کا سفر

مالیہ صرا



سعد بن وقاص جہاز کے وسیع و عریض عرشے
پر یلگ پردوں ہاتھ پھیلائے کڑے تھے۔ اُن کی
سیاہ سوچی آنکھوں کے سامنے وسیع و عریض بحرِ بے
کناں، جزا کا لکاٹھا نہیں مارتا سمندر تھا۔ تاحد نگاہ



تک پھیلا سفید پانی اور اس کے اوپر جھکا نیلا
آسمان..... ہر سو نیلا ہٹ نمایاں تھی۔ سعد بن وقاص
کے ماتھے پر چھ سوچ ٹکٹوں کا جال تھا۔ جب تک
سمندر کے درمیان جہاز کے اوپر آن ڈیوٹی رہتے

بس اس بہت ہو گیا۔ مگر لوٹ چلا اور دل کے ساتھ خوشیاں مناؤ۔" سنیٹی انہیں سمجھا رہا تھا اور دل..... دل وہ ضدی بچہ ہے جو کہنے کو چاند بھی بانٹتا ہے اور سن پند کھلنا ٹوٹ جاتے تو دوسروں انگٹھا رہتا ہے۔ کھلونوں کی کچیاں سفید رکھتا ہے اور دھڑکا رہتا ہے۔

رات عرش پر بیٹھے چاند کی کرنوں میں ڈوبے سمندر کو دیکھتے وہ صبا کے بارے میں سوچتے رہے۔

بائیوں میں صبا کی سرکڑوب ڈوب کر ابھر تارہ۔

"اسے اس کا حق دینا۔" سنیٹی کی آواز ابھری۔

"کیسے؟" باؤں میں اگلیاں پھیل گئیں۔

"چار سال سے وہ تمہارے بچوں سمجھا رہی ہے۔

تمہارے گھر کی دیکھ بھال کر رہی ہے اس نائے۔ تمہاری بیوی تم سے منسلک تمہارے نام سے

جڑی ہے اس واسطے..... اسے سہاگن سمجھا، اس کے دل کے ارمان ہیں۔ تم نے اگر عشق کیا ہے تو اس نے

بھی محبت کی ہوگی کوئی یونی تو نہیں دیا۔ محبت میں کوتاہی۔ سنیٹی جب بولنے پر آتا تو رسک نہیں تھا آخر

شاعر بندہ تھا۔ حد چوک چوک جاتے۔ کیسے منافقت کرتے، کیسے ڈھکی دل و جگر پر ہاتھ رکھتے۔ باوصاف

کے جود کو چمکو کر روری گی اور دل و دھماکی تیار ہو رہا تھا۔ انزل سے کوئی انیت، کوئی گاؤ محسوس ہی

نہیں ہوتا تھا تو محبت کیسے ہوتی..... صابر مگر سنیٹی انہوں نے اپنے دل میں اسے مرے ہی نہیں دیا تو

دوسری کی جگہ کیسے بنتی..... انزل ضرورت بن کر زندگی میں آئی گی اور صابحت میں، محبت رہے گی۔ اب دل کو

کسی دوسری محبت کی ضرورت نہیں تھی۔ صبا ان کا عشق تھی تو انزل کی کیا چاہش انزل کی کو شرو سے پسند نہی۔

ان کی شادی کا وقت آیا تو انی نے انزل کا نام لی تھا اور انہوں نے صبا کی زندگی کے گزرا کر انی سے محبت کی ہوئی۔ فتح کے غمار میں انہوں نے اس کا دل توڑنے کی آواز دی تھی۔

کے دوست سنیٹی نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ وہ جو گھرے پائیل میں اس صوفج رہے تھے چونک پڑے۔

"اس..... ہاں..... نہیں تو....." بیک ریٹنگ سے لگا کر کہنے پر ہاتھ بندھ لیے۔

"یہ میرا وہ نہیں ہے یقین ہے، لگتا ہے اس بار گھر جانے کی، بچوں کے ساتھ بھائی کے ساتھ رہنے کی خوشی نہیں ہے نہیں۔" سعد نے گہری سانس لی۔

"نہیں ایسا بات تو نہیں ہے۔" ایک لگاؤ تھا ان پر ڈالی۔

"یہ پھر تم اس حصار محبت سے باہر نکلتا ہی نہیں چاہتے۔"

سعد نے لک لگا ہاں پر ڈالی۔

"ناسی کی یادیں انسان کا زیادہ عرصے تک ساتھ نہیں دیتی آخر میں حال میں لوٹا پڑتا ہے۔ انہیں دل میں زندہ رکھنا اور باہر والوں کو خوش رکھو۔ وہ تمہاری ذات

سے منسلک تمہاری توجہ کے تحت، تمہاری محبت کے طلب گار ہیں۔" دیر سے اس کا شانہ دبا کر سنیٹی انہیں سمجھا رہا تھا۔ وہ ان کے حال دل سے باخبر تھا۔ جو

محبت کا ایشن اور چاہت کا گواہ اور ان کے نکاح کے نام سے اس کے سامنے تھے اور جو ان کی پہلی شادی کی طرح

دوسری شادی پر بھی خوش تھا۔ دوست دوستوں کی خوشیوں میں ہی خوش ہوتے ہیں۔ انکھ بھر کر اسے دیکھا

اور انکھ بھرا آئی۔ دیر سے لگا ہوا۔

"میں جانتا ہوں تیرا دامن دیکھ رہے مگر یوں فرار کب تک، بچے تو پھر بیٹے ہیں نا، انہیں بھی تیرا

انتظار ہے۔"

"اور..... وہ.....؟"

"اور وہ بھی ہمارا گھر والی۔ تمہارے بچوں کی ماں۔ ان کا خیال رکھنا ہی تم پر فرض ہے۔ سعد۔ حال سے فرار ممکن نہیں..... اور خواہوں کے ساتھ سفر کرنا

لا حاصل ہے، خواب کتنی بن کر صاب بن جاتے ہیں۔

صبا کے بغیر ان کی زندگی ادھوری تھی۔ صبا سے انہوں نے عشق کیا تھا۔ منوں سے پایا تھا۔ عشق چھڑ جائے تو بہت اذیت ہوتی ہے یوں جیسے جسم سے جان نکل جائے اور ان کی روح صبا کی روح کے ساتھ ہی نکل گئی تھی، تو وہ کیسے زندہ رہے۔ مگر زندہ رہنا تھا۔ ان کی زندگی تھی..... ان کے بچوں مون اور ایمان کو ان کی ضرورت تھی۔ ان کے بہتر مستقبل کے لیے۔

ہنسا، مگر تافض ویران ہو جائے، اس کا وجود سم و تصور کی آواز گاہ بن جائے۔ یہ کیسا درد ہوتا ہے۔ یہ کوئی انزل کے دل سے پوچھتا۔ سعد بن

انزل نے صبا سے عشق کیا تھا تو! انزل نے بھی سعد بن وقاص سے بچی محبت کی تھی مگر اسے اپنا نہیں کب ملتا ہے، اس کا سڑل صرف اپنے رب کے حضور نہیں

رہتا تھا۔ سعد بن وقاص کی بات سے غافل نہیں تھے مگر یہ مجبور یوں کے سوسے تھے۔ بعض اوقات

مجبور یوں کے سوسے دل جیت لیتے ہیں یا پھر کرب مسلسل دیتے ہیں۔

دل باریک جاتے ہیں، جذبے مر جاتے ہیں۔

اپنی زندگی کا لقا تھا یہ

بائیوں کے ستر پر چلیں جس گھڑی

سالموں پر کوئی کسی ہمارا نہ ہو

اجنبی و سنی کی لگنی شام کے

آسانوں پر کوئی بھی ستارہ نہ ہو

آخری دم تک بھی غم کو

بادیوں کا کوئی ہمارا نہ ہو

بے حد درد و غمی سے وہ سوچتے اپنے خوار صبا کے خواب میں گم تھے۔ مگر جانے پر وہ کہتے خوب صورت اور پھر پر انداز میں ان کا استقبال کرتی تھی۔ ان پر غار ہوئی تھی۔ ہر بچہ عید اور ہر شہ فخر کے مانند ہوتی اور اب..... راکہ اب بھی جینے کی وسعتوں سے نکلی۔

"کیا بات ہے صبا کچھ چپ چپ سے ہو؟" ان

مرسکون اور دنیا کے بچکاموں سے دور رہتے۔ بس اب گھر جانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ مون اور ایمان کی ہنسی مسکراتی تصویر انہوں نے اپنے لپ ٹاپ پر، موبائل فون پر سیٹ کی ہوئی تھی جب دل چاہتا بات کر لیتے تھے۔ تصویروں سے دل بہلا لیتے۔ تصویریں جو زندگی کی ساقی بن کر رہ گئیں۔ ہر تصویر میں جان جاناں صبا ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ ان کا بچل، ان کا خیال، گمان، خواب اور دنیا صبا کی ان مسکراتی تصویروں سے آباد تھی۔ ایسے میں انزل کی اس زندگی میں بچل کہاں لگتی تھی؟

انزل ان کے بچوں کی دوسری ماں۔ بچوں کی زندگی میں انزل سا سنیٹی اور ان کی زندگی میں تو بس

صبا ہی ہوتی تھی۔ صبا جو باجی تھی..... صبا جو ان کے گرد نہیں نہیں تھی۔ ان کے جہاز کو لڑائی کے ساحل سے لگنے میں کچھ ہی دن تھے۔ اور بہت سالوں کے

بعد ان کی زندگی میں یہ موقع آ رہا تھا کہ عید اپنے وطن میں کرنے جا رہے تھے۔

سعد بن وقاص اپنی چھٹی کسی بھی ساقی و کر دوست کے ساتھ بانٹنے کے لیے تیار تھے۔ مگر اب

کے ان کا جہاز ابو غازی خود بھی کراچی کے ساحل پر اپنی عید منانے جا رہا تھا۔ ان کا دل بے چینی سے بے تاب

کی تال پر دھت سے دھس کر رہا تھا۔ اپنے گھر میں آخری عید انہوں نے چار سالہ مون اور دو سالہ ایمان

کے ساتھ منائی تھی، صبا کے ساتھ چار سال پہلے.....

خوب صورت شرارتوں، بھتی ساقوں، خوشبو دار گوں اور صبا کے چمک، شوخ اور خوب صورت بیکر کے

ساتھ..... کیسے عید انزل کے ساتھ عید منائیں گے۔ ان کی خواہش ہوتی تھی عید پر مگر نہ جائیں۔ یادیں

ان کا چھپا کر نہیں تھیں۔

اس بار یہ تو خوش ہوں گے ہی انزل کی خوشی بھی دیدنی ہوگی مگر صبا.....! اتنے سالوں کے بعد بھی

کہاں سے لوٹ آنا ہے
ذرا سا فیصلہ کرنا
بڑا دشوار ہوتا ہے

انزل نے دھیرے سے ڈائری پر قلم رکھ دیا۔
نہشت سے پشت لگا کر سر لگا کر آنکھیں موندیں اور
تعمیلیں سے آنکھیں دباتے ہوئے گہری سانس لی۔
”ہاں“ بڑا دشوار ہوتا ہے..... امی..... مگر
فیصلہ تو ہو چکا ہے۔ امی میری زندگی میں کی اور فیصلے
کی کوئی مثال نہیں ہے، یہ مگر اور حد کا ساتھ میری منزل
ہے اور منزل میں بار بار تین بدلا کرتیں۔ مجھے سعد سے
عشق چوں ہے۔“ اور خودی تیرا مسکرا دی۔

کوئی اسے ٹھیک دیکھے یہ چوں نہیں تو کیا ہے۔
کر اسی کے ہو گئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا
”سعد نہیں تو کیا ہوا عیبت کی صورت ان کے
بچے تو ہیں ہاں ان کے گھر میں تو ہوں نا..... امی، آپ
نہیں جان سکتیں کہ میری زندگی کا سکون کہا ہے.....
قرار کیا ہے۔“ دھیرے دھیرے اس سے آنکھیں کھول
دیں۔ سر کو راس کو تھامات، مات کا پچھلا بہرہ دھیرے
دھیرے سچ کے پہلے پہر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ تازہ
ہوا شب کے ہاں پھولوں کی مہک اڑا لے جا رہی
تھی۔ اس کی سائڈ ٹیبل میں ملے ہوئے کے پھولوں
کی مہک نے فضا کو مہر کر رکھا تھا۔

”میں تو اس میں بھی بہت خوش ہوں۔ آپ کتنی
ہیں کہ اب کے سعد آئے تو فیصلہ کروالو۔ تم اس کے
بچوں کی خادمہ نہیں ہو اس گھر کی نوکری نہیں ہو.....
بیوی کے حقوق دے نہیں۔“
”امی مجھے بیوی کا نہیں چاہیے، انگوں تو ابھی
مل جائے۔“ وہ دھیرے سے امی اور دپتے میں
کھڑی ہو گئی۔

”مجھے رجب چاہیے۔ رجبے کا احترام چاہیے،
خیرات نہیں۔ مجھے انتظار کرنا ہے۔ سن چھینا نہیں

”ابھی طرح بچوں کو رکھا ہوا تھا۔ غل نام نہ میڈ بھی
دلی تھی۔“ بچے اور انزل ایک دوسرے کے لیے
لام بردار تھے۔ ان کے دل کو حواس کی۔ ان کے
پے بیا کی نشانی محفوظ اور مومن ہاتھوں میں تھے۔
اب ہر ایک عرصے بعد تین چار ماہ کے لیے ان
کا ہوا بھیر دھبے کے ساحل سے لگ رہا تھا۔ صبا کی
دوبارہ دھندلائی تھی نہیں تھیں امنڈ امنڈ کے آری تھیں
گرم تھیں بھگ جاتی تھیں۔ اپنے اندر کی محبت کو کیسے
باریں دیکھنے کو آدہ کر دیں دوبارہ سے محبت کرنے
کا اور سستی..... سستی کہتا ہے۔

”بچوں کے ساتھ کسی اور کو بھی تیرا انتظار ہے،
اسے بھی محبت دینا۔ وہ بھی تشنگی سے بھرے مومنوں
میں تیرا انتظار کر رہی ہے۔“
☆☆☆

”اف! کتنا مشکل ہے یہ سفر مسلسل.....

بڑا دشوار ہوتا ہے
ذرا سا فیصلہ کرنا
کہ بیوی کی کہاں کی کیا پان بے زبانی کو
کہاں سے یاد رکھنا ہے
کہاں سے بھول جانا ہے
اسے کتنا بتانا ہے

اسے کتنا چھپانا ہے
کہاں درد کے بھنا ہے
کہاں غم سے کدونا ہے
اس آئینے کے کوئے کو کتنا بھگونا ہے

کہاں آواز دہنی ہے
کہاں خاموش رہنا ہے
کسی دکھ کو کہاں پر
کون سی مدت سے کہنا ہے
کہاں رستہ بدلتا ہے

”آج نہیں تو کل ہو گا ہونا تو امر ہے نا۔ بچے
کھڑ جائیں گے۔ تمہارا روزگار سندری کی دستوں پر
پھیلا ہے، سال ڈیڑھ سال بعد تمہارا جہاز ساحل سے
لگتا ہے۔ مگر دیکھنا کچھ کو۔“
”آپ..... صرف آپ؟“ انہوں نے ماں کا ہاتھ چوم
لیا۔

”مجھے اب کسی رشتے کی ضرورت نہیں ہے۔“
”بچوں کو کنگ گرام کی رگ ماں کی ضرورت
ہے پتا۔“
”میں ان کے لیے بہت اچھی میڈ رکھ دیتا ہوں
گرم آپ ہوں گی۔“

”انزل کو میری خاطر میرے گھر میں
آؤ..... ایک فیصلہ میں نے تمہارا مانا تھا۔ صبا کو
آئی تھی۔ قدرت نے اسے چھین لیا ہے..... ایک
فیصلہ تمہاں کے لیے ماں کو۔ انزل کو آؤ۔“
”امی!.....“ وہ گراہ اٹھی۔

”جہاں زندگی ختم ہوتی ہے وہاں سے ہی
دوبارہ شروع ہوتی ہے سعد! یہ بشری تھا ہے اور زندگی
کے اصول ہیں۔ تمہا انسان بھی یہی زندگی نہیں گزار
سکتا۔ مجھ پر بھروسہ کرو۔“ اور انہیں ماں کا اصرار، ماں
کا تذبذب اور ان کی حالت دیکھ کر دل کے نہ ماننے
کے باوجود دک فیصلہ کرنا پڑا بچوں کے لیے..... ایک
گرم ان کی رگ ماں کی ضرورت تھی۔ انہوں نے انزل
سے نکاح کر لیا..... صرف نکاح۔ دل و دماغ کسی
بشری تھا سنے کے لیے آدہ نہ ہوا۔ امی کا بانی پاس

ہوا۔ ساتھ ہی ان کا نکاح ہو گیا۔ پھر وہ جہاز لے کر
واپس آ گئے۔ پچھلے چار برسوں میں وہ دفعہ دو لے کر
گئے۔ ایک مرتبہ ای کی ڈیڑھ پر ان چاروں کے لیے۔
دوسری دفعہ پندرہ دن کے لیے ان کا جہاز ساحل سے
لگا تو انہیں خبر ہوئی کہ مون کا ایکسپنٹ ہو گیا ہے
اسکول دین سے تو اسے دیکھنے گئے تھے۔ انزل نے

صبا سے شادی کے بعد انہیں گھر میں نظر
نہیں آئی اور تہی ای نے بھی کہا کہ مجھے جہد کے کھر
لے چلو انزل سے ملنا ہے۔ انہوں نے بیٹے کی جنوں
خیر محبت کے آگے اپنے دل پر ردہ کر لیا تھا۔ سستی
دونوں کے عشق و محبت کے بارے میں جانتا تھا۔ سستی
کا بچپن اسی گھر میں گزرا تھا۔ بچپن کے ساتھی تھے
دونوں۔ حال دل سے کیسے بے خبر رہتا وہ۔ پورا پاند
سندری کی لہروں پر رقص کر رہا تھا۔ ابو غازی سندری کا
سینہ چتر ساحل مروا کی چاہے دوں اور دوں خاک و سحر
ریٹک پر بازو پھیلا دے دیر باز کا شکار تھے۔

وہ نکاح کر کے چلے گئے تھے اسی کے لیے حد
اصرار پر۔ صبا کی موت کے شخص چہ ماہ بعد امی کا بانی
پاس ہوا تھا۔ وہ آخری بار ان سے ملنا چاہتی تھیں۔
ماں کی محبت سے مجبور ہو کر گھر گئے تھے۔ وگر نہ دل
اٹھتا رہتا تھا۔ یہ سوچنا بھی سو یاں روح لگتا تھا کہ اس
گھر میں جائیں جہاں صبا لگتی تھی۔ آخر ہی سرسبز
لان میں اس کا جنازہ رکھا تھا آخر ہی آخری بار دیدار
یا کیا تھا۔ کیسے وہاں جائیں گے مگر ان کی تکلیف کا سن
کر جانا پڑا۔ امی واقعی بہت کڑو ہو گئی تھیں نہایت
غالب تھی۔ اسپتال میں ہی انہوں نے ہاتھ باندھ کر
اس سے الٹائی تھی اور وہ خود بخود ہو گئے تھے۔

”بچے ماں کے بغیر نہیں رہ سکتے سعد! نکاح کر
لو..... انزل سے، میری پسند ہے وہ عزیز ہے مجھے،
تمہارے بچوں کو وہی سفال کتنی ہے۔“
”امی!.....“

”انکار تمہاں سے۔“ مجھے اپنی زندگی کا کوئی
بھروسہ نہیں ہے۔ کون ان بچوں کو دیکھے گا۔ بچوں کی
ثانی نہیں ہے جو سنبھال لے۔ خالد، چوہیاں اپنے
اپنے گھروں کی ہیں۔ میرے بعد کون دیکھے گا۔“
”امی! انہوں نے ماں کا ہاتھ چوم لیا۔“ خدا
نہ کرے آپ کو کچھ ہو۔“

ڈرا ہوا کے ساتھ بچے اور سیرا تھی۔ وہ خدا حافظ کہہ کر پارے کی طرح بڑھا تھا ان کی جانب۔ بچے اس سے لپٹ گئے۔ سیرا گاڑی سے نکل آئی۔ سینی نے ہاتھ تھام لیا۔ سب کے چہروں پر اک اور بلی چمک تھی۔ بچی خوشی کی اور ان کا دل..... دل نگار پر ہاتھ رکھا۔ سینی چلا گیا۔ دل یادوں میں پلٹنے کا۔

”صبا..... صبا..... صبا“ وہ بھی اسی طرح سے آتی تھی۔ پہلے سون اور پھر ایمان کو لے کر بھٹی کی پھوار برساتی۔ سیاہ آنکھوں میں گہرا جمل، چمکا ہوا چہرہ۔ اور اب..... پول سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے۔ انہیں بھٹی کی بلی بھی گھر جانے کے لیے اور دھر جانے کو دل نہیں چاہ رہی تھی۔ دانت سوک ان کے سامنے آکر رہی اور سون و ایمان پاپا..... پاپا کہتے تھے۔ بعد سے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ بچوں کو دیکھ کر ساری اداسی اڑ چھو ہوئی۔ دوزاؤں جھکے۔ پاپا نہیں پچھلا میں اور بچے ان میں سا گئے۔ انزلہ بھی بچے اتر آئی۔ اسے عمر سے بعد بچہ کا دیا رہا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی بے مبری آنکھیں اس کا ساتھ نہیں دیں گی سو گامز لگا کر آئی تھی۔ کھیل آنکھوں کا پردہ رکھ لیا تھا۔ مسکراتے ہوئے گاڑی سے ٹیک لگا کر باپ بچوں کا ملن دیکھ رہی تھی۔

”پاپا..... فرینک بہت تھا دیہ ہو گئی۔“ سون چکا۔

”پاپا..... چالان ہوتے ہوئے بچا۔“ ایمان نے دے جی پائی۔

”پولیس اٹھل چھوڑی نہیں رہے تھے، ماما نے بڑے ماموں کو کونوں کیا پھر جان چھٹی۔“

”ماما!..... سعد کو دل میں ہوک انھی۔“ بچوں نے اپنی جلدی صبا کو بھلا دیا۔

”کیسا ہاسٹ؟“ انزلہ کے بڑی۔

”ہوں..... ٹھیک تھا۔“ وہ سنجیدہ تھے۔ انزلہ

”وہی بے فیض لوگوں سے بھا کر کچھ نہیں لگا۔“ سعد کی نگاہیں ہر دل پر گھبرائیں۔

”دل..... سارے کام دل کے ہی تو مرمون ملت ہوتے ہیں، دل کو کیسے سمجھائیں۔“

”ٹھیک ہے، پھر۔“ سینی نے پہلو میں کھڑے اور کھانے پر بازو پھیلا یا۔

”میں زبردستی کچھ نہیں کر سکتا۔“ دل میں یادیں سر اٹھاری تھیں جہاز ساحل سے لگنے والا تھا اور ہر سو سا نظر آتی تھی۔ بستی سکرانی کی۔ ان کا دل دکھائی۔ وہ کیسے کسی دوسرے کو.....

”سینی بھی میں نا۔“ سر جھٹکا۔ دل کی سطح نم ہو رہی تھی مگر کبھی عجیب بات ہے کہ مرد و یاتیں کرتے..... اور..... آنکھوں کی سطح ٹھیک تھی۔ جہاز ساحل سے لگ گیا۔ سب نے فراری سے اترنے لگے۔ سب سے پہلے اترنے والا سینی اور سب سے آخری میں اترنے والے سعد تھے۔

”یار.....“ سینی پینڈ کیری لے کر ساتھ چلا۔

”سمندر بہت بڑا ہے اور اس کا طرف اس سے بھی بڑا۔“ یاد دہانی پھینک دیتا اور پریکون ہوجاتا۔

”یہ سب اپنے اختیار میں نہیں ہے۔“ سبجہ میں

”تو اس بار جب ایوانی سفر پر نکلے گا تو تو ساتھ نہیں جائے گا جب تک اپنے تعلقات کو راہ راست پر نہیں لے آتا۔“ غضب خدا کا جان..... خوب صورت دوسری بیوی گھر میں موجود اور یہ صاحب گڑے مروے اکھاڑنے کے چکر میں ہیں۔ میرے ساتھ یہ ہوتا تو..... میں“ ساتھ چلتے چلتے کہتے ہوئے مسکرا دیا۔

”جائے کیا کچھ کر لیتا“

سعد نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ شرارتی سی بھٹی آنکھوں میں گہری چمک، اپنوں سے ملنے کی ہنک تھی اور ان کا دل..... سرگھا لیا۔ سینی کی گاڑی آگئی۔

مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ ”اور میں نے تو آپ کو رپ سے مانگا ہے۔“ وہ ایک بار پھر چلنے لگی۔

”آئیے میں چند دن ہی ہیں، میں چند دنوں بعد جہاز ساحل سے چھوٹے گا اور اس گھر میں روٹیں اتر آئیں گی۔ سون، ایمان اور میں..... اور آپ کو بھی خوش ہونا ہے اور دل سے خوش ہونا ہے اس بار ہمارے ساتھ۔“ ایک بار پھر تقویٰ کے آگے رکھی۔

”سن لیا نا؟“ اور تقویٰ کی پیشانی پر ہاتھ میں پکڑا پھول پھیر رہی تھی۔

”کوئی عذر، کوئی بہانہ، کوئی اداسی اور کوئی فرار نہیں چلے گا..... ہاں.....!“ دھیرے دھیرے ہونٹ مسکتانے لگے۔

”اب کے فیصلہ کار ارفاد کا ہوگا۔“ ☆☆☆

ساحل نظر آنا شروع ہو گیا تھا اور اس گھر کی دھوپ نے ہر سوا حاطہ کر رکھا تھا، سورج کی سہری گھٹیں ہر دل پر موجزن تھیں۔ لوگ خوش اور بے یقینی سے ساحل چھوئے کے منتظر تھے بس سعد کے دل میں خوشی نہیں تھی۔

”میں گھر آؤں گا۔“ سینی کافی کام لے کر آیا۔ ”اور تجھے بھتا مسکراتا دیکھوں۔“ غم والہ کی تصویر بنائیں۔ وہ وہ حیات ہوتی تو ٹھیک تھا مگر گزر گیا وہ بچہ نہیں آئے گا۔ کافی کام لے کر ان کی جانب بڑھا یا۔ ”اک کھم گزشتہ تیری منتظر ہے۔“

”کتنی فیس ملی ہے کیس لڑنے کی؟“ سعد نے مسکرا لکھ تھا۔

”میں اکثر کامی کر دیتا ہوں..... یعنی فی سبیل اللہ۔“ وگرنہ میں انہیں بھی سمجھا دوں گا۔

”سینی نے شرارت سے کہا۔“

”کیا.....!“ سعد نے کافی کا کھونٹ بھر کر اسے دیکھا۔

”بلو، بیل کی تل کو دھیرے سے چھوا..... سر مای خوش ہو رہی ہوگی تھی۔“ بیگہ ہوا خدا موسم۔ شہنشاہی ہوا۔

”جے تک سعد انیس کے سردیاں شروع ہو چکی ہوں گی۔ میں کا بہت اچھی بنائے گی ہوں۔“

”خلف حلوے بنا کر رکھتے ہیں۔“ کبلوں کو ترتیب دینا ہے۔ ”وہ کاموں کی ترتیب دینے لگی۔

”سنو! دھیرے سے کانوں میں پروانے سرگوشی کی۔ شرارتی دل نے سراٹھایا۔

”کچھ کر کم پڑے اپنے لیے بھی بخالو نا.....“

ادنی رنگ برنگی نوٹیاں انہیں بھی تو پسند ہیں۔ وہ پل اور..... اور اس کا راف..... اور سخت سردیاں ہوں۔“

وہ لب و لہجہ لگی۔

”لاگ ڈرائیو..... آتش دان میں جلتی لکڑیاں..... ایزی جیٹر پر بیٹھے وہ..... خشک کرتی میں..... بھاپ اڑاتی کافی۔“ کا جو اور ڈرائی فروٹ سے خشک کرتے ہم دونوں..... درمیان میں ان کا شرارتی جملہ..... آؤ نا..... اوہ.....! وہ آنکھیں بند کر کے سکرانی اور اس کی زبانی کا خواب زندہ ہو گیا۔

”پریکون، نفخا، مضر سردیاں اور خواب ناک روٹھنک ساحل۔“ دھیرے سے آنکھیں کھول کر پتی ہتھیلیوں کی جانب دیکھا۔

”ناگنا نہیں ہے تقدیر سے صل کا انتظار ہے میرے ہی ہاتھوں پر کسی ہے میری تقدیر اور مری تقدیر ہر میرا نہیں نہیں چٹا“

اس نے گہری سانس بھری..... اور رخ پھیر کر دھیرے دھیرے کرے میں چلنے لگی۔

”محبت ایسا منت ہے“

فنا جو ہوئیں سکنا

اور..... میری محبت بے لوث ہے اور مٹا ہے۔“ دھیرے سے جھٹکے خرم کے آگے آگے ٹھہرتی۔ ”بے لوث جذبہ راگناں نہیں جاتے۔“

پر لٹ گیا۔

”بھئی یہ آپ باپ بیٹے کا معاملہ ہے۔“

احتقاق بھرے اعانہ میں سن کر درست کرتی، اخبار پڑھتی

انزلہ نے کہا۔ ایک بل کے لیے وہ انہیں باگلی۔

”بابا“ کا تین فریم لکھ لیتے ہیں۔ دل میں

آکاس تیل سے سر اٹھایا۔ دوڑنا سے آگاہ، جدائی

کے احساس نے دل کے درد کو جگایا۔ انزلہ سگراتے

ہوئے ایمان کو بہلا پھسلا کر باہر لے گئی۔ مون ان

کے بچے پر سر رکھنے لگتا تھا۔ جا کا احساس رگ و پے

میں سرایت کر گیا۔ ان کی انگلیاں مون کے نرم بالوں

سے کھینچ لگیں، نگاہیں، مسکراتی ہوئی جا کے خاموش

وجود پر پھر کھینچ۔

مون جانے کون کون سی کہانیاں

سنانے لگا۔ جا ان کے شانے سے آگئی۔ سحر کی

ہر کھیں سیکھیں اور بند ہو گئیں۔ جدائی کا درد ابو

رنگ ہو کر وجود سے لپٹ گیا اور توڑ دی ویر بعد دودھ کا

گلاس لاتی انزلہ دہلیز پر ہی ٹھہر گئی۔ بستر پر دراز سحر

انکھیں سونے کے لیے تھے۔ ایک بازو سینے پر رکھا تھا

دوسرا ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھائی کی تصویر پر۔ انزلہ کا

دل دکھ سے بھر گیا۔ قریب آ کر گلاس ساڈ ٹیبل پر

رکھا۔ اس شخص کے ہونٹوں پر ہنسی کے پھول کھلانے

کے لیے جانے کتنے شخص سفر لے کر گئے ہیں۔ قبل

کھول کر اوپر ڈال دیا۔ تصویر اور اس پر رکھا ہاتھ

چھپ گیا۔ آہٹ پر آنکھیں کھول دیکھا۔

”بھئی بھئی خشک تھی ناں اس کے بل کی اکل حار ہی

تھی۔ آپ یہ دودھ پی لیں، ابھی نیم گرم ہے۔“

”بھئی طلب نہیں ہے۔“ انہوں نے نگاہ

چلا کر سامنے چینی گئی۔ جب گھر اس کا تھا تو گھر

والے کو بھی تو اپنا بتانا تھا پھر شرم کئی۔ کسی

گلاب۔ حیا دریاں پیدا کر دیتی۔ اور پھر دل نے

کفر کو کھلی دیا تو اپنا بتانے کی قسم کھائی تھی اور دل کی قسم

اکر ضرور پورا ہوتا چاہیے۔ بچوں نے باتوں کا سلسلہ

اکول سے شروع کر دیا اور ہر بات کا اختتام مون

ہاں کرتا۔

”مجھے کل سے آپ اسکول چھوڑنے جائیں

گئے۔“

”اور مجھے ماما۔۔۔ ایمان نے فوراً انزلہ کے

گلے میں بائیں ڈال دیں۔ بچوں سے محبت نظر آ رہی

تھی۔

”میری ماما بہت اچھی ہیں۔“ ایمان جھونے

لگی۔

”اور میرے پاپا۔“ مون کیوں پیچھے رہتا۔ سحر

ہاں رہے بچے بچوں کے لیے۔ انزلہ سے نظر چار ہے

تھے۔ ڈریسنگ ٹیبل پر انزلہ کی پشت اور ان کی نشست

کے سامنے جا کھانا تو فریم بھی نمایاں تھا جو بار بار انہیں

اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا۔ ان کی نگاہ دھندلا رہی تھی۔

بہت مرنی نہیں ہے، دور ہو کر اور بھی درد دیتی

ہے۔ اور یہ ٹیٹھا سارو دا نہیں بہت عزیز تھا۔

”چلو بیٹا اب پاپا کو تھوڑا سا آرام کرنے

دو۔“ بچوں کے ہنسی مذاق اور شرارتوں میں بہت سارا

وقت گزرتا تو انزلہ کو خیال آیا۔

”ماما۔“ مون ٹھکا۔

”پلیز ماما۔۔۔ ایمان نے ہاتھی لہجہ اختیار کیا۔

”چلو۔۔۔ چلو۔۔۔ شاہاش۔“ دو پنا شانوں پر

سنبھالنے، بیڈ سے اترتے ہوئے متا بھرا اچھو تھا۔

”صبح چھٹی ہے۔“

”پاپا تمکے ہوئے ہیں۔“

”میں پاپا کے پاس سو جاتا ہوں۔“ مون بستر

گفت اور بو کے تھا ہے۔ انہیں اپنی ساگرہ یاد ہی

تھی۔ صبا تھی تو۔۔۔ سنہری سیٹ گلاب کی کٹی کے ساتھ

انزلہ نے ان کی جانب بڑھایا۔

”شکر کر۔“

”پاپا۔۔۔ گفٹ کا جھنک نہیں کہتے۔“ سحر مسکرا

دئیے۔ گفٹ بیک ساڈ پر رکھ دیا اور وہ کھلنے کا کشت

ساڈ میں بڑا ہل سحر بچوں کے ساتھ اٹھ کر اپنے

رہم میں چلے گئے۔ بیڈروم او بیسیا تھا جسے چھوڑا

ہر چیز اپنی جگہ کھانے پر تھی۔ صبا ہوئی تو کئی شکایتیں

ہوتیں۔

”سحر جلیز چیزوں کو اپنی جگہ پر رکھا کریں۔ پھر

ٹاول۔۔۔ شیوز۔ آف کتابیں۔۔۔ پلیز اپنی ہی ڈر

تو سنجال لیا کریں۔ اور۔۔۔ اب۔۔۔ بستر پر گرے

گئے۔

”کئی دنوں سے شکایت نہیں ڈھانے سے۔“

”پاپا۔۔۔ یہاں کیوں۔۔۔ اور چلیں نا ماما

کے بیڈروم میں۔“ ایمان نے پوچھتی پلاتے ہوئے کہا۔

”یہ پاپا۔۔۔ کا بیڈروم ہے باگل اور پاپا کو آرام

کی ضرورت ہے۔ آرام کرنے کے بعد

گئے۔“ مون نے سمجھا۔ بیک کراؤن سے ٹیک لگا کر

سحر سگرایے۔ ان کا بیٹا کتنا سنجیدہ دار تھا۔

”اوپر ماما کا بیڈروم زیادہ اچھا ہے ہوا دار،

روشن، میز والا۔“

”اچھا۔۔۔ ماما کو یہاں لے آؤ۔“ مون نے

مشورہ دیا اور ایمان بھاگ بھی گئی۔ سحر روک نہ

سکے۔ مون ان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ سحر اس کے

بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگے۔ ایمان انزلہ کو لے بھی

آئی۔

”اب ہم مل کر باتیں کریں گے۔ آئیے ماما۔“

مون نے اپنے غریب جگہ بنائی اور سحر گڑبڑا نے۔ لہ

بھر کو انزلہ تذبذب کا شکار ہوئی اور پھر سر جھٹک کر بیڈ

نے ڈکی کھول دی۔ سحر سامان رکھنے لگے۔ بچے

گاڑی میں بیٹھے تو سحر پیچھے ان کے ساتھ ہی بیٹھ

گئے۔ انزلہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنجال لی جبکہ دل

میں یہ ارمان تھا سحر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھیں گے تو وہ

فرنٹ سیٹ سنجال لے کر۔۔۔ بچے پیچھے۔۔۔ فیملی مکمل۔

جانے کیوں گہری سانس لی۔

”ابھی شاید وہ وقت نہیں آیا جب فیملی مکمل ہوتی

ہے۔ ابھی مزید انتظار کرنا تھا۔ ابھی تو۔۔۔ ابھی

تو۔۔۔ گاڑی آگے بڑھا دی۔

”ماما آرڈر لیتا ہے۔“

”ماما آتش کریم بھی۔“

”ماما مٹھائی بھی۔“

”ماما۔۔۔ میرا بوکے۔“ بچوں کی فرمائشیں۔

انزلہ نے راستے میں سے سارے آرڈر لے لیے۔

بچے خوش ہو گئے۔ چلتی گاڑی میں سحر، جا کے ساتھ بچو

سفر تھے۔ ذہن دہل کے دروازے کسی اور کے لیے وا

تھے۔ ان کے آنے کی خوشی میں ان کی پسند کے کھانے

پکائی تھی وہ اور بازار کے کھانے جب آتے تھے جب

ان کے جانے کا وقت آتا اور لچھہ لچھہ ساتھ گزرتا تھا

اور یہاں ایسا کیا ہوگا؟ یہاں تو بس سمجھوتہ ہی ہے۔ سر

جھٹکا۔ گاڑی رک گئی۔

گھر آ گیا تھا۔ بچے کھانے کے صحنوں میں لے کر۔۔۔

اندر بڑے۔ انزلہ عبدال سے سامان نکلوانے لگی۔

اسے ضبط بھی کرنا تھا اور میر بھی۔ عرصے بعد پر دہی

گھر آیا تھا، وہت بہت تھا ابھی انہیں اپنے طال میں

آخری بار رہنے دو اور۔۔۔ ڈرائیونگ ٹیبل پر چکن

برائی، وائنٹ فور، کباب اور ٹرائفل دیکھ کر شرمندہ

سے ہو گئے سب ان کی پسند کا تھا اور اس وقت ان کی

حیرت، خوشی میں بدل گئی کسانے کے بعد جب مون

بڑا سا لیک تھا سے آ گیا۔

”بھئی بھئی نہ ڈیو لے پاپا!۔“ پیچھے پیچھے ایمان

ہوئے تھے کہ حمیدہ بانو آگئیں، فیضان کے ساتھ۔
انزل نے اٹھ کر ماں کا استقبال کیا۔ بھائی سے ملی۔
سعد بھی اٹھ کر ملے۔ آپا نے آتشکرم کب ان کی
جانب بڑھائے۔ حمیدہ بانو، سعد کا جائزہ لیتی زیرک
لگائی سے جاول اور لوگوں کا بھی جائزہ لے لے گی میں
اور پھر ان کی نظر میں انزل پر پڑھ گئیں۔ اس کا چہرہ
چمک رہا تھا۔ سعد کے لیے وہ دب کو خوش کر رہی تھی
ان تھک محنت۔ کام اور کام۔ اور یہ شخص ان کی
بہن کو بس اپنے بچوں کی خادمہ۔ گھر کی رکھوالا سے
زیادہ اہمیت نہیں دے گا۔ مگر کبھی مہمانے اس کا چہرہ
نہیں چھوڑا تھا۔ ان کی پاگل بنی۔ صرف نام، مگر
اور اس کے بچوں سے خوش ہوئی رہتی تھی بے وقف۔
انہیں غصہ چڑھا تھا انزل کو دیکھا کہ۔ ان کی پیاری
بہن محبت اور بان کی چاہ میں بھی خدمت گزار بنی ہوئی
تھی۔ بیچہ ماں، اما کہہ کر خدمتیں الگ کر دے تھے۔
”بچہ لیا ہے۔“ میں نے کیا کہا ہے؟“ کچن
میں اسے روک لیا۔
”کیا۔۔۔ ای! اتمانی مارا قاتل کے انداز میں
بال کاؤں کے پیچھے کرتے ہوئے ان کو دیکھا۔
”پھر بتاؤں میں۔“ انہیں جانے کس بات کا
غصہ تھا، آواز بلند ہوئی۔
”پڑی۔“ گڑبڑا کر اندر دیکھا۔
”ہات کرنا۔۔۔ آری۔۔۔ پاپا۔“
”ای! پڑی۔“ ابھی کل ہی تو آئے ہیں۔“ وہ بی
دلی آواز میں کہا۔
”اور تو تو کرائی بن جا۔“
”ای۔۔۔ میرا، گھر میرے بیچے۔“ ہیں۔“
”تو سمجھ رہی ہے نا۔۔۔ شوہر مان دے تو مان
سوتلی بی کہلاتی ہے۔ خدمت گار میڈ۔“
وہ ساکت کھڑی رہ گئی۔
”تمہارے ابو نے کبھی یہ رشتہ تو نہیں دینا

”اچھا۔۔۔ بابا۔۔۔ اچھا۔۔۔ بس۔۔۔ چپ۔۔۔
اموش۔۔۔ پاپا سے بھی ان کی فرمائش پر مجھے دے۔“
”بابا۔۔۔ تو بس پرائیں گے۔“ مون پڑا۔
”جہاز پر تو پڑائی ملتا ہوگا۔“ ایمان کیوں پیچھے
پڑا۔ نیپکوں سے اپنے ساتھ صاف کر کے چائے کاک آگے
پا۔ بچوں کی باتیں مزہ دے رہی تھیں۔
”جلدی بتائیے نا کہ لٹ بنالوں۔“ کیسا
راتنی ہوئی والا انداز تھا۔
”بچوں نے اچھا تھیو تریب دیا ہے۔ اس میں
فری ان کا اضافہ کرلو۔“
”اور۔۔۔“
”رات میں کبیر۔“
”اما۔۔۔ وائٹ فورم۔“
”اچھا۔۔۔ بابا۔“ ہاتھ بڑھا کر مون کے بال
کڑے۔ ”اور۔۔۔ سنو۔۔۔ ایمان کے ساتھ کل رکھو
رہا۔۔۔ مت کرنا، ڈرائنگ روم میں مت جانا، کسی
انکر میں پیش کو ہاتھ لگاؤ تو۔۔۔ بس۔۔۔“ دارنگ
لی۔
”کوئی سزا نہیں، پاپا بچائیں گے۔“ مون اٹھ
کر پاپا کے شانے سے لگ گیا۔ سعد نے بھی اسے
ازد کے گھر سے لے لیا۔
”جاؤ اپنے پاپا کے پاس۔۔۔ نو آتشکرم۔۔۔
غور بانی ایڈو نو۔۔۔ سب کچھ۔“ انزل نے چڑایا۔
مون بحث سے اس کے کورٹ میں آگیا۔ انزل کھٹکلا
کر بھی۔ سعد بھی مسکرا دے۔
پھر سارا دن انہوں نے انزل کی مصروفیت
دیکھی۔ مہمان آگئے۔ ان کی تواضع۔ انہیں ناغہ
دینا۔ باتیں۔ بھرپور کھانا۔ شام کی
ہائے۔ رات کا ڈسٹ کی پسند کا۔ پھر آتشکرم
اور جب سب آتشکرم کا مزہ لے رہے تھے، باتیں،
فرار میں کر رہے تھے، سعد بہن بھائیوں میں کھلے ملے

لیے۔ تم گھاس نے بیروں کو خنڈ کر دیا۔ خالی
لیے کتنے ہی لمحوں تک اور کھڑکھوتی رہتی۔ گویا
لفظوں کی تفسیر بنی ہوئی تھی۔ اس کھیا کے حمیدہ نے
بیر کو خاموش رہو۔۔۔
”سعد!“ دھیرے سے پوچھنے کے تھے
دیک لگائی۔ نہ جانے آپ سے آپ تک کا فاصلہ
ملے ہوگا۔ نہیں میری ہر کوشش راگال ہی نہ
جائے۔“ آنکھوں میں کی سا احساس ہوا۔
”آج تو پہلا دن ہے اور تم ابھی سے گھبرا
پاؤں ہو رہی ہو؟“
”ایسی بات نہیں ہے یار۔“ ہنگی کی پورے
آکھ کا کنارہ چھو۔ ”بس۔۔۔ ذرا۔۔۔ یونہی۔“
”محبت میں انسان حساس بھی تو بہت ہو جاتے
قد اندر کی جانب بڑھا دے دل کو کھاتے ہوئے۔“
☆☆☆
صبح گھر میں غیر معمولی رونق تھی۔ مون
ایمان کو پاپا کے کئی بے حد خوش تھی، درد و
سنازی میں امیر رہی تھی۔ انزل گرم تازہ پوریا
کڑھائی سے نکال کر لاری تھی۔ گرم سوئی سوخا
حلوے اور ترکاری کی خوشبو پھیلی تھی۔ سعد بہت شو
سے کھا رہے تھے۔ بچے چھوٹی چھوٹی باتوں سے
رہے تھے۔ چائے لارہہ بھی ناشتے میں شامل ہو
سعد نے نگاہ اٹھا کر دیکھا کچرے نکلتی تھیں، گلے
پڑا دوپٹا، ایک ایمان، ایک مسکراہٹ بالکل کھیل
انداز۔ جیسے مسانے بیٹھی ہو۔ سر جھکا۔ اب انزا
سارے دن کا بیٹھوان سے ڈسکس کرنے لگی۔
”۔۔۔ تو قورمہ، برائی ضرور۔“
”مسٹر ڈ۔۔۔ لاری۔“
”فرانکلن تو بھولے گا۔۔۔“
”میرے کباب۔“ مون اور ایمان رگ
نہیں رہے تھے۔

ہو رہے تھے۔
”جیسے اٹھیے نا۔“ اور انہیں اٹھانا پڑا۔ مون بے
خبر سو رہا تھا۔ سعد نے گلاس تھام لیا۔ انزل کنارے پر
تک گئی۔ جھج، تذبذب اور پس و پیش کو اس نے
جواں بختی سے دروازے کے باہر ہی روک دیا تھا۔
تیوں لائن سے کھڑے اس کی آمد کے منتظر تھے۔
”کل شائقی اور پھوٹے آنے کے لیے کہا
ہے۔ کہہ تو آج ہی رہی جس میں کچر آپ کی تھکاوٹ
کے احساس سے خود ہی کل سچ کا کہہ دیا۔“
”ہوں۔“ انہوں نے کہا اور گلاس خالی کیا۔
انزل نے بڑھ کر تھام لیا۔
”میں مون کو لے جاؤں؟“ کچر کو سوچا۔
”نہیں رہنے دو۔“
”آپ ڈسٹر نہ ہوں۔“ مسکرا کر کچر بتایا۔
سعد چونک گئے۔ انزل نے لائن آف کے بیڈروم
لائٹ آن کی، نیم خوابیدہ سا ماحول ہونے لگا۔ کیا سا
رد کا تاہرے روم میں کیا اور شب بخیر کہہ کر باہر نکل
گئی۔ وہ بیٹھ رہ گئے۔ لیٹے لیٹے دوسرے کچے
چونکے ان کے پہلو میں رکھا فریم نمایاں تھا۔
”مجھے کوئی ڈسٹر نہیں کر سکتا۔“ فریم اٹھا کر
مسکرائے اور دم دراز ہو گئے۔
صبا مسکراتا ہوا دیکر مسانے تھا۔ فریم کی سطح پر
ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکرا دے۔
☆☆☆
ان کے کمرے سے اپنے کمرے تک کا سفر ملے
کرتے ہوئے انزل چسپی ہو گئی۔
”آپ کی تجمانی دور کرتے کرتے خود تنہا ہو
جاؤں۔“ اوپر اپنے روم میں جانے کے بجائے لاؤنج
کا دروازہ کھول کر لان میں نکل آئی۔ ٹھنڈک
کا احساس رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ سرا کی
راتیں اسے بہت پسند تھیں۔ اک گھر ان کا سا احساس

اور وہ غصہ رہے تھے۔ بچے ہاتھ ہلا کر اندر چلے گئے۔
انزلہ نے گاڑی رپورس کی۔ سعد سیدھے ہو کر بیٹھ
گئے۔ کیا بات کرے..... سعد خاموشی سے باہر دیکھ
رہے تھے۔ بھیجی صبح جانے کہاں سے بھول والا بچہ
سٹینل کے پاس نظر آیا۔ گاڑی روک لی۔ بچہ دوڑ چلا
آیا۔ گلاب کی کٹیاں چھوڑ کر اس نے سفید پھولوں کے
دو ہار لیے اور اسانے ڈیس پر بڑھ کر رکھ دیے۔ گاڑی
میں موتا کے پھولوں کی مہک پھیل گئی۔ سعد چونکے
اور پھر باہر نکلے گئے۔ اور پھر یہ روز کا معمول ہو گیا۔
ہلکا سا تاشا کر کے سعد باہر ہو جاتے اور وہ کمرہ
اسے دیکھا۔
”میں ماما کے ساتھ جاؤں گی۔“ ایمان نے۔
اماں کا ہاتھ تھام لیا۔
”چلو.....“ لٹچا بس یکس میں رکھا۔ سعد نگاہ
ڈالی۔ رات والے ٹکڑوں میں تھے۔ ایک ٹکڑا زور اور
لیٹی ٹی ٹی۔ کچی ہلکی بڑھی شیو۔ نیند کے شمارے
جاگی آنکھیں۔ ساتھوں سے بالوں میں برش کرتے
سعد کو دیکھتے ہوئے انزلہ نے نگاہ چرائی۔ وہ تو ہر نگاہ
میں عجوبہ بنا دیتی تھی اور سعد ہمیشہ سے زیادہ ہی اچھے
کلتے تھے۔

”چلو..... چلو“ اندر کے شور کو دبا کر بیک اٹھا کر بارہنگی، کاسی دوپٹا شانوں پر بٹھرا تھا۔ گاڑی نکال کر تے لاک کیا۔ ڈرائیونگ کے لیے جابی سعد کی جانب بڑھا۔

”جانب بڑھا، تم چلا لو..... میں ریڈیو نہیں ہوں۔“ وہ اُکے پیٹھ سے جیسے بٹھے گئے۔ بے حد

خوش تھے۔ بچے۔ آج بچے کے ساتھ اسکول جاتے مومن
لی باتیں اور قصے ہی نہیں سُن مہر ہے تھے۔ ایمان
نے پایا کوئی سیکیولر سے ملوانا تھا۔ سعد بن ربیع
تھے اور اسے مکمل ساتھ مکمل فطرتی کو کیچہ کرانز لہ کوئی
خوشی ہو رہی تھی کوئی کس کے دل میں تو جھانکنے اور.....
ساکت رہ جاتا۔ اب نگاہ غلط اندازہ سعد بر ڈالی۔ سعد

”سفر انکسالی بہ جئے..... نہیں..... اللہ
کرے۔“ اندر شور ماسٹا۔ احساسِ نریاں سے
آنکھیں پھٹتیں اور اندر کے شور سے بچنے کے لیے وہ
پچن میں خود کو کھمف کر گئی۔ نت نئی ڈسٹر..... شرابی
کرتی اور ڈانٹنگ ٹیبل پر رکتی۔ بچے اور سعد کھانے
بٹنے کے شوقین تھے۔ اس کی محنت و وصل ہو جانی۔

☆☆☆

ایک مہینے بعد پھر اکی کافون آ گیا۔
 ”کیا تو رتی کی ہے تم نے...؟“
 ”جی ہاں!“ وہ حیران کی طور ہوئی۔

”جی پاپا..... میں بھی اپنے دوستوں کو بلواؤں گا۔“

”میرے سالگرہ میں تمہارے دوستوں کا کیا کام ہے؟ ایمان نے جرح کی۔

”اور کیا..... سعد سے بات کی ہے یاخداست گزاری بری گفتگو کرکھا ہے۔“ اُن کا جھپٹا تھا۔

”ای پلیز؟“ ازلہ نے ٹیڑھا ارغند دیکھا۔

”میں خود بات کروں گی اگر۔“

”بابا..... اسی دن میری بھی ساگرہ ہوگی۔“

ماہنامہ پاکیزہ۔ جون 2012ء 195

اب۔ اس کا اداس چہرہ انہیں بھی خاموش کر گیا تھا۔
 ”ای..... یہ وقت ہے، ان باتوں کا۔“ اسے ”ابھی سب اندر بھی انزلی کی تفریطیں کر رہے تھے۔
 بچوں کو میٹ کر رکھا ہے۔ بہت محنت کرتی ہے۔
 غصہ آنے لگا۔

”یہی وقت ہے اگر تم نے نہیں کی تو میں خود سہ سے بات کر لوں گی۔ میری بیٹی کو کیا سمجھ لیا ہے.... سہاگن ہوتے ہوئے بھی سہاگن نہیں ہے۔“

”اچھا آئی..... جا رہے ہیں، اسی نکلیں تا۔“
فیضان کہن میں آگیا۔ وہ ہمیشہ مسکرائی۔ اسی اس پر
قطعی نظر ڈال کر مراد نے کہا۔

”اسی کے ارادے بالکل ٹھیک نہیں لگ رہے
تھے، اس کی ہمت اس کا حوصلہ..... کافی کا پانی رکھا
اور شہنشاہ کا ہاتھ کھینچا اور اس کا ہاتھ

”ای... میں کیا کروں..... بعض چیزوں پر ہمارا اختیار نہیں ہوتا۔ میں بروقت نہیں کر سکتی بس کوشش کروں گا۔“

”محببت تو ہے نا..... محبوب تو ہے نا..... وصل

”انزل..... اس جگر کے سفر میں تمہارے ہاتھ
کچھ نہ آیا تو.....“ اپنی پھٹی پھلائی آگ تھیلی پر پڑ

”تو کیا ہوا..... محبت کے نصیب میں تو ہے ہجر
یہ تو ساری عمر ہی اداس و بے گل رہتی ہے۔ محبت مجھے
احساس کی شدت سے گلابی ہونے لگیں۔ دکھ..... دکھ
بھی محبت کا۔

ہے انہیں کوئی نشانہ۔ پھر حوصلہ برداشت اور جھوٹا بھی
مجھے ہی کرتا ہے۔“ گہری سانس لے کر مٹھی بند کی۔
”ای... ای... ماں ہیں نا۔“ آنکھوں کی خم سطح کو
کوئی سمجھ سکتا ہے۔۔۔۔۔ نہ جان سکتا ہے۔ رات
مگھے تک چاند اپنا سفر ختم کرتا رہا۔ محبت کی شمع جلنے
رہی۔ صبح وہ مازہ تھی۔

☆ ☆ ☆
 صبح بچوں کو اسکول کے لیے تیار کیا تو مومن نے
 کہنے لگا۔

”ایس پلٹ گئے۔“
 ”اپنا چلیں اسکول چھوڑنے۔“ ساتھ ہی انہیں
 اٹھا بھی لایا۔ اور وہ بھی اٹھ آئے۔ فخر سے مسکراتے ہوئے۔

۱۹۵۰ء - ۲۰۱۲ء

2012-2013

آئے ہیں۔“

”اور ابھی چلا بھی جائے گا۔۔۔ تو ہاتھ ملتی رہ جائے گی ہوش کرنا زلزلہ۔۔۔“

”میں جانتی ہوں ایسی ٹھیک نہیں ہے مگر کاسٹ“

دل کیسے دراز کروں، کیسے امید کا دامن پھیلاؤں۔۔۔

اس نے سوچا پھر بولی ”ایسی بات کروں گی“

”اگر تو تیسری دفعہ خالی رہی تا تو پھر دیکھنا تیرے اور سعد کے سارے ہی کسی بل ٹکال لوں گی۔“

انسان لوٹ پوٹوں، خادماؤں، نوکریوں کو بھی ان کا حق دیتا ہے۔ کوئی اتنا شقی القلب نہیں ہوتا۔“

”ای“ ”میں تجھے رعبہ چاہے خیرات نہیں۔“

”اور۔۔۔ وہ تجھے کچھ نہیں دے گا۔“

”ایسا تمہیں ای۔۔۔ انزل کا دل سکر گیا۔“

”جو نظر آ رہا ہے اسے دیکھ کر بے کنبے پر نہ جا۔۔۔ میں تجھے نام و رسم ہی ہوں۔“

”جی۔۔۔ ای“ ”دوسرے سے کہا۔ اسے شبت سے روتا آیا۔ سامنے سے سعد آ رہے تھے۔

ضبط کرنا تھا اور وہ بھی قیامت کا۔

”ٹھیک ہے ای بعد میں بات کریں گے۔“

اس نے فون بند کر دیا۔

”جی۔۔۔ کچھ چاہیے تھا؟“ وہ کھڑی ہوئی۔

”ہاں۔۔۔ ایک کنگ چائے کا دل چاہئے، قلو کا سا

ہوئے انٹے۔ اس کا چہرہ دھلا ہوا تھا اور آنکھیں سرخ۔ ضبط مکمل تھا۔ ”سردیوں میں ایسی گرم چیزیں

حرہ دیتی ہیں۔“ چھوٹی ٹرسے سینڈل نیل پر رکھ کر نیل ڈیزائن آن کیا۔ نیوز چینل لگا تھا۔ ریوٹ ان کے

سامنے رکھ کر اپنی جگہ بیٹھی۔

”ہاں۔۔۔ مگر کیا تو اوائل سردیاں ہیں۔“

”اب تو سخت سردیوں کے عادی ہیں، سمندر میں تو ہوتی ہی بہت خشک ہے۔ ہمیں یہی ملنی سردیاں

بھی بہت ملتی ہیں۔“

”ہوں۔“ چائے کا گھونٹ بھرا۔

”کبھی ہمیں بھی اپنے جہاز اپنے سمندر کی سیر کروائیں نا۔“

”میرا سمندر۔۔۔ میرا جہاز۔“ سعد مسکرائے۔

”اور کیا۔۔۔ جو چھ سال کے تین سو ستر ہزار، رات دن جہاز پر رہے تو سمندر اور جہاز پر اس کا بانی

راج ہوتا۔“ اپنا کچھ ٹیلیوڈ کے درمیان پکڑا۔ سعد مکمل کر رہی۔

”یہ میری نوکری ہے۔“

”بچے آپ کو بہت مس کرتے ہیں، اداس ہو جاتے ہیں، چار سال تین سال بعد گھر مت آیا

کریں۔ سال میں ایک پکرتو لگا کریں۔“ دل کی بات کو بچوں پر ڈال دیا۔ سعد نے ریوٹ اٹھایا۔

ایک وقت تھا کہ گھر آنے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ سال میں تین یا چار پکرتو لگاتے تھے

اپنے۔۔۔ اور اب۔۔۔ وہ ماہی بچے تھے عبت جی اور عبت سے عبت مشروط ہوئی تھی۔ کشش سارے کے سارے قاضی طے کرالیتی تھی۔ اور اب۔۔۔ سعد

عالم بے خودی میں تسلی محسوس کر کے اسے درجسٹل کی سرچنگ دک گئی تھی۔ فضا ترم سے بھر رہی تھی۔

☆☆☆☆

بعض اوقات ہماری غلطی نہیں ہوتی اور ہم تصور اور گردانے جاتے ہیں اور تصور جانے کے بعد

ششدر کھڑے رہ جاتے ہیں۔ اور دل کے جذلوں کے سمندر میں بس نہیں خیال سوچنا رہتا ہے کہ کہیں

ہمارا سیر زندگی جھل جھٹ کے نام پر راگن تو نہیں۔ عبت کے نام پر اپنی ذلت۔ کچن کے کام کیلئے ہوئے

انگ پھپھانا، انہیں سنہا نا ممکن تھا تھا۔ وہ عندیہ ضبط سے شدت کر یہ کھنسیال رہی تھی ابھی نہیں۔ چھت

کی جانب دیکھا رہا ہوتا ہے میں بس چند گھنٹوں کا ہی قوافل ہے۔

”اے انک۔۔۔ ڈرا۔۔۔ سنہیل جا۔“

میں۔۔۔ میری تھکانی اور کمر۔۔۔

ہم دونوں ایک دوسرے کا درد بانٹ لیں گے۔ بس۔۔۔ تو اس وقت ذرا سنہیل جا۔ اندر شور جاری تھا۔

آپا کی آواز۔ زارا آپا کی فکر یہ اندازہ اور خال ضروری گا واویلا۔ اور اس پر سعد بن وقاص کی خاموشی۔ ”جرم

عبت سے یا عبت جرم سے۔“ دوسرے سے بریانی کو دم پر رکھ دیا پھر وائنٹ تو سے کی جانب بیٹھی۔

”اب میرے جذبے یوں بے وقوف اور راگن ہوں گے“ حالانکہ معاملہ کچھ بھی نہیں تھا مگر

آج وہ سوچنا ہی نہ تھی۔ مون کا دل چاہ رہا تھا کہ پاپا کے ساتھ چنگ اڑائے۔ دونوں بچے اور سعد عبت پر

چڑھ گئے۔ خوب شور کی آواز بنی آری تھیں اور وہ ان کے لیے ہلکا چمکا چائیز بننا رہی تھی۔ مون بار بار آکر

کبیر اٹھا۔

”ما جلیں نا اوپر بہت مزہ آ رہا ہے پاپا سے

تھی۔ وہ اوپر لے کر جانا چاہتا تھا ہاتھ کھینچ، ہاتھ آخر میں ناراض ہو کر اوپر بھاگا۔

”میں نہیں بولتا آپ سے۔“

”مون۔۔۔ مون۔۔۔ تم مجھے بہت تنگ کرتے ہو۔ پٹائی ہونے والی ہے تمہاری۔“ وہ چیخے سے

چچی۔ اسی وقت سعد کی بڑی بہن آپا اور زارا آپا اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے یہ جملہ نہیں کیا۔

”اور کھانا تیار نہ ہوا تو شور مچاؤ گے۔“ مصروف سے اعزاز میں کچی جاری تھی۔ ”مشکل میں ڈال دیتے ہو۔ بہت گندے بچے ہو۔“

”ہاں بھئی، اب ہمارے بچے بڑے بھی ہوں گے۔ گندے بچے، ان کی شکایتیں ان کے باپ سے بھی

کرو گی اور ماہی بڑاؤ کی۔“ اپنا پخت سناٹی کچن کے دوواؤں سے پر آکر بیٹھیں۔ انزل کربڑا کر مزمزی۔ ان

کے پیچھے زارا آپا۔ ”کرم کرم کھیر کا چچو اس کے پاؤں پر کھرا۔“

”آف۔۔۔“ لفظ اور جلن ایک ساتھ لگے۔ گھبرا کر پاؤں اٹھایا تو کربڑا میں ہاتھ گرم دیکھی کو چھو گیا۔

”آف!“

”ابھی ہم زندہ ہیں اپنے بچوں کو سنہیل لے لے، کسی ذمہ میں مت رہنا۔“ آگے آگ اور پیچھے

شٹل۔ پاؤں کی جلن دیکھنے کے بجائے دوبارہ پلٹ کر آپا کے سرخ چہرے کو دیکھا۔

”ہووا کیا ہے آخر۔“ اور اٹھا ہوا پاؤں مٹنے سے مٹنے تک گرم ادون سے ٹکرا گیا۔ جس میں اوپر

کھیلے بچوں کو سر پر اڑ دینے کے لیے کیک بیک ہونے کے لیے رکھا تھا۔ مون کو ایسے سر پر بہت پسند تھے۔

”خبردار جو جھوٹی شکایتیں لگیں، دکھا دیا نہ سوتلا ہیں۔“ وہ ہلکا کھڑکی رہی۔

”پاپا۔۔۔“ ہر سے بہت زور سے مون کی پیچ بلند

ماہنامہ ہبیکوہ۔ جون 2012ء

ٹانگ اوپر سے نیچے تک چلی ہوئی تھی اودوں کے ساتھ لگ کر۔ کلائی کے آبلے..... دل جلا رہے تھے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی اپنی بے بسی اور اپنے دکھ سے لگل لگل کر۔

☆☆☆

نہ روا کی نہ نرم نہ لگایا۔ صبح وہ اپنے ساتھ تنگ دلی کرتی روم سے نکل آئی۔ آچہ ابھی نہیں۔ خالد صغریٰ اور زار آئی جا چکی تھیں۔ مون اور ایمان کو ناشتا کرایا۔ سب کے لیے ناشتا بنایا اور کمر کے معمولات میں لگ گئی۔ زخم گراہ بن کر اس کے ساتھ تھے حتیٰ الٰہی اکمل۔

”تم نے بتایا ہی نہیں کہ مون کے چوٹ لگی ہے۔ وہ تو صغریٰ کا خون آچا تو چا چلا۔“ حمیدہ زبیر لگایا سے اوپر اُٹھ کر دیکھ رہی تھیں۔

”ای..... اتنے خورش خیال ہی نہ آیا۔“ ”دکھ رہے ہیں؟“ ”مسد کی جانب دیکھا۔“ ”مون سو رہا ہے۔“ سعد اخبار لے کر اُپر ہی آگئے۔

”آپ ٹھیک ہیں نا۔“

”اس میں ٹھیک ہوئی۔ تم اپنی سناؤ اور یہ تمہاری خال کلائی کتنی بھری ہیں۔ کیا دکھایا ہے انزلہ نے سوتا ہیں۔ تمہارے بغیر بچوں کو پال رہی ہے۔ محبت، خیال، دھیان، پڑھائی توجہ سے..... ان کے پیچھے اپنی جوانی، اپنا حسن اپنے ارمان مار رہی ہے اور تمہاری بہنوں نے لمبی میں اسے سوتیلی بنا دیا۔“

”ای..... پانچ۔“ انزلہ گھبرا کر ان کی جانب بڑھی۔ ”ایسا کچھ نہیں ہے۔“ سعد دونوں کو دیکھنے لگے۔ ”ہے، کیوں نہیں ہے۔“ ”آچہ زور سے بولیں۔“ ”پوچھیں اس نے نہیں ڈرایا دھکیلا۔ بچہ مار کے ڈرے ہم کیا تھا۔“ ”آپا ایسا نہیں ہے۔“ مڑ کر بتی سے انداز میں

نے ہاتھ جھٹک دیا۔ ”ہموز دو بی بی، یہ سب تمہاری ہی وجہ سے تو ہوا ہے۔ تم نے بچے کو بھرتیس ڈرا تیس نہ وہ یوں چلاوا بناتا۔“ ”آپا نے اسے ہٹا دیا۔“ ”آپا میں نے کیا..... کیا ہے؟“ وہ چکا چکا ہوئی۔

”تم ہی تو کہہ رہی تھیں کہ ابھی باپ سے پتو کی ہوں۔“ ”ایسی بات نہیں ہے آپا، میں مون کے لیے سر پر انزیک بناری تھی وہاں سے ہٹ نہیں سکتی تھی اور یہ مجھے تنگ کر رہا تھا کہ اوپر چلیں..... چنگ اڑانا سیکھیں۔“

”بس بی بی، ہم نے جو دیکھا ہے وہ کہیں گے، سوتیلی ماں سوتیلی ہی ہوتی ہے۔ اپنے بچے کی آس ہو گی تو ان بن ماں کے بچوں کو کھڑا کرے گا۔“ آپا کا لہجہ ملول ہو گیا۔ انزلہ کا منہ کھلا رہ گیا۔ بات کو کیا رنگ دے رہی تھیں وہ مدح پتے تھے۔ مون ان کے ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ شدید بے بسی کا احساس ہوا۔ اب وہ سوتیلی ہوئی۔ جھکے سے مڑی اور باہر نکل آئی۔ زمین پچھلے دوروں سے میں سنا جانے۔ سعد نے کیا سوچا۔ کچھ نہیں بولے۔ یقین کر لیا کہ اس نے بہن کی باتوں کا..... اس کا محنت، اس کا خیال اس کے آنسوئیں ٹھہر رہے تھے۔ رات نہ چاہتے ہوئے بھی ساری فتنے داریاں بھا کر کمرے میں آئی۔ دروازہ بند کیا اور اس دروازے کے ساتھ پھنسی چلی گئی۔ آنسو تھے کہ ٹوٹ ٹوٹ کر برس رہے تھے۔ وہ تو بچی کا ماں ساں رتبہ چاہ رہی تھی اور..... اسے سوتیلی ماں کا وجہ دے دیا گیا۔ اس کا قصور..... اس کا بھروسہ..... خیر خواہ کوئی نہیں..... سزا دیا..... اس کا احساس اس کا دل جبر رہا تھا۔ پاؤں کے دھڑ دھڑکاؤ، پیڑی کے دھڑ میں نہیں ابھی۔ شلوار کا پانچا اٹھایا اور ساکت رہ گئی۔ پوری

سے ہوش ہوا تھا۔ سڈنوں کو دیش اٹھا کر اندر لے گئے۔ آپا اور زار آئی نے اس کی جانب دیکھا ہی نہیں۔ وہ کمر دم دودھ لے کر اندر گئی۔ ”اوپر..... دھکولے.....“ ”آپا نے سر جھٹکا۔“ ”مون کمرہ کی چنگ مت اڑاؤ۔“ اس کی زور رنگت دیکھ کر آنسوئیں بھر آئیں۔

”چلو جاؤ..... سب خالی کرو کر..... بچے کو سکون کی ضرورت ہے۔“ آپا نے کہا شروع کر دیا۔ سعد اور ایمان پہلے ہی ہاتھ پرے۔ وہ بھی باہر آگئی۔ ”نکتی چوٹ لگی ہوئی نا؟“ آپا کا رویہ نا قابلِ فہم ہو رہا تھا۔ ”ایسا کیا کر دیا تھا بھلا.....“ ”جن میں آکر دوبارہ سے جو لے کھولے۔“ اپنی جگہ اور تکلیف کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ صغریٰ تھوڑی دیر بعد مون کو دیکھ آتی وہ صبر ہاتھ۔ سب لاؤنج میں تھے۔ اس بار وہ لاؤنج میں چائے دینے آئی تو باہر ہی ٹھک گئی۔

”خردار..... جو کوئی دوسرا بچہ..... دیکھو تو ابھی سے سوتیلی بن گئی ہے، کہہ رہی تھی باپ سے پٹوؤں کی بہت تنگ کر رکھا ہے تم لوگوں نے، پتہ تھا سم کیا۔“ آپا کی آواز دھیمی تھی۔ انزلہ ساکت رہ گئی۔ سعد چپ تھے۔

”یہ دو بچے ملی جائیں، بہت ہیں۔ جانے تمہارے بعد کیا حال کرتی ہو گی۔“ آپا کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ دیوار سے لگی تھی۔ ”یہ سیرے خلاف ہیں۔“ ”ہے، تو سبھی نہیں نہیں سبھی نہیں مارا۔“ اور آپا..... ”اس کا گلہ رندہ لگا۔“ جن میں پلٹ آئی اور چائے زری کے ہاتھ اندر بھجوا دی۔ نا قابلِ یقین بات تھی۔ اس کے وجود میں خاموشی کے دھڑکتے چلے گئے۔ ”سعد نے یقین کر لیا، وہ کیا سوچتے ہوں گے؟“ اور جب رات کو مون کو کھانا کھلائے تب بھی تو آپا

ہوئی۔ ”بھائی۔“ ایمان کا دل دہلا دینے والا لہجہ۔ ”ایسا خیر۔“ اپنی تکلیف، اپنی جگہ بھول کر وہ باہر بھاگی۔ مون اوپر سے کرتا ہوا آ رہا تھا۔ جانے کیسے بیڑیوں پر پاؤں پھسل گیا تھا۔

”بھائی..... بھائی..... مون.....“ سعد اور ایمان بھاگتے ہوئے اتر رہے تھے۔

”مون..... مون..... میرے بچے۔“ انزلہ بھاگی۔ ”ڈرامے باز۔“ آپا پیچھے تھیں۔ جھپٹ کر مون کو اٹھایا۔ وہ بے ہوش تھا۔ سرے خون نکل رہا تھا۔ گھٹنا چھل گیا تھا۔

”کیسے گرا ہے؟“ وہ مسکرو کچھ کر چلائی۔ ”چنگ اڑا تے ہوئے پاؤں پھسل گیا۔“ جھپٹ کر مون کو اس کی گود سے لیا۔ ایمان نے گاڑی کے دروازے کھولے۔ اتنی دیر میں انزلہ بھاگ کر اندر سے چابی لے آئی۔ سعد نے گاڑی ان اشارت کی۔ آپا آرام سے اسے ہٹا کر آگے بیٹھ گئیں۔ زار آئی اور مون پیچھے۔ گاڑی باہر نکل گئی اور قیام و وق صحرا میں انزلہ حواس باختہ کھڑی رہ گئی۔ آپا کا انداز..... ان کا لہجہ..... ان کا رویہ.....

”کیوں؟“ اپنی تکلیف..... اپنا دکھ..... اپنی جگہ بھول گئی۔ ”مجھے کسی نے گاڑی میں نہیں بیٹھایا۔ مون کیسے گرا گیا۔“ اس کا دل بند ہونے کو تھا۔ اپنے چلتے ہوئے دھڑکاؤ دھڑکے۔ سارے چہرے بند کر کے باہر آگئی۔ ”یا اللہ مون ٹھیک ہو۔“

سعد کے موبائل پر رینگ گیا۔ بیل کی آواز قریب سے ابھری۔ بیل فون سامنے سا نہ ٹھیک پر پڑا تھا۔ وہ آگیا۔ بہت دیر بعد وہ لوگ آگئے۔ مون کے سر پر پٹی بندھی تھی کٹنے پر بھی بیڑی نہ تھی۔ وہ صرف خوف سے

سب دروازے کھریاں کئے ہیں بھانسیاں
رات کی تاریکی میں ان لوگوں کے لیے بھاگو گی تو

کیونکر ہوا..... آئی کیا کہہ رہی ہیں..... اور آپ.....

200 ماہنامہ پاکیزہ — جون 2012ء

کمرے میں پھیلی تھی۔

”دیکھو ایک مردہ عورت نے ابھی تک زندہ مرد کو اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے۔ کیا ملا ہے تجھے جو روگ پال رہی ہے محبت کا..... آگ لگے ایسی عاشقی کو.....
عشق..... محبت.....“

”انزلہ ان سے محبت کرتی ہے۔“ ایک نیا
انکشاف۔

”کوئی ایسے یوں کو نہیں پاتا۔ سیفی کہہ رہا تھا اس کی آنکھیں، اس کی مسکراہٹ، ان کی پسند کے کھانے اور روزِ دُعا نہیوں کو چھوڑ کر دیکھ رہی ہوتا ہے بھول خیر، انہیں گفت و شنید..... اور وہ تو ایک بار اس کے قریب نہیں بیٹھے بستر پر مگر کہ دو دنوں کا ہاتھ سر کے پیچھے رکھے، اس کا ہاتھ نہیں چڑا۔ اس کے وجود کو کھوس دینے میں کیا۔ کتنی دفعہ اسے آتش دان کے قریب تھا بیٹھے دیکھا۔ کتنی بار بچوں کو کھلا کر لا دینے میں بھی نظر آتی اور وہ نظر چکر کر گزرے۔ ان نرم گرم سر کیوں میں دیکھا کہ چادر کے نظر آئے۔“

”ایمان سوپر مٹا مار دو۔۔۔ خبردار جو ٹھنڈا پانی
میا..... نو ڈرکس مون..... کھائی آئے گی۔“ اور وہ
خود..... انہیں زیادتی کا احساس ہونے لگا۔

”یہ کیا ہو گیا۔“ بے چین ہو کر کمرے سے نکلے۔ ”آپا نے یہ سب کیوں کیا بالکل اچانک۔۔۔۔۔“
 بچوں کے کمرے میں آ گئے۔ بھوکے پیچ سو رہے تھے۔ انہوں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ ان کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ ایمان نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

”پاپا..... ماما کب آئیں گی؟“ ایمان رو رہی تھی۔ انہوں نے اپنے ساتھ لگا لیا۔

”ہم لینے چلے گے انہیں۔“ ان کی ماما..... ان
 کے بچوں کی خوشی تھی، اس پر اعتبار تھا۔ وہ یہ خوشی نہیں
 سہیں گے دھیرے سے تھپکا۔

کوارٹر میں چلی گئی۔ سچ بھوکے سو گئے تھے۔ سعد
لاؤنج میں بیٹھے رو گئے۔ کل تک یہ لاؤنج آباد تھا۔ یہی
مذاق..... انزلہ کی بچوں کے ساتھ چلیز چھاڑ.....
روشنی کا ساں رہتا تھا ادب..... ٹیلی ویژن چپ
تھا رو دیوار سکت..... یہ کیا ہو گیا۔

”معد تمہارا گھر ہے تم اسٹینڈ لو..... آپا سے پوچھو۔“ دیرے دیرے گھر میں ادھر ادھر گھومنے لگے۔ ہر جگہ سلیقہ نظر آ رہا تھا ہر گوشہ تھک رہا تھا ہر کونہ خوب صورت لگ رہا تھا۔ اس گھر کو ستانے میں محبت کا ہاتھ غالب نظر آ رہا تھا۔ محبت..... دیرے سے مقامِ جگر پر ہاتھ رکھا۔ گوشہ دل دکھتا ہوا حسوس ہوا۔

”محبت زندوں سے ہوتی ہے مردوں سے نہیں۔“ سیفی سمجھا رہا تھا۔

”وہ مری ہوئی محبت کو لیے بیٹھا ہے تیری محبت تیرا
عشق اسے متاثر نہیں کر سکتا..... چل اٹھ..... مگر چل۔“

فریب ہی نہیں حمیدہ بیگم کی آوازی کو بجائے۔
 ”نہیں ای..... نہیں..... وہ میرے بچے
 ہیں۔“

”دفع ہوں..... تیرے بچے..... تو سبکی ماں کا بدل نہیں ہے۔ بن ماں کے بچے ہمیشہ ہی بن ماں کے کھلاتے ہیں بھلے سے کوئی لاکھ نہ من دھن دار کر اوتوں کو سیاہ کرے۔“ رات کے سناٹے میں ہر گونج واضح ہو کر ان سے نکل رہی تھی۔

”آپ نے ایسا کیوں کیا؟“ سعد لان میں نکل گئے۔ ہلکی ہلکی خند کا احساس رک و بے میں سرائیت کر گیا۔ اس لان میں اسے ٹھٹھے دیکھا قارات کھجے سم۔ پھولوں کی آبیاری کرتے دیکھا تھا۔ نت نئے کھانے اس کا شوق تھے اور سعد نے تو عبت کے نام پر اسے کچھ بھی نہیں دیا تھا پھر بھی وہ اپنی زندگی لٹاری تھی۔ اس پر یہ سزا..... وجود کی ہلکی بڑھائی۔ اپنے کرے میں آگئے۔ جیسا خانوش تھی۔ اک اداسی

”تمہارا گھر فیصلہ تمہیں کرنا ہے آپا کو نہیں۔“ دھیرے سے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

صبح گھر میں غیر معمولی سناٹا تھا۔ نہ ان کے سر ہانے بچوں نے بچوں کی سائڈ ٹیبل پر گلاب اننگ ٹیبل پر زری نے ناشا لگا دیا تھا۔ بچوں نے ایک ایک سلاں لیا۔ بچے ان سے خفا ہو گئے تھے اور بچوں کی خفگی ان سے برداشت نہیں ہو سکتی تھی۔ آپ ابھی نہیں۔

”آپا..... آپ نے ایسا کیوں کیا.....؟“
 ”ارے لڑکیاں بہت ہیں دفعہ کرو... میں
 تمہاری دوسری شادی کر دوں گی۔“ بے پروائی سے
 کہتے ہوئے وہ ہنسنے لگی۔
 ”میں.....“ مہر تو بھونچکا رہ گئے۔

”خالہ کو بڑا ناز ہے بیٹی پر اب رہیں اسے،
 طلاق بھی مت دینا اور فرح سے نکاح کی تیاری کرلو۔“
 ”جی.....“ سعد کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ دوسرا
 ڈرون حملہ.....

”تجھ سے عقد کی خواہش رکھتی ہے، روتی ہے بچوں کے لیے، کہہ رہی تھی آپا..... مبا کے بچوں پر میرا حق ہے میں مالوں گی انہیں ماں بن کر۔“ سعدوم بخود تھتے۔

”اب کے جانے سے پہلے نکاح کر لیتا، بچے بھی خوش رہیں گے۔“ آپا کا سارا پردگرم، ساری پلانک سمجھ میں آ رہی تھی۔ فرخ..... صبا کی چھوٹی بہن تھی۔ دو سال پہلے اس کے شوہر کا انزکیش میں انتقال ہو گیا تھا تو آپا اس سے ان کا نکاح کرنا چاہتی ہیں۔

”اس میں انزل کا کیا تصور..... اس کی شبانہ روز
محنت اور محبت کا یہ انجام..... نہیں، یہ زیادتی ہے۔ ظلم
ہے یہ.....“ جبر جبری لی۔

”آپ نے مجھ سے پوچھنا بھی ضروری نہیں سمجھا؟“ پُر شکوہ نگاہ ڈال کر خفگی سے آپا کو دیکھا۔

”تم سے کیا پوچھیں۔ ہمیں نظر نہیں آ رہا کہ وہ
 ہمیں پسند نہیں ہے، اس کے ساتھ تم کہیں آتے
 جاتے نہیں ہو، ساتھ نہیں بیٹھے، تم لوگوں کے بیڑوم
 الگ ہیں تو کیا فائدہ ایسے ساتھ کا۔“ سعد ایک ٹک
 دیکھتے رہ گئے کہ کتنا ٹھیک کہہ رہی تھیں وہ مگر.....

”اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ اسے یوں دھکا کر گھر سے نکال دیا جائے۔“ تیزی سے اندر آتا مولن دروازے میں رک گیا۔

”ما..... ما..... کو نکال دیا۔“

۱ ”آپ کو معلوم ہے مون اور ایمان تھے چھوٹے تھے جب صبا کا انتقال ہوا۔ جب انزلہ ان کی زندگی میں آئی جب بھی وہ چھوٹے تھے۔ انزلہ کی آغوش میں انہیں ماں کا احساس ہوا۔ میں آثار راہوں خبر گیری کرتا ہوں میں نے کبھی شکایت محسوس نہیں کی۔ میرے بچے محفوظ اور خوش ہیں مجھے اطمینان ہے..... اور فرخ جس کے شوہر کے انتقال کو دو سال ہوئے ہیں جس کی وجہ سے آپ دوسروں کے پوچھوں کی جڑیں کاٹ رہی ہیں..... تنہی شرم کی بات ہے ”آپا“ آپا کسی پڑھ ہی گئیں۔

”مومن اور ایمان..... انزل کو اپنی ماں سمجھتے ہیں
انہیں صبا کا احساس نہیں ہے۔ فرخ کو خالہ کا درجہ
دیتے ہیں۔ خالہ کو ماں سمجھ سکتے ہیں جبکہ ان کی ماں ان
کے سامنے ہے۔“ سعد کا انداز باز پرس والا تھا۔
”سعد..... فرخ بچوں کے لیے روتی ہے۔“

آپانے پر کسی سے سر اٹھایا۔
”بچے بچے یاد رکھو گا زمین ہیں آپ نے
سوچے سچے بغیر اتنا بڑا دم اٹھایا۔ صبا کی موت نے
بچوں کو انزل کی شکل میں دی ہے۔ انزل کا یہاں
سے جانا ان بچوں کو رادے گا میں جیسے جی آپ کی
اور فرح کی خواہش کے لیے ان بچوں کو رادوں۔
بچے فرح کو ان کی شکل میں بھی قبول نہیں کریں گے

اور جو رشتہ قبول نہ کیا جائے دل سے وہ سویتا ہوتا ہے۔ اس گھر میں قدم قدم پر محبت ٹھہری ہے۔ بچے اس کے جانے کے غم میں بھوکے ہیں ایمان سوئی نہیں ہے۔ اس کے جانے کے درد دیواروں کو ارداوا ہیں۔ آپ نے محسوس نہیں کیا؟ ”سعد پوچھ رہے تھے۔“

”دل پر ہاتھ رکھ کر فیصلہ کریں یہ ٹھیک تھا۔“

”سعد! میں تمہارے اور بچوں کے لیے۔“

”آپ!“ سعد نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

”میرے لیے نہیں میرے بچوں کے نظریے سے سوچیں! آپ کا فیصلہ ان کی زندگی کے قدم اکھاڑ دے گا اور میں بھی ہر فیصلہ بچوں کے لیے کر لوں گا۔ یہ فیصلہ کسی کے حق میں بہتر نہیں ہے۔“ وہ دھیرے سے کھڑے ہو گئے۔

”زندگی کو ہر لمحے تازہ چھولوں کی ضرورت ہوتی ہے ہاں پھول بالآخر گلخان سے نکال دیے جاتے ہیں۔“ انہوں نے دل میں کہا اور ہاتھ پکڑ گئے۔ آپ ہاتھ ملتے بیٹھی رہ گئیں۔ ان کی اور فرخ کی کوئی پلانک کا سامنا نہ ہو سکا۔ سعد کا گھٹنے کے اونٹ تھے۔

”مومن..... مومن.....“ سعد بیٹے کو پکار رہے تھے۔

”پاپا! مومن باہر گیا ہے اس کا دوست آیا تھا۔“ ایمان بتا رہی تھی۔

”بیٹا! تیار ہو جائیں! اما کے پاس چلتے ہیں۔“ سعد کھڑے رہے تھے۔ ”میں..... مومن کو دیکھتا ہوں۔“

”شرط کی بنا پر ان کے سامنے میرے گہرے تھے۔“

☆☆☆

”دیکھ لے، دو دن ہو گئے کوئی نہیں آیا اور تو ان کے حجر میں مردی ہے۔“ حمیدہ بیگم نے جانے کا خالی گک اس کے ہاتھ سے لیا۔ گلابا علیہ بھرے بال کچر میں اٹھتے تھے۔ ستا ہوا چہرہ، متروک آنکھیں۔ انزلہ خاموشی سے سر جھکا کر کھانا کھا کر ڈھکیٹھ گئی۔

”میں ہاں ہوں بیٹا میری بات سمجھ۔“

”امی! سمجھ لی ہے حقیقت مجھ پر بھی آشکار ہو گئی ہے۔ میں نے آپ کا فیصلہ بھی مان لیا ہے یہاں بیٹھ گئی ہوں بس اب اور مجھ مت کہیے گا۔“ بے بسی سے بھرائی آنکھوں سے ماں کو دیکھا۔

”میں تیرا نکاح کرنا چاہتی ہوں۔“

”امی! بے ساختہ ہاتھ جوڑ دیے۔“ اننا قلم مرمت کریں۔ اس زندگی کو ایسی ہی رانگال جانے دیں۔“

”طارق! آج بھی تیرا انتظار کر رہا ہے۔“ وہ کچھ نہیں سن رہی تھی اور وہ بے بسی سے رو دی۔

”امی! میں جانتا ہوں۔ نہ مجھے میرے شوہر نے چھوڑا ہے اور نہ میں بیوہ ہوں۔ مجھ پر یہ ظلم نہ کریں۔“

”زندگی تو..... تو یہ وہی طرح سے گزار رہی ہے۔ شوہر کی محبت عورت کو مکمل کر دیتی ہے اس کا ساتھ اعتماد دیتا ہے۔ بچوں..... اور پرانے بچوں کے سہارے زندگی نہیں گزر سکتی انزلہ۔“ حمیدہ بیگم دھیرے دھیرے سمجھ رہی تھیں۔

”میری زندگی مجھے سمجھا دیا ہے۔ میری زندگی کا کیا اعتبار۔ فیضان شادی کر کے باہر چلا جائے گا اور تو..... تیرے ساتھ اس طرح کا سلوک ہوتا رہے گا۔ اس عشق کو واقعی کے جگر میں سر جھکا کر تو سمجھ رہے گی سارے ظلم۔“ وہ ادھکاف الفاظ میں سمجھ رہی تھیں۔

”سعد کو تو اتنے سالوں میں پرکھ نہیں چکی۔ کیا دیا ہے اس نے تجھے۔ بیوی کا پرہیز جس کی تو خواہش مند ہے۔ محبت جو تیری پہلی خواہش ہے۔ بیٹا۔ بچے وہ تجھے دے گا نہیں۔ لیکن اس کے بچوں میں فرخ نہ آجائے۔“ حمیدہ بیگم کسم کسم لپٹی کے بغیر کہتی جا رہی تھیں۔ گھٹنوں پر ٹھوڑی لٹکائے وہ منہ دہاتی رہی۔ جلتے ہوئے زخم میں دے رہے تھے۔

”امی! ہاں میں غلط نہیں تھیں۔ بگروہ دل کا کیا کرتی جو کسی اور کو چلے پر رشتہ نہ بنیں تھا۔ اس محبت

اور..... کس طرح فحشیت نے اسے بے حد رنجور رکھا تھا۔“

”انجھی طرح سوچ لو..... میں نے طارق کو انکار نہیں کرنا، وہ تمہیں آسٹریلیا لے جائے گا..... گھر کے دنوں کو کون کا دکتا ہے۔“ امی اٹھ گئیں۔ وہ بھل چل روٹنے لگی۔ اپنے جذبات کی بے قدری پر..... اپنی بے بسی پر..... اپنے دکھ پر..... باہر تیل..... زور سے منہ دہاتی تھی۔ کوئی دروازہ نہیں کھول رہا تھا۔ پھر دروازہ دھڑ دھڑ بکتے لگا۔ امی جانے کہاں ہیں بیٹے سے انزرا چہرہ صاف کرتی گیٹ کھولنے کے لیے کمرے سے نکلی۔

”اما.....“ اس کے قدم رگ مگمگے۔

”اما..... اما.....“ وہ مومن کی آواز سن کر سرعت سے بھاگی۔ میز کا ٹانہ پھینک کر رخسے سے ٹکرائی۔

”اما..... اما.....“ وہ مومن تھا۔ دروازہ دھڑ دھڑ بن رہا تھا۔

”مومن.....“ بے ساختہ بھاگ کر دروازہ کھولا۔ سامنے مومن کھڑا تھا۔ ”تم!“

”اما..... اما.....“ مومن اس سے لپٹ گیا۔

”مومن.....“ وہ پیٹ پیٹنے لگی۔ ”کیسے آئے ہو بیٹا؟“ اسے لپٹا لپٹا۔ ”پاپا کے ساتھ آئے ہو جالو؟ ایمان کہاں ہے؟“

”اما..... آپ کیوں چھوڑ کر آ گئیں۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ میں نے کچھ نہیں کھایا۔ ایمان کو بھی ڈر لگتا ہے۔ اما نہیں۔“ میں آپ کو لینے آیا ہوں۔“ مجھے کھنی چوٹ لگی ہے۔ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔“ ہاتھ تمام کر شائے پر سر جھکا لیا۔ انزلہ نے اسے سیٹھ لیا۔

”میں کہاں تم لوگوں کے بغیر رہ سکتی ہوں۔“ آنسوؤں پر احتیاط رشتہ تھا۔ ”تم کس کے ساتھ آئے ہو؟“

”میں بیٹی! انکل کے ساتھ آیا ہوں چپے سے۔“

انزلہ دیکھتی رہ گئی۔ ”بابا کو بھی نہیں معلوم.....“

”مومن!“ وہ اس محبت پر رو دی۔ ”پاپا کتنے پریشان ہوں گے؟“

”پاپا پریشان نہیں ہوں گے، بھپو ان سے لڑ رہی ہیں۔“ فرخ آگئی کو ہماری ماما بنانا چاہتی ہیں۔ ہمیں کسی کے بیٹے نہیں بنا، ہم صرف آپ کے بیٹے ہیں۔“ انزلہ چوک ٹکی۔ مومن ٹھک رہا تھا۔ دروازہ تھا۔ اتنی بڑی بڑی ہاتھیں گیلیں کپلوں کے ساتھ اسے دیکھا۔ درمیان کھنگھٹو تھے جتنی محبت پر ایمان لے آیا۔ انزلہ کے کچھ، روئے تھا اور انداز میں ٹھوٹھنا ملاوٹ۔ وہ اپنی محبت کو محبت کے ساتھ بھاری سن گئی۔ انزلہ کھڑی ہو گئی۔ سنی سامنے آ گیا۔

”موصوف! اس کی کل کھڑے ہوئے تھے آپ کی تلاش میں۔ وہ تو میں اچانک ہی آ گیا۔“ خود لے آیا۔

”ان کے پاپا کو بتایا..... وہ پریشان ہوں گے۔ میں فون کر دوں۔“ بے ساختہ چلی۔

”نہیں..... اسے پریشان اور مومن کی تلاش میں خوار ہونے دیں! آج صبح دن میں اسے اندازہ ہو جائے گا کہ اسے کیا فیصلہ کرنا ہے اور کون سا فیصلہ درست ہے۔“ انزلہ اپنی جگہ بند نہ گئی۔

”اندرا نے“

”مغنیں! دوبارہ آؤں گا..... اس خوار دی کو لے کر۔“ بیٹی ہنسا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے ایسے خوار دی کو یہاں لانے کی۔ اس نے میری بیٹی کی زندگی خوار کر دی، ڈوبا رہنے دو اسے پرانی مری ہوئی محبت کے شیش میں۔“ حمیدہ بیگم ہاتھ پکڑتی جا رہی تھیں۔

”بیٹی! گڑ بڑا گیا۔“

”جو ساتھ رہ کر نہیں سمجھ سکتا اسے انکھوں سے نہیں سمجھا جاسکتا اور اسے بھی لے جاؤ۔ چھائی ایک دفعہ سب کو مارو تو چھاپا ہے روز روز کا میرا غم

[illegible]

”جا تو بھی کچھ مانگ لے..... میں ایک سٹیفے
بعد آؤں گا، ہم لوگ قاضی پر جا رہے ہیں کوئی عذر کوئی
بہانہ نہیں، اگر سب قاضی نہیں ہوا تو یہی تم لوگوں کا بیڑہ
اک نہیں ہوا تو اب کے تیرے مقابل میں ہوں گا اور
خود ازلہ بھائی کو تیری زندگی سے نکال کر رکھ دوں
گا۔“ سٹیسی سمجھا رہا تھا۔ وہ ممکنیاں ورے رہا تھا۔
”تم لوگ بھی قاضی پر چلو گے ہمارے

☆☆☆

رات دوسرے دوسرے گز رہی تھی۔ سحر پائے
بیدارم میں نکل رہے تھے۔ بیدارم بھی وہ جو پہل صبا
کی یاد سے ہلکا تھا۔ اس کے وجود کو دوسرے ہی نہیں دیا
تھا اس کی خوشبو۔ الماری کھول دی۔ اس کے
پتنگوں لٹکے ہوئے کپڑوں پر ہاتھ بھیرا۔۔۔۔۔ دھانی
ساڑی، سرخ سوٹ۔۔۔ سفید پٹوڑا۔۔۔ ان کیسے
پتنگیں بچھ چلیں گی میں رکھے ٹوڑ۔ مرکز دیکھا۔
ڈریسنگ ٹیبل تک اپنا دھسی۔۔۔ پ اے، اسٹک، کٹ
چوڑیاں، پرفیومز۔۔۔ دوسرے سے۔۔۔ ڈریسنگ ٹیبل کے
ساتھ کڑے ہوئے ان کا تھرا سرا۔۔۔ وہ یہاں بیٹھ کر
تیار ہوتی تھی۔ وہ دیکھ بیٹھ کر اسے تنگ کرتے تھے۔
اور جب وہ تیار ہو جاتی تھی تو اٹھ کر اس کے مقابل

”ای تکلیف میں سارے کام کر رہی تھی؟“

”بچے ہیں نا۔“ محبت سے انہیں دیکھا اور انہیں خود پر تاسف ہونے لگا۔

”تم اپنے دکھ میں مبتلا ہو کر دوسروں کی محبت دیکھتے ہیں نہیں ہیں۔ کس اذیت سے گزر کر دوسرے ہیں خوشیاں دیتے ہیں مگر اپنے لیے سوچتے ہو ہم اپنی ذات میں کتنے خود غرض ہو جاتے ہیں۔“ انہوں نے خود کو کلامت کیا۔

”اب نہیں..... جب دوسرے ہمارے لیے جیتے ہیں تو ہمیں بھی دوسروں کے لیے جینا چاہیے۔“ انہوں نے اس کا پاؤں اٹھا کر بیڑ پر رکھا اسے سیدھا کیا اس کے پیچھے بٹیکے لگے اور بچوں کو ڈانٹا۔

”کوئی فرمائش نہیں، ماما نے بیڈ سے نیچے نہیں اترنا۔ سب کچھ بڑی میڈ۔“

”ہرے۔“ بچے خوش تھے۔

”ایسی کوئی بات نہیں، میں ٹھیک ہوں چل سکتی ہوں۔“ انزل بچل سی ہو گئی۔

”بیٹھے جائیں..... ماما کے ہاتھ کا کوئی نہیں کھائے گا تین دن تک۔“ ایک اور فرمان جاری کر دیا۔ بچے اس میں ہلا رہے تھے۔

”پاپا رات کا ڈنر؟“ مون کو کھڑک پر لگا۔

”چارے۔“ مون بول دیا۔

”سینی اٹکل کے فارم باؤس بھی جانا ہے۔“ ماما کے ٹھیک ہونے کے بعد۔“ وہ بیڈ پر بیٹھ گئے۔ انزل بچرے سمٹ رہی تھی۔ جب ہم بدلنے لگتے ہیں تو سانسے کیوں بدلنے لگتا ہے۔ دل کو سمجھانے لگتے ہیں تو صبر اٹھانے لگتا ہے پھر سے ضبط میں دراؤں پڑنے لگتی ہیں۔

”ماما کو آرام کر دو۔“

”ماما جلدی سے ٹھیک ہو جائیں.....“ بچے باہر نکل گئے۔ انہوں نے اس کی ٹانگوں پر ہل چملا دیا۔

”یہ دیکھیں پاپا.....“ ایمان انہیں دیکھ کر کہنے بیٹھ گئی۔ انزل ان کے بیڈ پر پاؤں لٹکا کر کھینچ رہی تھی۔ ایمان نے ایک دم سے اس کی شولہر کا پانچا اوٹھا کر دیا وہ نہ نہ کر رہی رہ گئی۔ اس کے کھنسنے سے نیچے آ لیے ہی آ جاتے تھے۔

”کیا ہوا..... یہ.....“ سعد پر ہکا بکا رہ گئے۔

”ہٹو..... ایمان کچھ نہیں ہوا..... دو اگانی ہے میں نے۔“ انزل کڑکڑائی۔

”کیسے ہوا؟“ سعد نے ایمان کے قریب بیٹھ کر ہاتھ لیا۔

”معمولی سا زخم ہے ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ اپنی چوڑی کرتے لگی۔

”یہ معمولی سا ہے؟“ پاؤں پکڑا۔ ”چلو ڈاکٹر کے پاس۔“

”نہیں..... چھوڑیں پاؤں..... ٹھیک ہو جائے گا۔“

”پاپا میں نے ڈاکٹر اٹکل کو فون کر دیا ہے آ رہے ہیں۔“ مون دوبارہ بھاگا آیا۔

”کیسے ہوا ہے؟“

”اس دن اوون میں ٹھیک بیک کر رہی تھی، آپ کی باتیں سنتے ہوئے ناگ گرم اوون سے چپک گئی تھی۔“ اس نے سر جھکا لیا۔

”اور تم نے بتایا نہیں کسی کو..... مریم تو لگا لہیں۔“ انہوں نے اپنا تپتے سے اسے دیکھا۔

”پاپا..... ماما کو کتنا درد ہو رہا ہوگا؟“

”پاپا..... ڈاکٹر اٹکل کا فون آیا ہے۔“ تیل کی آواز پر مون ان کا فون سن آیا۔ ”وہ نہیں آ سکتے“

”میں نے کماؤٹ روک لیا۔“ اس نے زخم صاف کر کے بیڈج کر دی۔ اسے تکلیف تھی برداشت کر رہی تھی۔

”سالیہ۔ ان کی جانب دیکھتے سے گریز ان کی سامنے اٹھنا چھیلنے سے ساری سرگرمیوں کا جائزہ رہے تھے۔ دوپہر کا پینچ جیار تھا۔ شام کی چائے ساتھ ایمان کی فرمائشیں۔

”رات کا ڈنر میری طرف سے۔“ مسکراتے ہوئے اخبار بند کر دیا۔

”ہرے۔ پاپا۔ بیلا۔“

”پاپا۔ میڈ ونڈ۔“

”اور..... آپ.....“ اندر جاتی انزل کو روکا۔

”جہاں بچے نہیں گئے۔“ بچوں کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے پورگرام کا حصہ بنی۔

”ہرے۔“ بچے بہت خوش تھے۔ زندگی رواں گئی تھی۔ سینی کا فون آ گیا۔

”کچھ ہوا۔“

”یار..... ہو جائے گا اتنی جلدی کیا ہے؟ ابھی مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“

”ہا..... ہا.....“ مرد ہو کر ڈر رہا ہے۔

”سینی جیسا۔“ مسکرائیں بند کر دیں۔ ”ڈو مٹی ہوئی۔“

”ہاں۔“

”سارے کیس تم دیکھو نے مل کر بند کر دیے۔“

”نہیں ختم کر دایے۔“ سینی نہیں رہا تھا۔

”پاپا.....“ مون بھاگا آیا۔

آ جاتے۔ آئیہ مکمل ہو جاتا اس کے بالوں میں چھول لگا دیتے آٹھیں بار بار بھگ رہی تھیں۔ اب آٹھیں اس دور دل کو بند کر دیتا تھا کچھ اور کلاس کا قح دیتا تھا۔ بڑے ہو رہے تھے۔ بچے جب تھک دار ہو جاتے تو..... کچھ فیصلے انسان کو وقت سے پہلے کرنے پڑ جاتے ہیں۔ مہا ان کے لیے مر جھکتی تھی، بچوں کی آنکھ، شعور انزل کی گود میں کھلا تھا اس کے درپے پر فائز کر دیا تھا اسے مہا ان کے لیے زندہ تھی۔ بس آج تک، آج کے بعد اگر انہوں نے اس کمرے میں تنہا رات گزار دی تو بچے کو کچھ کتنے کھیل کر دیوں پاپا.....

”ہیں زندوں پر اختیار ہونا چاہیے۔“ اور آپ.....

اس کی تصویر لٹا دی۔ دروازہ بند کر کے الماری لاک کر دی۔ ڈریک ٹیبل کی ساری چیزیں دروازوں میں ڈال دیں۔ اس کی تصویروں کو پاس میں بند کر دیا۔

کل سے اس کمرے کو بچوں کی اسٹڈی میں تبدیل کر دیا۔ انہوں نے دل سے فیصلہ کیا۔ اس بار آٹھیں نہیں بیکسیں اور صبا کی تصویر بھی انہیں مسکرائی ہوئی لگی جو ان کے داشت میں لگی تھی جسے نکال رہے تھے۔

”جب ایک مدموم کمر لڑی ان کی محبت میں، ان کے بچوں کو ان کے گھر کو اپنا گھر بننے کی ہے تو اس کے لیے وہ بھی خود کو بدل گئی ہیں، بچوں کا احترام واجب ہے۔“

ان پر..... دل سے جھن ہوا۔ اسے بھی آہستہ آہستہ قرار دانا تھا۔ دروازہ بند کر کے باہر نکل آئے۔ ہر سو گہرا اندھیرا تھا۔ بچوں کے کمرے میں جھانکا۔ دونوں بچوں کے درمیان انزل سو رہی تھی۔ اس کے بازو پھیلے ہوئے تھے اور پھیلے بازوؤں میں مون اور ایمان سانسے ہوئے تھے۔ دیر سے ایک تکیہ اٹھا کر مون کے پہلو میں لیٹ گئے۔

☆☆☆

صبح ان کے گھر کی رونق پتر قتر تھی۔ کچن کی خوشبو، بچوں کی فرمائشیں۔ انزل کی کھینک اور اس کا گلہا

میں لے آیا اور سدا شغے چلے گئے۔

میں لے آیا اور سدا شغے چلے گئے۔

میں لے آیا اور سدا شغے چلے گئے۔

میں لے آیا اور سدا شغے چلے گئے۔

میں لے آیا اور سدا شغے چلے گئے۔

میں لے آیا اور سدا شغے چلے گئے۔

میں لے آیا اور سدا شغے چلے گئے۔

کیا ہے۔ انسان بچوں کے لیے تو جیتا ہے، تم نہ ہوتیں تو میرے بچے کھڑے ہوتے۔“
 ”نہیں، یہ کبھی نہیں بکھر سکتے۔“ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ مڑگاں بھیک بھیک کر برسات سمیٹ رہے تھے۔

”مجھے بچوں کے لیے رہنے دیں میں بچوں کے لیے آئی ہوں، ہم لوگوں کو بس یہ سمجھوتا کرنا پڑے گا۔“ وہ دیرے دیرے کہہ رہی تھی اور اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ یہ شخص اس سے کبھی محبت نہیں کر سکتا تو بچوں کے ساتھ ہی سہی۔

”میں نے بچوں کے تمام جملہ حقوق ساری زندگی کے لیے تمہارے نام منسوب کئے، تمہیں آئندہ مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“ وہ دیرے سے بستر سے اترنے لگے۔

”تم ان کے سیاہ و سفید کی مالک ہو۔“ سعد کھڑے ہو گئے۔ ”بچوں کی جانب سے کبھی ہرٹ نہیں ہوگی۔“ وہ دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ انزلہ سر اٹھا کر یوں دیکھنے لگی گویا بے یقین ہو۔ سعد کمرے سے باہر چلے گئے بچوں کے حقوق اسے سوچ کر اور وہ بے یقینی سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”کیا تھا مجھے سمیٹ لیتے کیا تھا مجھے میرے ہونے کا بھی احساس دلا دیتے..... جھوٹا ہی سہی۔“ وہ گھٹنوں پر سر جھکا کر روئے چلی گئی۔

”تو یہ طے ہے انزلہ کے تم نے حرام نصیب ہی رہنا ہے۔ اب تمہیں زندگی سے اور نصیب سے کوئی شکوہ نہیں کرنا۔“ خود کو سمجھایا مگر آج آنسو کی طور سمجھنے کے لیے تیار تھے اور نہ سننے کے لیے تم رہے تھے۔ ساری رات وہ اٹکبا رہی۔ رات گئے تک سعد لان میں ٹہلتے رہے اور پھر لاؤنج میں آکر سو گئے۔ صبح دم بھر شور مچا رہا تھا۔ سعد ناشتا بنا رہے تھے۔ زری مدد کر رہی تھی۔ انزلہ باہر آ گئی۔

”لاؤ..... میں بنا دوں۔“ سعد کی جانب دیکھتے سے گریزاں اور رات بھر ساون بھادوں سعد سے چپا ہوا نہیں تھا۔

”نوو..... آرام..... آرام، ہمیں آپ کے ہاتھ کا کچھ نہیں کھانا۔“ بچے چیخے۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ ناشتا اس کے آگے آ گیا۔ سعد کے چہرے پر کھجلی رات کا کوئی عکس نہیں تھا۔ بگلی..... دیوانی..... پاگل ہو..... محبت تمہیں ہے انہیں تو نہیں..... درد بھی تمہیں ہوگا انہیں نہیں..... اس نے گہری سانس لی۔

شہر آباد، رونقیں آباد
 دل کی دھڑکتوں کو کون سنتا ہے
 آنکھیں احساس دل سے نمکین پانیوں سے
 بھرنے لگیں۔ سردیوں کی ٹھنڈی دوپہریں ہوں یا سرد راتیں۔ اب ہر موسم ہر ساون اکیلے ہی گزارتا ہے۔

دوپہر میں بچے سعد کے ساتھ لان میں مصروف تھے۔ زری سے کہہ کر اپنے کمرے سے اپنے کپڑے منگوا لیے۔ آہستہ آہستہ سامان بچے شفٹ کر کے گیٹ روم کی ضرورت تو رہتی ہے۔ بہت دنوں کے میلے کپڑے تبدیل کیے بالوں میں برش کیا۔ لان میں کینو اور مالٹے پہنچا دیے۔ بچے انجوائے کر رہے تھے۔ کھانا بازار سے آیا۔ اس نے منع بھی کیا مگر نہ بچے مانے نہ سعد۔ رات کو بچوں نے پڑا، برگر اور آئس کریم کی فرمائش کی۔ چوکیدار کے ساتھ انہیں بھیج دیا۔

☆☆☆

آہٹ پر سر اٹھایا۔ سعد اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ”آپ.....“ انزلہ نے میگزین بند کیا۔ تک سک سے تیار، خوشبو اڑاتے بھرپور پر سنائی لیے۔
 ”کوئی کام تھا؟“ وہ سر اٹھا کر سنبھلی۔
 ”ہاں۔“ وہ اس کے سامنے بیٹھے۔

”کل بچوں کے جملہ حقوق تمہارے نام کیے تھے۔ آج اپنے جملہ حقوق تمہارے نام کروانے آیا

موسموں کے تغیر

شعبہ فضل و مناقب

پیشہ

وہ آج بھی ہمیشہ کی طرح کسی لمحے کے مانند ساکت کھڑا تھا۔ لگتا تھا جیسے وہ پتھر کا بے جان مجسمہ ہو جس کے اندر نہ تو دھڑکن ہو نہ دھڑکن ہو نہ جذبات ہوں اور نہ احساسات۔ سامنے بیٹھی فریدہ آگنی مسلسل اسے کوں رہی تھیں۔
”تم یہ فیچہ اٹھالائے ہو..... دیکھ لو ابھی طرح کس قدر ڈول کر رہیں اس کے..... تمہیں نمونے کے لیے جو فیچے دیے گئے تھے وہ کہاں ہیں.....“



تھی بے رحمی کے ساتھ رہتا ہے تا زنگی..... ہمیشہ کے لیے بچوں کے لیے بچوں کے باپ کو بھی بیکر لو.....“ آپ کے وہ سر نہیں پیش قدمی جاری رہی۔
”ساری زندگی تمہارا ہو کر رہے گا تمام جملہ حقوق کے ساتھ۔“ انزل کزن بڑا آگنی۔ ”اپنے جملہ حقوق میرے نام کرو۔“ آواز دھبی ہوئی۔ فرار کی ساری راہیں بند تھیں۔ دھیرے سے اپنا سر مدھ کے شانے سے لگا دیا۔ آنسو بے اختیار ہونے لگے۔
”بس..... اب اور نہیں۔“ مدھ نے سمیٹ لیا۔
”زندگی کے آخری دن کا جبر آخری مرتبہ دونوں نے گزار لیا۔ مرنے والوں کے ساتھ زندگی نہیں گزرتی۔ زندوں کو مار نہیں دیا جاتا۔“ مدھ دھیرے دھیرے پچھلے سر کو پکڑ کر رہے تھے۔
”چلو..... اور اپنے کمرے میں..... درپچے سے ایک ساتھ چاند دیکھیں گے۔ چاند کی روشنی میں بیٹھیں گے۔ میرے پردا کر کے گرم کافی پیے ہوئے۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر زندگی کی دھڑکنوں کو محسوس کریں گے۔“ چلو۔“ مدھ بے خود ہو رہے تھے۔ اتنے اظہار پر انزل کبیر آگنی۔
”میں کیسے..... میں چل نہیں سکتی۔“ انزل نے سر اٹھایا۔

”میں اٹھا لیتا ہوں۔“ مدھ ہنسنے لگا۔
”نہ..... نہیں۔“ وہ کھڑک آگنی۔ ”بچے۔“
”صرف..... مدھ کو کچھ محسوس کرو اور.....“ وہ ایک بار پھر اسے ڈسٹرب کرنے لگے۔ ”اس سے محبت کرو۔“ گلابی آنکھیں خوار لیے، محبت سے سرخ آنکھوں پر جھک گئیں۔
اس کا عشق اُپنا نیت اور محبت کے ساتھ اس کا بن کر اس پر چھا گیا۔ کیسے نہ محبت کو قبول کرتی۔ اس محبت کے لیے تو اس کی دھڑکنیں زندہ تھیں۔



ہوں..... قبول کرلو۔“
”جی.....“ آنکھوں میں پتھر ابھرا۔
”بچوں کے ساتھ مجھے بھی پائنٹ لو..... مجھے آتش دان کے پاس اکیلی بیٹھی لڑکی کی تنہائی دور کرنی ہے۔ اس کے ساتھ بائیں کرتی ہیں، اب اکیلے کمرے میں تنہا نہیں سو سکتا۔ سیری تنہائی شیئر کرلو۔“ انہوں نے دھیرے سے ہاتھ پھیلا دیا۔
”میں نے..... منع تو نہیں کیا..... آپ خود ہی.....“
”ہاں، میں خود تھا مجھے کرایا ہوں، تم نے کبھی سمجھا تھا نہ مانگا تھا..... نہ دینا تھا اور نہ کسی سحر سے ہوئے شخص کو سینا تھا۔“ کچھ وہ لگا ڈالی۔
”اتنا تھا۔“ انزل بس دی۔ کل شب اتنا روئی تھی کیس..... اب اور نہیں۔
”مئی کتنی بہن تم جی ہو مجھے بچوں کو ہی سینا آتا ہے..... اور کچھ زندگی میں سکھائی نہیں۔“
”میں جانتا ہوں.....“ اس کے قریب ہوئے،
باڈی اسپرے کی خوشبو اسے ڈسٹرب کرنے لگی۔
”تم صرف قبول کرلو..... باقی میرا کام۔“
ہاتھ تھام لیا۔
”میں نے بتایا تھا..... میں بچوں..... وہ جبکی۔“
”بس؟“ آگے کہنے سے روک دیا۔ ”بچوں کا منظر نامہ اس قسم ہو چکا ہے اب میں اور تم..... مجھے اپنا بیڈ روم تبدیل کرنا ہے اس کمرے کو میں کیسٹ روم بنا رہا ہوں یا اسٹری روم۔“ انزل نے سر اٹھایا۔ ”اپنے دل کی خواہش پر۔“ چلوں کی سطح کو چھوا۔ متورم، روئی ہوئی چلوں کو فرار سا آنے لگا۔
”اوپر والے کمرے میں شفٹ ہو جائیں، میں بچوں کے کمرے میں شفٹ ہو رہی ہوں۔“
”قطع نہیں۔“ وہ اور قریب ہوئے۔
”اوپر کمرے میں جو میری تصویر کے پہلو میں لڑکی

دوسرے لوگ اس کی مدد نہیں کر سکتے۔“ آپا نے جلدی سے بات بدلتے ہوئے کہا۔
”لیکن حماد بے چارہ کیا کر سکتا ہے، کیسے آواز اٹھا سکتا ہے ان کے خلاف، مگر سے بے گھر نہیں کر دیں گے وہ اے! ماہین! انجمنی نظروں سے آپا کو دیکھتے ہوئے بولی۔
”ہبی تو ساری بات ہے۔ وہ گھر سے بے گھر نہیں ہو جاتا۔ اسے ایک چھت کے نیچے ساری سہولتیں ہی ہوتی ہیں چاہے روٹی اسے ذلت سے ملے۔ لیکن فری میں اسے سب مل تو رہا ہے وہ یہ سب کھانا نہیں چاہتا۔“

”آپا تم جانتی ہو اس کا ساری دنیا میں بچا کے سوا کوئی اور نہیں۔ وہ جائے تو کہاں جائے۔“ ماہین حیرت سے بولی۔
”ارے وہ کوئی لڑکی تو نہیں ہے جسے ایک گھر کی چھت چاہیے وہ تو مرد ہے مکمل آسمان تلے رہ سکتا ہے۔ خالی پیٹ کرارہ کر سکتا ہے۔ وہ اس گھر سے چلا بیوں نہیں جاتا۔ جہاں اس کی عزت نہیں۔ اسکی روٹی تو کتے بھی کھا پا بند نہیں کریں گے جیسے وہ کھاتا ہے یا شاید وہ گالیاں کھا کر بے حس ہو چکا ہے۔
اب نہ وہ چوتھے نہ سوچنا چاہتا ہے۔“

اماں کے آواز دینے پر وہ اٹھ کر اماں کے کمرے کی طرف چلی گئی لیکن آپا کی باتیں سن کر وہ تنک اس کے ذہن میں چراتی رہیں۔ آپا ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ حماد کو اپنی عزت نفس کی کوئی پروا نہیں۔ فریہ آئی کوئی ایک بات بھی اس سے سیدھی طرح نہیں کرتیں، ٹھیک اسے ایک ٹوک سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی اور حماد کے بچا ٹھوم صاحب سے زیادہ اسے لڑکے، اور ہو کرے کہہ کر صرف کام کے لیے بلاتے ہیں۔ ماہین مسلسل سوچ رہی تھی۔
ماہین نرم احساسات رکھنے والی ایک نرم دل

ہاں یوں کر تعظیم دلا کر اس پر احسان کیا ہے اور اب اسے شکروں میں رکھ کر اپنے احسان کی قیمت وصول کر رہے ہیں اس سے۔“ آپا عجیب کی سے بولیں۔
”کیا تعظیم دی ہے اس بے چارے کو۔۔۔۔۔ اپنے بچوں کو اچھے سے اچھے اسکولوں اور کالجوں میں پڑھایا۔ اور انٹر کے بعد اسے کالج سے ہٹا دیا کی گھر کے کام کاج دیکھنے والا کوئی نہیں۔ بے چارہ بی اے کی پرائیوٹ تیار کر رہا ہے لیکن دو سال ہو گئے اس کی تیاری نہیں ہوئی۔ وقت ہی نہیں ملتا اسے، کیسے امتحان دے گا۔“ ماہین نرمی سے بولی آواز میں بولی۔
”لیکن تجھے کیا۔۔۔۔۔ وہ جائیں اور ان کا کام جانے، وہ اس کے اپنے ہیں ہم کیا کہہ سکتے ہیں اس بارے میں۔ فریہ آئی جو حماد سے تمہاری ہمدردی کے بارے میں بتا چلا تو انہیں بالکل بھی اچھا نہیں لگے گا۔“
آپا نے دھمکے لہجے میں کہا۔
”تم جانتی ہو آپا، مجھے کبھی بھی نا انصافی پسند نہیں رہی ہے، مجھے تو جانوروں پر ظلم کرنا پسند نہیں ہے، حماد تو بھرا انسان ہے کیسے چپ رہ سکتی ہوں میں! مجھے اور کچھ نہیں تو تمہک سے بات کرنی ہی ہوگی۔“ ماہین بولی تو آپا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”غیب نہ کرنا مایہ۔۔۔۔۔ ٹھیک تیری بہت نزدیکی دوست سہی لیکن اسے اپنے گھریلو معاملات میں تیری مداخلت پسند نہیں آئے اسے اور ایسا نہ ہو کہ اس بات کو لے کر وہ کچھ اور سوچنے لگیں۔“ آپا قدرے توقف سے بولیں تو ماہین حیرت سے آپا کو دیکھنے لگیں۔
”کیا سوچیں گے وہ۔۔۔۔۔ کیا سوچ سکتے ہیں وہ؟“
ماہین بولی۔
”تم رہے ہو۔۔۔۔۔ لیکن جب تک مظلوم خود پر ڈھائے جانے والے مظالم پر آواز نہیں اٹھائے گا

رہی تھی۔
جب وہ گھر گئی تو آپا نے ہڈ ڈھیر سارے برتنوں کے درمیان بیٹی برتن جو رہی تھیں۔ اماں اور آپا کی آواز اس کمرے سے آ رہی تھیں۔ وہ کمرے میں جانے لگی تو آپا نے اسے آواز دے کر بلایا۔ وہ قریب آئی تو آپا نے اس سے پوچھنے لگیں۔
”کیا خریدنا تھا تمہک نے۔ تو نے اس کی شاپنگ دیکھی؟“
”وہی جو ہر پختہ خریدتی ہے۔ کپڑے، جوتے، میک اپ کی چیزیں وغیرہ۔“ ماہین بیزاری سے بولی۔
”کیا بات ہے مایہ۔ وہاں کچھ ہو گیا تھا کیا۔ تو بہت بھی بھٹی لگ رہی ہے؟“ آپا نے غور سے اس کی اتری صورت دیکھ کر پوچھا۔
”وہی حماد والا قصہ تھا آپا۔ آج اس کی پھر سے بی جھڑپ ہوئی۔“ آپا نے فریہ آئی سے کہا۔
”تو زور کی بات ہے، کوئی نئی بات تو نہیں پھر تو ہر بار اتنی اپ سیٹ کیوں ہو جاتی ہے۔“ آپا نے پلیٹ جھوکر سائنز پر لگے ریک میں اٹھاتے ہوئے کہا۔
”اپ سیٹ ہونے والی بات تو ہے نا آپا۔۔۔۔۔ حماد ٹھیک کا فرسٹ کزن ہے۔ حماد کے والد اور ہمہک کے والد سے بھائی تھے پھر کیوں فریہ آئی اسے ٹوکروں کی طرح فریٹ کر رہی ہیں بلکہ تو کروں سے بھی بدتر جبکہ بابا امیر سے اس گھر میں اچھا سلوک ہو رہا ہے حماد کی نسبت۔ ایسا کیوں ہے آپا؟“
ماہین دسی لہجے میں بولی۔

”در اصل حماد بے چارہ شروع سے بچا کے نکلوں پر پلا ہے۔ ماں، باپ، بچپن میں زور لگے تھے۔ نہ کوئی بہن نہ کوئی بھائی تھا۔ بچا، چچی نے اسے

بولو، بتاؤ۔۔۔۔۔ اسحق کی اولاد کوئی کام جو کبھی ڈھنگ کا کیا ہو۔“ بیٹوں کا بنڈل اس کے منہ پر ہارے ہوئے فریہ آئی بولیں تو ماہین کا دل جیسے کسی نے مٹی میں کچلا لیا۔ حماد اپنی طرح کھڑا رہا اپنے دفاع میں وہ ایک لفظ نہیں کہہ پا رہا تھا ماہین ٹھنڈا آگیا آخر وہ کچھ کہتا کیوں نہیں۔ اس دوران بابا امیر ڈھیر سارے ڈالے وہاں آگیا وہ اس گھر کا بہت پرانا توکر تھا اور ہر معاملے میں بولنا اپنا فرض سمجھتا تھا اس وقت بھی جب فریہ آئی غیظ و غضب کے عالم میں اسے کہہ رہی تھیں۔

”جاذ۔۔۔۔۔ بد دل ہیں دکاندار کو دے آؤ اور صبح چیز لے کر آنا۔۔۔۔۔ ورنہ گھر میں نہ کھنا، تم بھت کام کا نہ کاج کا دھن اناج کا۔“
”مہی بی صاحب۔۔۔۔۔ بابا امیر پریشان سا ہو کر بولا۔ وہ دکان تو بہت دور ہے، اب بھی بی بیج کا گھیا اب آیا ہے۔ اب پھر پیدل جائے گا تو اس کی تو ٹائمن ٹوٹ جائیں گی۔“
”ہاں تو توٹ جانے دو اس کی ٹانگیں۔ اب کیا میں اسے کسی کا کر لیا دے کر بھیجوں۔ اچھا ہے اسے تکلیف ہوگی تو آئندہ دیکھ بھال کر سوا لائے گا۔“ وہ سر جھکا کر فیتوں کا بنڈل اٹھا کر چلا گیا جبکہ ماہین اور امیر بابا کھڑے کے کمرے سے گئے اسی دوران ٹھیک باہر آئی اور ماہین کو دیکھ کر ٹھیک کراس کی طرف آئی۔
”مایہ۔۔۔۔۔ تم ٹھیک آئی ہو؟ اندر میرے کمرے میں کیوں نہیں آ رہی تھیں؟“

ماہین نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا لیکن وہ جواب کا انتظار کیے بغیر اسے ہاتھ سے کھینچے ہوئے اپنے کمرے میں لے گئی اور اسے اپنی تازہ شاپنگ دکھانے لگی جو اس نے کل ہی ساری دن لگا کر کی تھی۔ ماہین کا دل حماد کی وجہ سے ہویکل سا ہو رہا تھا مگر وہ بردستی ہی اس کے جوش و خروش کا ساتھ دے

میں سو افرید پر ہوا تھا۔

”حماد ذرا یہ مولیاں تو دیکھیں۔ خراب تو نہیں ہوں گی تاہم اصل مجھے تجربہ نہیں ہے اکثر مولیاں اوپر سے صاف نظر آتی ہیں لیکن اندر سے بالکل خراب جبکہ اسی نے آج خاص طور پر مولیاں لانے کے لیے کہا تھا۔۔۔۔۔ وہ بے تکلفی ظاہر کرنے کے لیے اسی سے بات چیت کر رہی تھی۔

حماد پھر جی سے اچھی اچھی مولیاں نکال کر ایک طرف رکھ رہا تھا۔ سودے کے قتلے لیے وہ باہر آئے تو سامنے ہی ایک گھوٹکا سامنا ہوا تھا۔۔۔۔۔ گھوٹکے کے سامنے چند میز کرسیاں رکھی تھیں اور وہاں لوگ بیٹھے چائے پیتے تھے۔

”حماد مجھے چائے کی بہت طلب ہو رہی ہے۔ چلو چائے پی لیتے ہیں۔“ مائین جلدی سے بولی۔ وہ چونک گیا۔

”نن۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ مجھے دیر ہو جائے گی۔ خانساماں سودے کا انتظار کر رہا ہوگا۔ آپ چائے پی لیجیے۔ میں چلا ہوں۔“ وہ اٹکتے ہوئے بولا۔

”مجھے اکیلے بیٹھ کر پائے پینے میں مزہ نہیں آتا۔ اور پھر تاہم ہی کتنا لگتا ہے ایک کپ چائے پینے میں۔“ وہ اس کا بازو دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کے چہرے پر شہ پڑی پڑی اثرات تھے اور وہ سہا سہا سارے جگائے مائین کے ساتھ کھینچ چلا جا رہا تھا۔ چائے کے مہاپ اڑاتے کپ دونوں کے درمیان چھوٹی ٹیبل پر رکھے تھے۔

”حماد۔۔۔۔۔ ایک بات پوچھوں؟“ مائین نے بات کی ابتداء کی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا اور ابھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

”حماد۔۔۔۔۔ جب فریڈ آئی تھیں ذرا تھیں تو تھیں پر انہیں لگتا؟“ وہ نرم اور دھمے لہجے میں بولی۔

دیا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا۔

”مجھے بھی کمرے کے لیے کچھ چیزیں دیکھنی ہیں۔۔۔۔۔ چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔“ اس نے ماحول کی اجنبیت کو اپنی بے تکلفانہ گفتگو سے توڑتے ہوئے کہا لیکن وہ گھبرا سا گیا۔

”نن۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ وہ آپ آلو پیاز وانی مارکیٹ میں جا کر کیا کریں گی۔“

”ارے۔۔۔۔۔ آلو پیاز ہی تو لانے ہیں مجھے۔“ وہ اس کے گھبرائے پر ہنس دی۔ وہ اب بھی گھبرا رہا تھا۔

”آپ مجھے بتا دیجیے۔ میں لے آؤں گا آپ کے لیے۔“ وہ تجھے تجھے لہجے میں بولا۔ اس کی آفر مائین کو عجیب لگی۔

”غور نہ کرو۔“ مائین میرے کپ پر آپ کو ڈانٹیں گی نہیں؟“ فریڈ نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ جیسے ہوئے لہجے میں بولی۔ وہ بولگلا کر ابھر اُدھر دیکھنے لگا۔

”جی، آپ کے طفیل مجھے بھی اس مارکیٹ کو دیکھنے کا موقع ملے گا جہاں سے آپ چن چن کر سستی سبزی لیا کرتے ہیں۔“ وہ بولی۔

وہ کچھ نہ بولا، دھمے دھمے انداز میں قدم اٹھاتا ہوا اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا لیکن اس کے چہرے پر عجیب سی گھبراہٹ چھائی ہوئی تھی اور وہ چونک کر خوفزدہ انداز میں آگے پیچھے یوں دیکھتے ہوئے جا رہا تھا جیسے کسی کے دیکھ لینے کا ڈر ہو۔ مائین کو اس کا یہ براساں انداز بالکل نہیں بھار رہا تھا۔ اس پر اسے غصہ بھی آ رہا تھا اور رحم بھی۔۔۔۔۔ کیسے ایک اچھے بھلے شخص کی شخصیت سبھو کر رہی تھی۔ صرف چند لوگوں کی احساس برتری کے باعث۔۔۔۔۔ لیکن وہ اس کے انداز کو نظر انداز کر کے نرم لہجے میں عام سے موضوعات پر بات چیت کر رہی تھی۔ مارکیٹ میں وہ اس کی موجودگی میں بہت لیے دیے انداز

حماد کی زندگی میں کچھ سلجھاؤ آئے لیکن آج آپالے جو باتیں کہیں تو اسے لگا جیسے اس سارے معاملے میں صرف گھر والوں کا قصور نہیں بلکہ اس میں حماد کا بھی قصور ہے کیونکہ گھر والے دالا اور ظم سبب دالا کیساں قصور وار ہوتا ہے۔

اب مائین حماد سے بات کرنے کے لیے موقع ڈھونڈنے لگی۔ حماد اور اس میں کوئی بے تکلفی نہیں تھی جب تک کہ حماد کو برا بھلا کہا جاتا تو اس کے چہرے سے جھلک بھردی صاف دکھائی دیتی۔۔۔۔۔ کبھی کبھی حماد اس کے چہرے پر ایک نظر ڈال لیتا سخت ذرا اپنی نظریں ہٹا لیتا لیکن وہ اتنا بھی بے وقوف نہیں تھا کہ اس کو اس کے چہرے پر بھردی نظریں نہ لگائے۔ شاید وہ دل ہی دل میں خفت میں محسوس کر رہا ہو کہ اس کے سامنے ہی اسے یہ طرح لڑا جاتا لیکن اپنا ذاتی ڈسٹر بھوجاتی کہ وہ حماد کے شرمندہ چہرے کی طرف دیکھنا بھی گناہ سمجھتی تھی۔

گھر میں تو بات کرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ مائین حیران تھی کہ وہ حماد سے کہاں اور کیسے کچھ کہہ پائے گی لیکن شاید خدا کو بھی یہ منظور تھا کہ وہ حماد سے بات کرے اس دن جب وہ سردیوں کے پکڑے خریدنے مارکیٹ جا رہی تھی تو سرگ کے بائیں طرف ڈھیلے ڈھالے انداز میں چلا ہوا حماد اسے نظر آ گیا۔ یقیناً اس سے بہتر موقع اسے وہ بارہا ہاتھ نہیں اٹھتا تھا۔ مائین نے اپنے قدم تیز کر لیے اور اس کے قریب پہنچ کر سلام کیا۔ اس نے بڑبڑا کر مائین کی طرف دیکھا کیلئے تو وہ حیران ہوا پھر دھمے انداز میں سلام کا جواب دے کر اس نے اپنے قدم تیز کر لیے کہ مزید بات چیت نہ ہو لیکن مائین اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی سو اس نے بھی اپنی رفتار بدھواتے ہوئے بات چیت میں شامل کی۔

”سودا لارے ہو؟“ اس نے اثبات میں سر ہلا

لڑکی تھی۔ وہ شروع سے بہت حساس تھی اس کی اور مہک کی کلاں میں بہت فرق تھا۔ یہ علاقہ بڑے لوگوں کا علاقہ تھا۔ جانے کیسے سے دور میں یہ مکان مائین کے ابو نے خرید لیا تھا۔ دس مرلے کا یہ مکان پرانی طرز کا بنا ہوا تھا اور آج کل کافی قیمت کا تھا لیکن چونکہ یہاں بڑے بڑے مالدار لوگوں کی کوشیاں بن گئی ہیں اور بڑے بڑے لوگوں کے بچے میں رہتا ایک الگ مزہ تھا اس لیے لوگوں کے اصرار کے باوجود مائین کے والد غفر کو بیوی کے چچ کھڑا یہ عام سا سودا مکان ان کو بیوں کا نظر بد لگتا تھا۔

غفر صاحب ایک سرکاری آفس میں گریڈ 16 کے ملازم تھے۔ ان کی تنہم روزیہ ایک سیدی سادی خاتون تھیں۔ ان کے دو بچے تھے۔ مذہب بڑی سی مائین چھوٹی۔ وہ لے لے کر رہتی تھی۔ اس کا اور مہک کا بڑا گھراؤ دستانہ تھا حالانکہ مہک کے والد کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ وہ ایک اچھے کالج میں پڑھ رہی تھی جبکہ مائین کو ایک سرکاری ادارے میں پڑھنے کے لیے جانا پڑتا تھا لیکن دونوں ہم عمر تھیں۔ مہک، مائین کے پڑوس میں تھی۔ دونوں کی ابھراؤ ملتا تھا تو وہیں تو دونوں دوست بن گئیں اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ دوستی اتنی گہری ہوئی کہ دونوں ایک جہاں دو قلاب بن گئیں۔ مہک بھی مائین کے گھر آیا کرتی لیکن زیادہ تر وہ مائین کو ہی بلایا کرتی۔ مائین کو بھی وہاں جانا پڑتا لگتا تھا۔ آتے جاتے اس کی حماد سے بھی ملاقات ہو جاتی۔ پھر آہستہ آہستہ اس گھر کے ایک فرد کی سی حیثیت حاصل ہوئی کبھی کوئی بات ہوئی۔۔۔۔۔ دھڑلے سے اس کے سامنے کی جاتی۔ حماد کے ساتھ گھر والوں کا جو رویہ تھا وہ بھی اس سے چھپا نہ رہا اور آہستہ آہستہ حماد کی عظمت پر اس کا حواس دل خیزنے لگا اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ اس سلسلے میں وہ ایسا کیا کرے کہ

کے مزاج کے مطابق تھی۔ وہ کوشش کرتی کہ کون عمر لڑکیوں کو صرف کتابیں نہ پڑائے بلکہ ان کو اخلاقی تعلیم بھی دے، ان کی رہنمائی کرے اور ان کی تربیت میں اہم رول ادا کرے وہ اپنی انہی عادتوں کی بنا پر سارے کالج میں مقبول تھی بلکہ کالج بھر میں اسے پسند کیا جاتا تھا۔

ان دنوں ایک ٹریڈی ہو گئی۔ مہک کے اپنے شوہر سے نہیں بچ سکے اور وہ طلاق لے کر آسٹریلیا سے واپس آ گئی۔ شادی کے دو سال بعد یہ رشتہ ختم ہو گیا۔ مہک کا کوئی بچہ بھی نہیں ہوا تھا۔ حساسی ماہن کو مہک کی طلاق سے بہت دکھ ہوا لیکن مہک کو کوئی خاص پروا نہیں تھی۔ وہ اپنے شوہر کی مسلسل برائیاں کرتی رہی اور اس سے گلو خلاصی کا کوئی خوش قسمتی محقق رہی۔ فریڈہ آئی اگرچہ پریشان تو مگ رہی تھیں لیکن ظاہر نہیں کر رہی تھیں جبکہ ماہن تو مہک کے گلے لگے کر بے اختیار رو نہ گئی تھی۔

”اے پاگل!“ ہبک ہنس کر بولی۔“ اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ قید سے بندہ چھوٹتا ہے تو اسے اور اس کے رشتے داروں کو خوشی ہوتی ہے اور تم میری آزادی پر خوش ہونے کے بجائے روبرو ہو۔“ مایین نے شرمندہ ہو کر اپنے آنسو پونچھ لیے۔

”چلو۔۔۔ میرے کمرے میں۔۔۔ میں“
 جمہیں اپنا آسٹریلیا کی شانگ دکھاتی ہوں۔“ مہک
 اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ حیران پریشان سی
 ماہن کو وہ پہنچے ہوئے اپنے کمرے کی طرف لے گئی۔
 ایک سال مزید بیت گیا۔۔۔ اس دن ماہن کو
 فریڈہ آگئی نے بلایا تھا ماہن حیران تھی کفریہ د آگئی
 اسے کیا کہنا جاتی ہیں۔ اگرچہ وہ مہک سے اکثر
 اوقات ملنے چلی جا کر جاتی تھی۔ اب وہ کان سے اتنی
 صحتی ہاری گھر آتی کہ چاہتی ہوئے بھی جلدی جلدی
 مہک سے ملنے نہیں جاسکتی تھی لیکن اس دن جب فریڈہ

[illegible]

”ہاں..... مہمی بھی تالیس..... وہ ادھر تھا تو تب بھی انہیں پسند نہیں تھا..... اور اب چلا گیا تو بھی سارا دن اسے گالیاں دیتی رہتی ہیں۔“ مہمک نے برا سارا منہ بنالیا پھر وہ فس کر بولی۔ ”اب وہ سننے کے لیے موجود نہیں لیکن اب بھی اپنا عذر اس پر لٹا کر رہتی ہیں۔“

ماہین اب بھی وہاں کھڑی تھی لیکن جیسے وہاں موجود ہی نہیں تھی اسے عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ حماد اس کے کہنے پر یہاں سے چلا گیا تھا خدا کرے اسے اس کی گمشدہ عزت مل جائے مگر آتے وقت ایک ہی دعا اس کے لبوں پر تھی۔

”خدا یا..... اسے اپنے فیصلے پر کبھی بچھڑانے نہ دینا..... اس کے راستوں کے کاٹنے جن کو اس کی راہ میں پھول بچھا دینا۔“ اور پھر یہ دعا اس کے لبوں سے چمک گئی تھی۔

وقت نہ رہا۔۔۔۔۔ اب آئی شادی ہو گئی تھی۔ اماں اور ابابکر کچھ زیادہ ہی بوڑھے ہو گئے تھے۔ ماہین ایک کالج میں ٹیچر تھے۔ مہک کی بہت بڑے صنعت کار کے بیٹے سے شادی ہو گئی تھی اور وہ آسٹریلیا چلے گئے تھے۔ اماں، ابابکر اب سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ ماہین کا گھر بھی بس جائے لیکن خدا کی طرف سے دھچکے کا جو بھی رشہ آتا اس میں کوئی ایسا مضمر نہ ہوتا کہ اماں، ابابکر کو دل کونہ بھاتا۔ ماہین نے اپنی زندگی کے تمام اختیارات اماں، ابابکر سے رکھے تھے۔ وہ اپنی زندگی کے شب و روز سے مطمئن تھی۔ یہ جاب اس

اگر میری بات تمہارے ذہن میں آئی تو یہاں سے فکر
 کر اپنی پڑھا کی کے بارے میں ضرور سوچنا کہ یہ
 ایک راستہ ہے جس پر چل کر تم کامیاب ہو سکتے ہو۔
 وہ دھمے لکھ میں بولی۔

اس نے اب حماد کے جواب کا انتظار نہیں کیا..... جیسے کہ بلا کر جانے کے پیسے دیے اور حماد کو صرف دو دیکھے بغیر وہاں سے نکلنے کی نین اسے حماد سے بات کر کے حاسی پلائی ہوئی تھی۔ اسے لگتا تھا جیسے حماد خود اپنی حالت بلا نہیں جانتا۔ اس نے دکھ سے سوچا تھا کہ جو بندہ اپنی بے غرضی خود محسوس نہ کر رہا ہو دوسرے اس کی کیا درد سکتے ہیں۔ ایک دو دن وہ ایسے دکھ کے حصار میں رہی اور ہمبک کے لاکھ بانے پہنچی تھی۔ اس کے گھر نہیں گئی۔ پڑھ بھڑائی کی مصروفیات وہی۔ ایک دو بار ہمبک کو دکان سے ملنے کے لیے آئی۔ لیکن اس دن اسے اس حالت میں نہ مل سکی تھی۔ ہمبک کو اس کے ہاتھ کی کڑی بہت پسند تھی۔ وہ جب بھی کڑی بنا تھا ہمبک کو بھیجتا نہیں بولتے۔

”ماہی! یہ کڑھی مہک کو دے آنا، گرم گرم ہے،
 خنڈی ہوگی تو مزہ نہیں دے گی۔“ انہوں نے ڈونڈ
 بھر کر مہک کے لیے کڑھی نکالی اور مایین کو آواز دیتے
 ہوئے کہا۔

ماہین کا خود بھی دل چاہ رہا تھا مہک کے گھر جانے کے لیے سو اس نے کوئی اتنا کام نہیں کی ڈونڈ اٹھایا اور مہک کے گھر چلی گئی۔

مہک حسبِ عادت ماہین کو اپنی تازہ شاپنگ دکھانے لگی ساتھ ساتھ وہ ابالی پن سے بچنے سے کڑھی بھی کھاتی تھی۔

”آئی اپنے کمرے میں ہیں نا..... میں جا کر ان سے مل لوں۔“ واپس جانے سے پہلے مایہ، مہک سے کہنے لگی۔

ایک عجیب سا..... بے بس سا تاجرِ حماد کے چہرے پر پھیل گیا اس نے جلدی سے نظریں جھکا لیں اور چائے کے کپ سے انہی بھاپ پر اپنی نظریں جمادیں، ماہین نے کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کیا پھر تدریس دے دئے سے بولی۔

”حماد۔ تم کو یقیناً برا لگتا ہوگا کیونکہ جب مجھے برا لگتا ہے تو تمہیں کیسے برا نہیں لگتا ہوگا۔“ حماد کچھ نہیں بولا۔ اس کے چہرے پر دیکھوں کا غبار سا چھا گیا تھا۔ ہونٹ لرزنے لگے تھے اور آنکھیں پانی سے بھر گئی تھیں۔

”حماد..... تم اس گھر کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے
جہاں تمہاری اتنی بے عزتی ہوتی ہے۔“ ماہین اپنی
بات کو بڑھا دیتے ہوئے بولی۔ وہ اب بھی کچھ نہیں
بولنا لیکن اس کے چہرے کے نقوش تن سے گتے تھے وہ
منہ سے تو کچھ نہیں بولا لیکن اس کے چہرے کے نقوش
کہہ رہے تھے کہ میں کیسے اس گھر کو چھوڑ دوں جبکہ میرا
کوئی بھی نہیں، میں کسی کے پاس جاؤں، کیسے میں
اس گھر کو چھوڑ سکتا ہوں۔ ماہین نے اس کے چہرے
پر لکھی یہ ساری تحریر پڑھ لی تھی۔

”حماد! تم لڑکی نہیں ہو، جو ایک چٹ کے لیے تیرے بے عزتی برداشت کر رہے ہو، مگر تم فٹ پاتھ پر بھی رہو گے تو مجھ کوئی مسئلہ نہیں ہوگا..... اور کم سے کم تمہاری عزت تو محفوظ رہے گی کوئی اس طرح سرعام تمہاری عزت کی دھجیاں تو نہیں اڑائے گا نا.....“ وہ بولی۔ وہ مگر کم کی غیر مرئی نقطہ پر اپنی نظریں جمائے ماسکتا سا بیٹھا رہا، جاہن کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی لیکن جب اس کی خاموشی طویل ہو گئی جاہن مایوس ہی ہو گئی۔

”سوری حماد! مجھے تمہارے معاملے میں اس طرح دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے تھی بہر حال تمہیں سمجھانا میں اپنا فرض سمجھتی تھی اور ایک آخری بات کہ

اس کا گھر دو بار سن جائے کھانا کھا کر وہ فریہ آہنی کے گھر پہنچی گئی آہنی نے اسے گلے لگا کر بوسہ دیا اور اپنے پاس بٹھالیا۔

”آہنی! مہک کہاں ہے؟“ اسے مہک سے ملنے کی بات تھی۔

”مل لینا بھئی مل لینا..... وہ اپنے کمرے میں ہے لیکن پہلے میرے پاس تو بیٹھو فریہ آہنی ہنس کر بولیں۔

”آہنی! مہک کو آپ نے اس رشتے کے بارے میں بتایا، اسے اعتراض تو نہیں ہے؟“ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”ہمیں..... اب اس کے کس بل نکل چکے ہیں۔ میں نے اسے سمجھا دیا ہے کہ میرے اور اس کے

ڈیٹے کے بعد وہ ایک بغیر کی مرد کے اپنی زندگی کیسے گزارے گی۔ ویسے تو وہ بالکل راضی ہے لیکن کچھ

باتیں بھی تم سے اسے سمجھانا۔“ فریہ آہنی نے اسے خوش خبری سنائی۔ کچھ ریاضت مہک کے سامنے بیٹھی تھی۔

”ابھی امما کی باتوں سے میں شفق تو ہوں لیکن ایک گورنٹ سرورٹ کی کتنی سیلری ہوگی..... تم تو میرے شوق جانتی ہو۔ کیسے زورہ ہوگا میرا۔“ مہک اسے کہہ رہی تھی۔

”مہک! وہ یقیناً تمہارے شوق افروز نہیں کر سکے گا..... تم کو ہی اپنا آپ بدلانا ہوگا۔ میرا خیال ہے تم اتنی شاپنگ کبھی ہو کہ اگر میں ہوتی تو شاپنگ کے نام سے ہی دور بھاگتی..... بس اب تم کو کھر بیٹھنا ہے۔ تم کتنی سنبھالنی ہو۔ اور اپنے پیدا کرنے ہیں۔“

”دہات!“ مہک چیخ کر بولی۔

”ابھی! اگر تم مجھے ایک اچھی بیوی ہونے کی یقین دہانی نہیں کرو گی تو میں اس بات کو نہیں ختم کروں گی اس لیے کہ اگر میں تمہارے ساتھ اچھا کرنا چاہتی ہوں تو مجھے اس معصوم لڑکے سعد کے ساتھ بھی

دل میں دعا کرتے گی کہ خدا کرے اسے مہک کی پہلی شادی اور طلاق پر اعتراض نہ ہو۔

بات چیت شروع ہوئی۔ اس کی زیادہ تر باتوں کا جواب فرازا دیتا رہا۔ سعد مہک کے خاموش بیٹھا تھا۔ مہک کی ڈھیر ساری تقریبات کے بعد اس نے دے لفظوں میں مہک کی پہلی شادی اور طلاق کے بارے میں بتادیا جسے نہ کر وہ دونوں چونک گئے۔

کچھ دیر ماحول پر براغیر فکری سائناس طاری رہا۔ پھر فرازا نے تھیں کر اس سے مہک کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ مہک نے بڑی سچائی سے مہک کا کام اس کا ٹیکہ گزارنا اور وہ سب کچھ بتا دیا جو

کوئی ناشائستہ بتانے کے لیے ضروری ہوتا ہے حتیٰ کہ ان کی امارات کے بارے میں بھی تفصیلی بات کی۔

فرازا نے ہی سوچنے کا ٹائم لیا جبکہ سعد بالکل خاموش تھا۔ جاتے جاتے سعد نے بڑی گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ مہک نے آخری لمحہ کی گارنٹی دے کر اپنے ہاتھ سے مہک کی طرف سے ہٹا لیا اور مہک کے بارے میں سوچنے لگی۔

آہنی نے یقیناً مہک سے بات کی ہوگی۔ جانے اسے کا تو کھل گیا ہوگا۔ ان ہی سوچوں میں گہری جھبہ گھر گئی تو اس نے اس سے پہلی بات یہی کی۔

”مہک تم سے ملنا چاہتی ہے۔ دو بار مہک نے فون کیا ہے اور ایک بار جسٹری آہنی نے..... وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں۔ میرا خیال ہے وہ تمہارے

لائے ہوئے رشتے کے بارے میں کچھ کہنا چاہیں گی۔“

اماں سے وہ کبھی کوئی بات چھپایا نہیں کرتی تھی سو یہ بات بھی اس نے تفصیل سے اماں سے کی تھی اور اماں نے اسے کسی ایسی کوشش سے منع نہیں کیا تھا کہ

ان کو بھی مہک سے ہمدردی تھی اور وہ چاہہ رہی تھیں کہ

مہک کی رضامندی سے پہلے ماہین اس لڑکے سعد سے ملنا چاہتی تھی۔ اس کے دل میں بے حد شرم بھی تھا کہ کیا چار لڑکا کسی مطلقہ لڑکی سے شادی نہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی آئینہ لگی کوئی کنواری لڑکی ہو۔ بہر حال

اب تو اس کام میں ہاتھ ڈال لیا تھا۔ اسے اب پورا کربا ہی تھا۔ ویسے بھی اس کی بچہ گیری کی ہر کسی کی مدد کے لیے پیش پیش ہوتی اور یہاں تو معاملہ اس کی دوسری مہک کا تھا فرازا نے اپنا تسلیہ نہیں مانا کہ

دوسرے وقت فرازا نے اسے فون ملا یا۔

”فرازا صاحب..... کیا آپ اور سعد صاحب مجھ سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ میرا مطلب ہے اسی سلسلے میں جس کی آپ نے بات کی تھی۔“

”جی..... کیوں نہیں۔“ وہ بڑے ہنسنے لہجے میں بولا۔ غالباً اسے امید نہیں تھی کہ ماہین خود اس سے رابطہ کرے گی۔

”کیا ہم کالج آجائیں؟“ وہ پوچھنے لگا۔

”ہاں.....“ وہ سوچتے ہوئے بولی۔ ”کالج تو ایسی باتوں کے لیے مناسب جگہ نہیں ہے لیکن.....

کیا کیا جاسکتا ہے۔“ اسے گھر میں آپ کو نہیں ملا سکتی آپ ایسا کریں..... پتلی کے بعد آجائیں۔ میں انتظار گاہ میں آپ کا ویٹ کر دوں گی۔“

مقررہ وقت پر فرازا اور سعد آگے سعد کو کچھ کر وہ چونک گئی لگتا تھا کہ سعد سے پہلے بھی کہیں مل چکی ہے۔ اسے اس کی صورت شناسا لگ رہی تھی لیکن

ڈھن پر زور دینے کے بعد جو اسے یاد آیا تو اس نے سمجھ لیا کہ شاید وہ کسی کے داخلے کے سلسلے میں آیا ہو اور اس کی صورت اس کی ذہن میں محفوظ نہ ہو۔

کالے رنگ کی قمیض شلوار پہنے اس نے سلیف سے بال بٹائے تھے۔ چہرے پر بڑا سکون اور دھیمی سی مگر اہمٹ کھیل رہی تھی۔ مردانہ وجہات کا وہ دو جوان

اسے مہک کے لیے ایک بہترین تھلا گا اور وہ دل ہی

مہک کے لیے یہ رشتہ مناسب تو لگا تھا لیکن کیا خبر آہنی کو پسند آئے یا مہک خود ہی ایسا رد قبول نہ کرے کیونکہ وہ تو ایسی کتنی تھی کہ پھر ان کے ہاتھ کا میل تھا جبکہ ایک گورنٹ سرورٹ کی تنخواہ کتنی ہو سکتی ہے اور

مہک اس پر کتنا پیش کر سکتی ہے۔ وہ سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے سوچا کہ پہلے آہنی سے بات کر لے۔ جب اس نے فریہ آہنی سے بات کی تو اس کی توقع کے برعکس وہ بے طرح خوش ہو گئیں۔

”ارے ماہین..... تو تم اس معاملے میں دیر کیوں کر رہی ہو! آج کل مجھے رشتے کہاں ملتے ہیں۔ کیوں کوئی اسے لکڑی ہی نہ کر دے! میرا مطلب ہے آج کل لڑکیوں کی مائیں تو اچھے لڑکوں کے لیے

سنہری جال پھیلائے رکھتی ہیں۔ کہیں وہ کسی جال میں نہ پھنس جائے۔“

وہ آہنی کے جوش و خروش کو جرات سے دیکھ رہی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ آہنی اس رشتے کا سن کر اتنی خوش ہوں گی پھر بھی بات صرف فریہ آہنی کی نہیں تھی اصل فیصلہ تو مہک نے کرنا تھا۔

”آہنی..... مہک کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا نا.....؟“ وہ جھجک کر بولی۔

”کاپے کو ہوگا اسے اعتراض..... ایک سراپا کار سے شادی تو ناہ نہیں سگی، اب ایک دوسری بار پچھنا کھائے گی..... اور سنو۔“ وہ اس کی طرف جھجک کر

رازداداری سے بولیں۔ ”اب اس کے ہوش ٹھکانے آئے ہیں پہلے جیسا دم غم نہیں رہا اس میں۔ سارا دن اپنے کمرے میں بند ہو کر سینگ کا تے تے رہتی ہے۔“

”اچھا!“ اسے حیرت ہوئی۔ اپنی مصروفیت کے باعث وہ کافی دنوں سے نہیں ملتی تھی۔

اس وقت بھی اس کا مہک سے ملنے کا موڈ نہیں تھا کہ اچھا ہے آہنی ہی یہ بات اس سے کریں۔ اس نے سوچا اور آخری سے اجازت لے کر گھر آ گئی۔

228

ماہدہ علیہ کیڑہ۔ جون 2012ء

لڑکے سعد نے نہیں اس کے دوست فراز نے کی تھی۔
سعد جب ہم سے بات کرنے آیا تو اسے تم پسند آئیں
اور اس نے اپنے دوست کم سے بات کرنے بیجا اور
تمہارے مگر اپنا رشتہ بجا دیا۔ ”اماں سوچ مجھ سے لےجے
میں بولیں۔

”ک۔ کیا.....؟“ وہ بری طرح اچھل پڑی
اور بے چینی سے اماں کی طرف دیکھنے لگی۔

”ہاں! جی! آج ایک سو بری پندرہ عمر کی
خاتون آئی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ سعد ان کا بڑا
دوست ہے، وہ پولیس میں انسپر ہے اور بہت اچھا لڑکا ہے، وہ
اس کا رشتہ اس کی خواہش پر لے کر آئی ہیں تمہارے
لیے۔“ اماں بولیں۔

ماہین کا سر گھومنے لگا تھا۔ آج کل اس کے لیے
بھانت بھانت کے رشتے آرہے تھے لیکن اس نے کسی
رشتے کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ اچھی بات یہ تھی کہ
اماں، ابا کو بھی ابھی تک کوئی رشتہ نہیں بچایا تھا اور نہ اس
کی انکار کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اور اب یہ رشتہ۔

”اماں! اگر پہلے یہ رشتہ آجاتا تو کچھ سوچا
جاسکتا تھا لیکن اب..... اب فریہ آئی اور ہمک کو پتا
چلے گا تو وہ بدیدہ سبھاؤ بھی پرانوں کا گم ہوں گی کسا چھا
رشتہ دیکھ کر میں بے ایمان ہوئی ہوں۔ نہیں اماں،
آپ فوراً سے میٹھن خان خاتون کو انکار کریں۔“ وہ
رسان سے اماں کو کھانے لگی۔

”ویسے مجھے یہ رشتہ اس لیے پسند آیا کہ وہ
خاتون سعد کی بہت زیادہ تعریفیں کر رہی تھیں۔
میں اور تمہارے بابا تمہارے لیے ایسے ہی شریف
لڑکے کی خواہش رکھتے ہیں لیکن تمہاری بات میں بھی
وزن ہے۔“ اماں سوچتے ہوئے بولیں۔

”اگر یہ رشتہ کسی پریذینٹ کا بھی ہوتا تو میں اسے
قبول نہیں کرتی میں فریہ کا بی بی اور ہمک کی نظروں میں
.....

مگر نہیں جانتی..... بس آپ ان کو انکار کریں۔“ وہ
اماں کو چمکا چھوڑ کر اپنے کمرے میں پہنچ کر نے چلی
گئی لیکن اس بری طرح آپ سیٹھی کے بھوک کے
باوجود اس نے کھانا نہیں کھایا اور سوچتے سوچتے جانے
کہ وہ ہینڈ کی وادیاں میں اتر گئی۔

اماں کی آواز نے اسے جگا دیا۔ مندی مندی
آنکھوں سے اماں کو دیکھتے ہوئے وہ ہینڈ بھری آواز
میں بولی۔ ”کیا ہے اماں.....؟“

”مہمان آئے ہیں بیٹا..... تمہیں پوچھ رہے
ہیں۔“ وہ اٹھ کر دوش روم میں چلی گئی۔ اکثر لڑکیوں
کے والدین کوئی ناگوئی مسئلہ لے کر آتے تھے، جسے گھر
بجلی کالج۔ اس نے سوچا، ایسے ہی کوئی مہمان ہوں
گے بھی تو اسے پوچھ رہے ہیں۔ لیکن ڈراما گروم
میں گھسنے ہی اسے بڑے زور کا جھٹکا لگا۔ بالکل سامنے
صوفے پر سعد اور فراز بیٹھے تھے۔ اسے دیکھ کر دونوں
اس کی نظریں بے لگے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ کم عمری
ہوگئی، میروں نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا، سر

گھومنے لگا اور وہ تھوڑی سی سہم بھی گئی کہ یہ لوگ گھر
تک پہنچ گئے تھے۔ پہلے تو اس کا دل چاہا کہ انہیں
کھری کھری سنا کر سیدھا سمجھاؤ باہر کا دروازہ
دکھادے لیکن اسے اخلاقیات کی جو تعلیم دی گئی تھی وہ
اسے کی انتہائی اقدام سے روک رہی تھی اور پھر اماں
کی نصیحت تھی کہ گھر آئے رشتوں کا بھی لحاظ کر سوا یک
خندنی سانس بھر کر ان کے سلام کا جواب دے کر وہ
اُن کے سامنے والے صوفے پر ٹپک گئی۔ نوش کے
باوجود وہ چہرے پر کوئی نرم تاثر لانا نہیں تا کام رہی
تھی۔ سعد سمجھا کہ بیٹھا تھا جبکہ فراز کے چہرے پر
شرمندگی تھی اور وہ بات کرنے کے لیے الفاظ کا
انتخاب کر رہا تھا۔

”آپ کچھ کہنے آئے ہیں؟“ جب وہ کافی دیر
تک کچھ نہ بولے تو دو گئے کچھ سے وہ خود ہی بول

پڑی۔
”جج..... جی..... جی ہاں۔“ فراز بولا جبکہ سعد
کی نگاہیں کچھ آواز میں پر جھک گئیں۔
”دراصل ماہین جی..... ہم آپ کو کچھ بتانے
آئے ہیں۔ ایک حقیقت بتانا چاہتے ہیں ہم آپ
کو..... کہ اگر آپ کو کوئی فیصلہ کریں تو اس حقیقت کو
سامنے رکھ کر کریں۔“ وہ سنجیدہ لہجے میں رک رک کر
کہنے لگا۔

”کیا فیصلہ کروں میں..... آپ کیا حقیقت بتانا
چاہتے ہیں..... آپ نے کسی فیصلے کرنے کا چھوڑا
ہے مجھے..... آپ نے تو فریہ آئی اور ہمک کے
سامنے میری حیثیت دو کوڑی کی کر کے دکھادی ہے۔“
ماہین ہڑک اٹھی۔ اس باساحر نے نظریں اٹھا کر اسے
دیکھا اور بالکل ناگھٹکوں میں حصہ لیتے ہوئے وہی آواز
میں بولا۔
”آپ کیا سمجھتی ہیں کہ وہ لوگ میرا رشتہ قبول
کر لیتے۔“

”یہ میرا دوسرا تھا۔ وہ لوگ اس رشتے کو قبول
کر چکے تھے..... اور اب آپ لوگوں کے شہر تھے کہ
آپ باقاعدہ رشتہ لے کر آئیں گے لیکن آپ
لوگ.....؟ کچھ حیرت سے ماہین نے اسے دیکھا اور
ای نارضامی بھرے لہجے میں بولی۔ وہ بات ادھوری
چھوڑ کر چپ ہو گئی لیکن اس کی ادھوری بات میں جو
مطلب پوشیدہ تھا وہ لوگ اس مطلب کو سمجھ گئے تھے۔
سعد تو خاموش رہا لیکن فراز اپنا گلا صاف کرتے
ہوئے بولا۔

”ماہین جی..... ہمیں معاف کر دیں کہ نا تجربے
کا دل کی بنا پر ہم سے سارے کا غلط ہو گئے۔
دراصل میری کوئی بہن نہیں تھی جس میں داخلہ دلانا
چاہتا تھا۔ صرف ادھر صرف آپ سے ملنا اور وہ درم
پڑا تھا۔“

”مم..... مجھ سے؟“ آواز سے حیرت کے ماہین کی
آنکھیں پھل گئیں۔ ”آپ لوگ مجھ سے کیوں راہ و
رسم پوچھنا چاہتے ہیں؟“
اس سے تو بات کرنی مشکل ہو رہی تھی۔ اس
نے اپنی ساری زندگی بڑی صاف ستھری گزار دی تھی۔
ہر قسم کی آلودگیوں سے اپنا دامن صاف رکھا تھا۔ اس
کے کردار کی چٹکی کی مثالیں دی جاتی تھیں اور اب
یہ..... مارے رنج کے اس کی روح فنا ہونے لگی تھی۔
وہ پچھلی بیٹی نظروں سے ان دونوں کو کچھ رہی تھی۔
”اگر ہم ڈائریکٹ آپ کے متعلق بات کرتے تو
یہ کینیڈن نہیں ہوتی اور پھر ہم نے دوسری غلطی یہ کی
کہ اپنی آئی کو آپ کے کھر بیچ دیا۔“
یہ بھی غلط تھا جب تک اس کی طرف سے کریں سکتے نہ
ملتا ہیں۔ یہ قدم بھی اٹھانا چاہیے تھا جس لیے ہم
خود حاضر ہو گئے کہ ساری کینیڈن دور کر لیں اور تو
ماہین کے شے کا ٹھکانا نہیں رہا۔ وہ اماں کی مہمانوں
کے متعلق ساری ہدایات بھول گئی۔

”ہوش میں تو ہیں آپ..... آپ کو احساس ہے
کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ اس کی آنکھیں شعلے
برساری تھیں اور اس کی زبان آگ برسا رہی تھی۔
اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان دونوں لڑکوں کو اپنے
گھر سے نکال باہر کرے۔ سعد تو اس کے شے کے
آگے کچھ نہیں بولا لیکن فراز بیٹھا آواز میں بولا۔
”مم نے آپ نے معافی مانگ لی ہے مس
ماہین اور اپنی غلطیوں کا اعتراف بھی کر لیا ہے لیکن ہم
نے آپ کا رشتہ مانگا ہے۔ کوئی غلط کام نہیں کیا۔“

”رشتے ایسے لگتے جاتے ہیں۔ اس طرح غلط
طریقے سے کسی کو گمراہ کیا جاتا ہے۔“ وہ ہزموں کر
بولی۔
”دراصل ہمارا کوئی بزرگ نہ تھا جو اس سلسلے
میں ہماری رہنمائی کرتا۔ بس ہم سے غلطیاں ہوتی
.....

خدارا ۞ خدارا شوگر مریض ذرا عقلندی سے کام لیں

کیونکہ ساری زندگی عاشق بنی ہوئی تھی کیوں ہی کھاتے رہتا آخر کہاں کی عقلدی ہے؟ آج کل تو ہر انسان صرف شوگر کی وجہ سے بد پریشان ہے۔ شوگر موذی مرض انسان کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا ہے۔ جان اور ناکارہ بنا کر اعصابی طور پر کمزور کر دیتی ہے۔ حتیٰ کہ شوگر کی مرض تو انسانی زندگی خالص کر دیتی ہے۔ شفاء، شہابیہ اللہ پر ایمان رکھیں۔ ہم نے جذبہ خدمت انسانیت سے سرشار ہو کر ایک طویل عرصہ ریسرچ، تحقیق کے بعد طبی یونانی قدرتی بڑی بیٹوں سے ایک ایسا نسخہ کام کا ہرل شوگر نجات کو اس ایجاد کیا ہے۔ جسے استعمال سے آپ شوگر سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ شوگر کی مرض سے پریشان ہیں اور نجات چاہتے ہیں تو خدا آج ہی مگر بیٹے فون کے بذریعہ وٹس ایپ وی پی ٹی شوگر نجات کو رس نکھولیں۔ اور ہماری چٹائی کو آواز دیں۔

المسلم دارالحکمت (رجسٹرڈ)
(دینی طبی یونانی دوا خانہ)
ضلع و شہر حافظ آباد پاکستان
0300-6526061
0308-6627979
0547-521787

آپ میں صرف فون کریں
شوگر کو رس آپ تک ہم پہنچائیں گے

اتنا صاف تھا کہ میں نے ایک بار اسے اختیار کیا تو کسی کمانی کسی گمانی کو اپنے آئینے میں آئے نہ دیا۔ اور آگے۔ اور آگے چلا رہا۔ اور کمانی کے نہ بنے۔ طے کرتا رہا۔ لیکن میں نے کبھی نہیں بولا کہ میری زندگی بنانے میں آپ کا ہاتھ ہے۔ میں اگر آج ایک باعزت پوسٹ پر ہوں تو یہ سب آپ کی بدلت ہے۔ میں حاد سے سعد بنا تو یہ آپ کی وجہ ہے۔ ورنہ میں آج بھی اپنے پاؤں چھینے ہوئے بازار میں بھڑکی کا مول تول کرتا یا ہتھک کے پکڑے روزی سے لا رہا ہوتا۔ میں آپ کا یہ احسان کبھی بھی۔۔۔ زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔ ”وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔

ڈرائنگ روم میں آنے کے بعد بھی بار بار چین کے لیوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ کھنکھنی۔ اسے حقیقتاً بہت زیادہ خوشی ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ حماد کے بارے میں سوچتی کہ ہتھک کے گھر سے نکل کر اس کا کیا حال ہوا ہوگا۔ وہ ہمیشہ تھی کہ لیے عاماتی اور آج اس کی دعا قبول ہوگئی تھی۔ وہ ایک نیک دل بولان نہیں اور نیکیاں کر کے سرور اور مطمئن ہوئی تھی۔ کسی بھی مسئلے کے بغیر وہ وہ لوگوں کے ساتھ اچھا نہیں کیے جاتی لیکن اب سعد کو کچھ کر دہے جانے کے لیے بے تاب تھی کہ جب حماد اپنے بچے کے گھر سے نکلا تو اس پر کیا ہئی۔ اور وہ حماد سے سعد کے بنا۔

”آپ سے میرا احسان وغیرہ رہنے دیں میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جس کے لیے آپ احسان مند ہوں۔ اس میں آپ کی اپنی ہمت اور جدوجہد کو کریڈٹ جاتا ہے لیکن مجھے یہ سننے کا تئیس ضرور ہے کہ آپ حماد سے سعد کیسے بنے اور آپ نے اپنی اہلی کی کھانیاں کیسے درو کیں۔ اس کا موڈ یکدم خوشگوار ہو گیا تھا اور پھر سے ہر ایک مطمئن بن کر مسکراہٹ کھیل ہی تھی۔ وہ سب کچھ بھول گئی تھی سوائے اس کے کہ اس نے جو تکلیف کی تھی وہ آج جسم اس کے سامنے بیٹھی

”آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں اور۔۔۔ آپ کی اصلیت کیا ہے؟ کیا وہ آپ کو جانتے ہیں؟“ اس کے ڈر پر حیرت غالب آگئی۔ وہ سوال پر سوال کیے جا رہی تھی۔

”جی ہاں، اچھی طرح جانتے ہیں وہ مجھے کیونکہ میرا بچپن اور جوانی کا کچھ حصہ بھی ان کی ٹھوکروں میں گزرا ہے۔ اور یہ آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں۔“ سعدو نے کچھ لمبے میں کہہ رہا تھا۔

”کیا؟“ وہ ہانکا اس کا منہ دیکھنے لگی۔ اس کی دھڑکنیں معدوم ہوتے لگیں اور سر پر بھی طرح چکرانے لگی۔ تو دیر تو اس سے کچھ بولان نہیں کی سوچتے سمجھتے اور بولنے کی بھی صلاحیت ختم ہو کر وہ گئی تھی لیکن اچانک جیسے اس کے ذہن میں ٹلک سا ہوا۔ وہ ہکا کر بولی۔

”ح۔۔۔ حماد۔۔۔ تم حما ہو۔۔۔؟“ اب اسے احساس ہوا کہ ہاتھ کہ سعد کی صورت اسے جانی پچانی سی کیوں لگ رہی تھی۔ حالانکہ حماد اور سعد میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ دیکھنے کا حماد جس کے چہرے پر ہمہ وقت عاجزی اور مسکینیت چھائی رہتی۔ جو ہتھک کے گھر والوں کا بے دام غلام تھا۔ جس نے کبھی قریدہ آنٹی کی ناجائز اور غلط باتوں کا پلٹ کر کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ جو اپنے بچے کے جوتے پائش کرتا تو ان کا ٹوکر لگتا تھا۔ کسی کی سوچ میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ وہ ان کا بیٹھیا بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ سعد۔۔۔ یہ پولیس افسر جس کے چہرے پر خود اعتمادی کی گہری چھاپ ہے۔ جو تنجید کی سے بات کرتا ہے اور مخاطب کا دل جیت لیتا ہے۔ ماہین پٹنی پٹنی نظروں سے اسے ایک ٹکد دیکھ رہی تھی۔

”نن تو شاید آگس میں جسم ہو جاتا۔۔۔ ساری عمر بچا کے گھر کی چاکری میں گزر جاتی۔ اگر آپ مجھے راستہ نہ دکھاتیں۔۔۔ آپ کا دکھایا ہوا راستہ

تھیں۔“ فرائز گرجا کے کہہ رہا تھا۔

ماہین چپ ہوئی۔ وہ بار بار اپنی غلطیوں کی معافی مانگ رہے تھے اور شرمندہ تھے۔ ماہین کو اپنا بڑھ بڑھ بولنا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اگر ایک بندہ اپنی غلطی تسلیم کر کے معافی مانگ لے تو پھر یقیناً دوسرے کو معافی دے دیتی چاہیے۔ اب بھی اگر۔۔۔ کسی سوال تھے جو ماہین کو پریشان کر رہے تھے۔ مثلاً یہ کہ سعد اس سے کیوں رشہ جوڑا جاتا تھا اور اس کے لیے انہوں نے اتنی لمبی ٹانگ لی۔ کی۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ لیکن اب اس نے مزید بات بڑھائی مناسب نہیں تھی اور بات ختم کرتے ہوئے بولی۔

”اوکے۔۔۔ میرا خیال ہے اس بات کو کہیں ختم کرتے ہیں۔ اگر آپ لوگ چائے پینا چاہیں تو میں چائے بھجوا دیتی ہوں۔ اب گھر پر نہیں ہیں ورنہ وہ آپ کو چٹائی دیتے۔“ وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی اس کا خیال تھا وہ لوگ بھی اس کے ساتھ ہی کھڑے ہو کر اجازت میں سے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا بلکہ فرائز تنجید سے کہنے لگا۔

”آپ بیٹھیں ماہین جی۔ ابھی تک تو وہ بات ہوئی ہی نہیں تھی آپ سے کرنے کے لیے ہم بطور خاص آئے ہیں۔“

”کیا؟“ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔ ”کیا ابھی کچھ کہنا باقی ہے؟“ اسے انہیں کے ساتھ ساتھ پریشانی بھی ہونے لگی۔ ایک پولیس افسر اسے کیس میں گھیرنا چاہتا ہے کیا۔ وہ بیٹھ گئی اور پریشان ہی ہو کر انکسار دینے لگی جبکہ فرائز کے بجائے سعد بولا۔

”آپ ابھی کہہ رہی تھیں کہ ہتھک اور قریدہ آئی کو آپ نے اس رشتے کے لیے آدہ کر لیا ہے لیکن اگر وہ میری اصلیت جان لیں تو اس کے لیے بھی آمادہ نہ ہوں۔“ وہ تنجید سے کہہ رہا تھا۔

ہے۔ ”وہ خاموش ہوا تو فراز جلدی سے بولا۔

”رکروں گا۔“ وہ ایک لمحے کے لیے رکا اور ماہر

ہوئے خاطر میں نہ لاتے تو آج جیت آپ کا مقدر نہ ہوتی لیکن خیر..... یہ سب چھوڑیں اور یہ بتائیں کہ آپ حماد سے سعد کیسے بنے؟“

”میرا اصل نام سعد حماد ہے۔ اسکول کے پبلیٹیٹ میں یہ نام لکھا ہے لیکن چچا کے گھر والے مجھے حماد کہہ کر بلاتے رہے جبکہ اسکول میں مجھے سعد کہا جاتا تھا“ وہ مسکرا کر بولا۔

”اچھا.....“ وہ اٹھتے ہوئے بولی ”میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔“

”نہیں مس ماہین.....“ فراز جلدی سے بولا۔ ”ہم چائے ضرور پیئیں گے لیکن پہلے ایک اہم بات آپ سے کرنا چاہیں گے بلکہ میں نہیں..... آپ سے وہ بات ڈائریکٹ سعد کرے گا۔“

”کیا اب کچھ اور بتانا باقی رہ گیا ہے کیا؟“ وہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئی اور حیرت سے بولی۔

”ہاں، ماہین جی..... وہ بات تو رہ ہی گئی ہے جسے ہم بتانے کے لیے آئے ہیں۔“ پھر وہ سعد سے بولا۔ ”سعد..... چلو بات کرو۔“

ماہین کو لگا جیسے سعد کو بات کرنے میں بہت مشکل پیش آ رہی ہو وہ تین دراپنے الفاظ پہنچ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔۔۔۔۔ عجب ای اچھن اور شش اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ ماہین کو حیرت کے ساتھ ساتھ تجسس بھی تھا کہ اب سعد یا حامد مدد کیا پہنچا جاتا ہے کیونکہ ساری باتیں تو ٹیکسٹ ہو گئی تھیں۔ آخر کلاب فراز نے سعد کو ٹھوکا دے کر اسے بولنے پر آمادہ کیا تو وہ نکھار کر دھجی آواز سن کر کہنے لگا۔

”ماہین جی..... میں جانتا ہوں کہ آپ کو میری باتیں اچھی نہیں لگیں گی..... آپ کو میری جرات پر غصہ آئے گا اور شاید آپ ہمیں کھڑے کھڑے اپنے اس ڈرامٹک روم سے نکال دیں لیکن ان تمام خطرات کے باوجود میں اپنے دل کی بات آپ سے کہنے کی جرات

نہی جبکہ سرحدی آدمی آواز میں کہہ رہا تھا۔
”آپ کی اس دن کی باتوں نے مجھے جیسے نیند سے جگا کر رکھ دیا۔ مجھے اپنے وجوہ سے نفرت ہونے لگی کہ میں کیونکر ان لوگوں کی چاکری کر رہا ہوں جو مجھ پر اتنے مظالم کرنے کے باوجود خود کو قہر پر مجھ رہے ہیں جبکہ میں خود بھی ان کو قہر پر مجھ رہا تھا کہ وہ مجھے کھلانے چلاتے ہیں تو مجھے ٹھوکروں پر رکھنے کا حق ہے ان کو۔ مجھ میں شور و تب بیدار ہوا جب آپ نے مجھے سمجھایا..... اور تب میں اس گھر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر فراز کے پاس آ گیا۔ فراز میرا اسکول کے وقت کا دوست تھا۔ مجھ سے بڑھائی چھوٹی تھی لیکن فراز اور میری دوستی نہیں چھوٹی تھی۔ میں گھر والوں سے چھپ کر فراز سے ملا کر اور فراز میری کتابوں اور داغی وغیرہ کا خرچہ برداشت کرتا رہا کیونکہ میں راینٹ طور پر اساتحانہ دے رہا تھا۔ تعلیم حاصل کرنا میری خواہش، میرا خواب اور میرا محبت تھا۔ جب آپ نے مجھے نصیحت کی کہ عزت میں مجھ سے حاصل ہونے والی تعلیم حاصل کروں گا تو تعلیم حاصل کرنے کی میری دیوانگی کچھ اور بڑھ گئی اور اس سلسلے میں میرے ہر دھڑ دھڑ میں کام آنے والے دوست فراز نے میری قدم قدم پر مدد کی جب میں نے ڈبل ایم اے کیا تو فراز کی کوششوں سے ہی مجھے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں جاب مل گئی، اپنے کام سے لگن اور محنت نے میری راہوں کے پتھر چٹن لیے اور میں کامیابیاں حاصل کرتے کرتے آج ایک باعزت پولیس آفیسر ہوں..... لیکن میرے اندر ایک باعزت زندگی گزارنے کی خواہش آپ نے پیدا کی اور اسے بحال رکھنا آپ نے فراز نے سوچا۔ دونوں پتھر ہے۔“

تیراں چہرے پر اپنی نظر دوڑاتے ہوئے بولا۔

”بات میں وہاں سے شروع کروں گا جو میرے
کا کاریک اور دھتیا یعنی پچا کے کھر میرا ہوا۔ اس
اور ابلے ابلے عمل جیسے کھر میرا نام بھی
ایک ہوتا اور ادرت خرمز نامی اندھیرے کا ہے
جب آپ وہاں آئیں تو مجھے لگتا جیسے اندھیرے
روشنی کی کرن چمک اٹھی ہو۔ جیسے باریکان چمک
ہوں۔ آپ کے چہرے پر ہمدردی کی جھلک دیکھ
مجھے جتنی کی صلواتوں کا غم نہ رہتا۔ رات کو سو
میں آپ کو بی سوچتا۔ لیکن میں ڈر ڈر کر سوچتا
میری سوچوں کی ہمک کو پا چکی ہو جھک جاتی ہو
میرا دور مقرر کر کے کہ میں نے ہمک کی آواز
رہنے کی جرات کیے کی باتیں کی آواز بھرا گئی
وہ اس دور میں چلا گیا تھا۔ لیکن جلد ہی اس نے
نیپال اور ادرت بھری آواز میں بولے لگا۔

”نکین... میں ادھر اول اس بات پر بقادر نہ
میں آپ کے متعلق نہ سوچتا۔ سوؤر ڈر کر
وہ ہو کر ہی نکین لکن ان اندھیرے پلوں میں
میشہ روشنی بن کر میرے آس پاس رہیں۔
پرہم گاہ یہ ہوا کہ آپ نے مجھے زندگی کا وہ راستہ
جس نے میری زندگی بدل دی۔ آپ کوئی
نکین لکن اس زمانوں میں کیسے ہو سکتا تھا میں جانتا
نہی کہ آپ نے میرے ساتھ جو کیا وہ ہمہ جہت
نکین لکن میں۔ میں نے جو کیا۔“ وہ کہنے
کا ہو کر بولا۔ ”محببت میں کیا۔“ بلکہ عشق
میں جب بچے کے گھر سے نکلا تو آپ کا تصور

ساتھ ساتھ تھا..... اور تب سے لے کر اب تک
تاکتوور ہمیشہ میرے ساتھ رہا ہے اور آج اگر
پ کے سامنے بیٹھا آپ کو اپنا حال دل سنارہا
ہے خود اعتمادی بھی مجھ پر آپ کے تصور بننے دی

کاس کے عشق کا مل گواہ ہوں..... یہ بھی سچی آپ کو
 نہیں بھولنا لیں، اپنی تمام تر تفتیش کے باوجود یہ آپ کی
 بہت محنت و کھسکا کر آپ کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے
 ساری عمر آپ کی خاموش محبت کے سہارے زندگی
 گزارا، جا چتا تھا کہ میں اس کا دل کھینچ دوں، دیکھ سکتا تھا سو
 میں نے اسے اس پر آمادہ کر لیا کہ یہ آپ کو اپنی شریک
 بنیات بنا کر اپنی ایک محبت کو کامیابی سے ہمکنار کرے
 اور اس مقصد کے لیے باقی پانچ میرا تھا جو تجربہ
 فاری سے غلط ہو رہا تھا کہ غلط ہو رہا ہے۔“

وہ کسی سٹائی جسے کی طرح بھیجی تھی۔ یہی احساس
 نہیں ہوا تھا کہ وہ بے ضرر رہا۔ معصوم سا شخص
 کی بات میں گہرا اثر ہو چکا تھا وہ تو سب کے ساتھ
 چھپا کر رہنے والی لڑکی تھی حماد کے لیے اس کی بے
 دردی پر کھل چکی تھی..... پھر اس نے اسے ایک ایسا
 مست بنا دیا جس پر چل کر وہ اپنی عزت نفس کو مزید
 پٹائی چھائی ہوئے سے بچا سکتا تھا لیکن اسے یقین نہ تھا
 کہ وہ اس کی بات کو سمجھ دے گا۔ اس کے لیے یہ
 شئی اور فخر کی بات تھی کہ حماد نے اس کی بات کو سمجھ
 لی اور اپنے سچے کا چھوڑ دیا بعد میں وہ اسے
 دلی میں یاد کر رہی تھی کیونکہ اس کے مشورے پر
 کا کھ چھوڑ دیا تھا تو اس کے ساتھ سب اچھا ہو سکتا
 تھا وہ بدھ بنے پڑھا نہ کے سلسلے میں اپنی مصروف
 ئی کی آہستہ آہستہ حماد کو بھول گئی تھی۔ اگر وہ اسے
 شہ یاد بھی رکھتی تو حماد اور سعد میں اتنا زیادہ فرق تھا
 کہ وہ اسے پہچان نہ پاتی۔

”ہم اب چلنے میں مامین جی..... آپ اچھی طرح سوچ سمجھ کر ہمیں جواب دیجیے۔ ہماری غلطیوں کو نظر انداز کر دیجیے۔ دراصل امی، ابو میرے بڑے بھائی کے پاس ابریکا گئے ہوئے ہیں ورنہ امی سارا

شیت یا خفی جواب نہیں دیا۔ اگلے دن نوبت آپا نے بھی اسے فون کیا، وہ بھی اسے سعد کے لیے فون کرنی رہیں۔ لیکن اس نے نوبت کو بھی کوئی جی جواب نہیں دیا۔

اماں، اب سعد سے مل چکے تھے۔ اس دوران سعد اور فرزانہ دو بار اماں اب سے ملنے آچکے تھے۔ فرزانہ نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ وہ سعد کا بھائی بھی ہے، دوست بھی ہے اور اب کسی تیسرے کو بیچ میں لانے بغیر وہ ہی آئے گا اور بار بار آنے گا۔ جب تک کہ وہ لوگ سعد کے لیے مایہ ناز کا رشتہ قبول نہیں کریں گے۔ اماں اور باپ دونوں کو سعد ہر لحاظ سے پسند آتا تھا۔ وہ خاموش اور باوقار لڑکا مراد نہ دہانتے میں بھی اپنا جانی نہیں رکھتا تھا۔ دوسرے وہ اچھے عہدے پر فائز تھا اور دل و جان سے اپنا کاروبار چلاتے تھے۔ وہ دونوں رشتے بھی برے نہ تھے۔ اماں اب اس کی خاموشی سے تنگ آچکی تھیں۔ اس دن ان کے ممبر کر پنا تہ لبریز ہو گیا تو وہ اپنے مزاج کے خلاف سخت لہجے میں مایہ ناز سے کہنے لگیں۔

”ماہین! بس اب اس قحہ کو ختم کر دو۔ اب مزید اس معاملے کو مت لٹکاؤ۔ وہ بے چارہ فرزانہ دن دیکھتا ہے اور نہ رات۔ ہر وقت آتا ہے۔ میں تو اب اس سے شرمندہ ہونڈی ہوں۔ بانی دو رشتے والے بھی جواب کے انتظار میں بیٹھیں۔“

”میں کیا کروں اماں۔ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔“ وہ بے بسی سے اماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”بس اب میں جیہیں سوچنے کے لیے مزید ناظم نہیں دے سکتی۔ تم ابھی کے ابھی مجھے جواب دو۔“

”اماں۔ میں سعد کے جد جگہ سے متاثر ضرور ہوئی ہوں اور جانتی ہوں کہ سعد کے ممبر میری

اماں چونک پڑیں۔

”کچھ نہیں بیٹا۔ بس تم سے ایک بات کرنی تھی۔“

”ہاں کیسے نا۔۔۔۔۔ وہ لاڈ سے ان کے کانڈھے پر رکھ کر بولی۔

”بیٹا! دیکھو زندگی گزارنے کے لیے ہوا، پانی گی جتنی ضرورت ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ ضرورت محبت کی ہوتی ہے۔ محبت ایسی آکسیجن ہے جو مرنے والی جان کو زندہ رکھتی ہے۔“

”میں جانتی ہوں اماں۔ لیکن آپ کو یہ سب مجھے کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ کیا میں آپ سے محبت نہیں کرتی۔“ مایہ ناز نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھا اور مجھے ہونے لہجے میں بولی۔

”تمہاری اور میری محبت کی نہیں ہے۔ بات اس محبت کی ہے کہ جو بندہ تمہیں اپنا جانا چاہتا ہے۔ وہ تمہیں زیادہ ساری خوشیاں اور محبتیں دے گا۔“ اماں ہنس دیں پھر تھوڑا سا رک کر بولیں۔ ”میں سعد کی بات کر رہی ہوں۔“

”اماں۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ انہیں انکار کر دیں۔ آپ نے ابھی تک انہیں انکار نہیں کیا۔“ وہ شدت سے چونک پڑی اور اچھے ہوئے بولی۔

”بیٹا! انکار کا بہت آسان ہے اور ہلکی بھریں کیا جاسکتے ہیں۔ لیکن میں سعد کو انکار کرنا نہیں چاہتی۔۔۔۔۔ کہ شاید تمہیں دوبارہ سعد جیسا قدر دان بندہ نہ ملے۔ جس نے تمہاری محبت میں خود کو سرتاپا بدل ڈالا۔ اب یہاں بندہ نہیں کرسکتا۔“

وہ سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی رہی۔ اماں دانی دیکر اسے سمجھا رہیں۔ اسے سعد کا رشتہ قبول کرنے کے لیے آمادہ کرتی رہیں۔ وہ چپ چاپ اماں کی دلیلیں سن رہی تھیں لیکن اس نے اماں کو کوئی

رشتے آئے تھے۔۔۔۔۔ اور سب کو انکار ہی کر دیا۔ اب یہ مناسب نہیں لگا تو انکار کر دیں گے لیکن اس سے پہلے بھی تو کسی رشتے کے لیے اپنی پریشان نہیں ہوئی پھر اس بار۔۔۔۔۔

ہمیشہ کی طرح وہ اماں سے کچھ نہ چھپا سکی۔ حمار لیتی سعد کی ساری کہانی اس نے حرف بحرف اماں کو سنائی۔ اور اس کی کہانی میں محبت کا جو اظہار کیا گیا تھا اسے بھی وہ حذر نہ کر سکی کہ ماں سے کچھ بھی چھپانا اس کے لیے مشکل ہی نہیں ممکن ہوتا تھا۔ اماں نے اسے تسلی اور دلا سے دے کر پہلا تو لیکن خود گہری سوچ میں گھو گئیں۔ آبا نوبت کی شادی کے بعد وہ اماں اب کے ساتھ ایک ہی کمرے میں سوئی تھی۔ اب کو مطالعہ کا شوق تھا جبکہ وہ اپنے کالج کے لیے پیپر تیار کرتی۔ اب وہ بھی چلتا رہا اس شور اور چلی لائٹ میں خوار خوار نے بھر کر دیکھا کہ وہ کمرے میں بدل رہی تھیں۔ وہ سونے کی ایکٹنگ کر رہی تھیں لیکن مایہ ناز جانتی تھی کہ وہ سوئیں ہی ہیں۔ انہیں پریشان اور فکر مند نہ کر کے اسے انہیں ہورہا تھا لیکن وہ بھی کیا کرتی۔

اماں سے کچھ بھی چھپانا اس کے لیے ناممکن تھا۔ ایک ہفتہ بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گیا۔ مہک اور فریہ وہ آگنی نے اسے پھر نہیں پایا تھا۔ شاید اس کا نہ جانا انہوں نے اپنے لیے ان کا مسئلہ بنالیا تھا اور ناراضی کے اظہار کے طور پر اسے نہ اپنے پاس بلایا تھا نہ ہی مہک اس کے گھر آئی تھی۔ وہ بھی اپنی مصروفیات میں گھر کو رفتی طور پر ساری باتیں بھول بیٹھی تھی کہ اس دن جب وہ کالج سے گھر گئی تو اماں کو کسی گہری سوچ میں ڈوبے دیکھا۔ پیچ کر کے وہ اماں کے پاس آئی تو اماں اتنی گہری سوچ میں تھیں کہ اس کی آہٹ بھی محسوس نہیں کر سکیں۔

”کیا بات ہے اماں۔ کیا سوچ رہی ہیں؟“

محبت سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر وہ بولی تو

کچھ سنبھال لیتیں پھر ہم سے اس طرح غلطیاں نہیں ہوتیں۔“ فرزانہ سے سوچوں میں ڈوب کر کہہ کر بولا۔

اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ انہیں ایک کپ چائے پینے کے لیے روک لیتی۔ وہ کم صوم گھڑی رہی اور وہ دونوں خدا حافظ کہہ کر کھلے دروازے سے باہر نکل گئے اور وہ عالی النوا سے کتنی دیر جانی دروازے کو دیکھتی رہی۔

”بیٹا! جو مہمان آئے تھے وہ کیا کسی اسٹوڈنٹ کے رشتے والے تھے؟“ رات کو اماں نے پوچھا۔ وہ کچھ نہ بولی بس خالی خالی نظروں سے اماں کو گھورتی رہی۔

اماں نے اپنی ذہن میں اس کی خاموشی نوٹ نہیں کی۔ ”تو نے انہیں چائے نہیں پلائی وہ تو کافی دیر بیٹھے رہے۔ میں بھی کام میں گئی تھی چائے کا پوچھنے نہ سکی۔“ اچار کا سارا انگوٹھا اسی ڈال رہی تھی۔

”اماں۔ اب کہاں ہیں گئے؟ ابھی تک واپس نہیں لوٹے۔“ اس نے اگرچہ بات بدل دی تھی لیکن ابو کی غیر حاضری اسے پریشان بھی کرنے لگی تھی۔

”وہ کہہ گئے تھے کہ چشمن لے کر وہ اپنے دوست جاوید خان کی طرف جائیں گے۔ اور ابھی فون پر کہا ہے کہ جاوید خان انہیں کھانے کے بتائیں چھوڑ رہے ہیں سو رہے ہیں۔“

”اچھا۔۔۔۔۔ اسے تسلی ہوئی اور جب وہ کافی دیر خاموش بیٹھی رہی تو اماں کو عجیب سا لگا۔ وہ بھی اتنی دیر چپ نہیں رہ سکتی تھی۔

”کیا بات ہے ماما۔ کوئی مسئلہ ہے کیا۔۔۔۔۔؟“

”نہیں اماں۔ مسئلہ تو نہیں۔ بس آپ سے یہ کہنا تھا کہ سعد کی آگنی دوبارہ آئیں تو آپ انہیں انکار کر دیں۔“

”ہاں۔ ہاں کر دوں گی۔۔۔۔۔ تو ابھی تک اس بات کو لے کر پریشان ہو رہی ہے۔ تجھے پتا تو ہے کتنے

تم نے یہ سوچ بھی کیے لیا۔۔۔۔۔ وہ شخص آسان پر بھی پہنچ جائے تو بھی میں اسے اپنی جوتی صاف کرنے کے لیے ملازم نہیں رکھوں گی کیا کر اسے شوہر بنانا۔۔۔۔۔“

ماجین دم بخود کھڑی اس کی کڑوی سیل باتیں سن رہی تھی۔ اسے ڈر لگنے کا تھا کہ نہیں اس پر خدا کا قہر نہ ٹوٹے۔ کیا بندہ اس قدر مغرور بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ہی جیسے انسان کو ایک حقیر کڑے کوڑے سے زیادہ نہ سمجھے۔ ہبک تن تن کرتی اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ہبک کے جانے کے بعد وہ فریہ آہنی سے جو کچھ پتھر کے بت کی طرح ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی تھیں نظر پر بجا کر نکل جانا جاتا تھا جتنی قہر فریہ آہنی فوراً سے جیتر اس کے پاس آ سکیں اور اسے کندھوں سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے جتنی لہجے میں بولیں۔

”مامی۔۔۔۔۔ ہبک کی باتوں کا بار نہ مانو۔۔۔۔۔ تمہیں تو معلوم ہے کہ وہ بہت جلدی ہے، ابھی اس کا غصہ اترے گا تو دیکھنا وہ خود سے سواری کے تھہارے گھر پہنچ جائے گی۔“ مامین کا خوش نصیبی رہی، فریہ آہنی نے کہا جسے اس کے لیے کا انتظار کیا پھر بولیں۔

”میرا خیال ہے کہ اگر مراد۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ اس اسٹوڈنٹ سحد کا رشتہ ہبک سے ملے پا جائے تو ہبک کے لیے بہت اچھا رہے گا۔ عام سے حالات میں تو میں شاید یہ بھی گوارا نہیں کرتی لیکن ہبک کی ضد کی عادت نے اسے ایک گھر چھڑوا دیا کوئی بھی مرد ایک خدی اور خود پسند عورت کا شوہر بننا پسند نہیں کرے گا۔ دے یہی اس میں ایسی خوبی نہیں ہے کوئی بھی شوہر پسند کرے۔ لیکن یہ سعد۔۔۔۔۔ وہ آدوگی سے سکرانے ہوئے بولیں۔ وہ شوہر کم اور نر کا زیادہ رہے گا اس کا لہجہ کے سامنے وہ دم نہیں مار سکتے گا ساری عمر اس کا غلام بن کر رہے گا۔ اس کی ہر جائز اور ناجائز خواہش پوری کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ یہ

”مامی پلیز سیدھی بات کرو۔ مجھے لمبی بات بھی پڑھیں رہی ہے۔“ فریہ آہنی پر ہو کر بولیں۔

”وہ پولیس افسر کوئی اور نہیں۔۔۔۔۔ حماد ہے سعد مراد۔۔۔۔۔ اسی گھر میں رہنے والا ہبک کا چچا زاد۔۔۔۔۔“ مامین دھماکا کرنے والے انداز میں بولی۔

”کیا۔۔۔۔۔؟ دونوں کو زبردست شاک لگا۔

ہبک تو بولا کہ اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی جبکہ فریہ آہنی جتنی کھولے ایک شاک کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھیں۔

”نو۔۔۔۔۔ نینر۔۔۔۔۔ مامی تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے بہت بڑی غلط فہمی۔۔۔۔۔ بھلا ایک ان پڑہ بندہ پولیس افسر کیسے بن سکتا ہے۔۔۔۔۔ اب ایسا بھی اندھیر نہیں ہے۔“ بڑی دیر بعد ہبک نے ہی بات کی۔

اس کی بات سے فریہ آہنی کو بھی لگی ہوئی کہ شاید یہ فحرج نہ ہو لیکن مامین نے سعد کی ساری کہانیاں ان کو سنائی۔۔۔۔۔ بس اس نے اس کے کچھ حصے حذف کر لیے مثلاً اس نے یہ نہیں بتایا کہ حماد اس کے کہنے پر گھر سے چلا گیا تھا اس نے اس کی کہانیاں کا صرف صحیحی حذف کر دیا جس میں حماد نے سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا جب اس نے اپنی بات ختم کی تو کمرے میں اس قدر ناشتا کھا کر سوئی بھی کرتی تو آواز آتی کہ وہ دونوں اس قدر سکتے ہیں کہ انہیں یہ بات بھضم کرنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ فریہ آہنی کا رنگ فوراً ہی اچھالی سیاہ لگنے کا تھا اور وہ اپنی پوری آنکھیں کھولے من چھاؤں سے ایک تک بولی ہوئی مامین کو دیکھ رہی تھیں جبکہ ہبک کی حالت بھی ان سے کم نہ تھی۔ دونوں کو اپنی حالت سننا لے میں کان کی وقت لگا لیکن اچانک ہی میچ بجنے لگی۔

”ختم۔۔۔۔۔ تمہاری عزائم کیسے ہوئی۔۔۔۔۔ میرے لیے یہ اسٹوڈنٹ لہانے کی میں اس شخص سے شادی کروں گی جس نے بیشمیری کی جوتیاں سیدھی کی تھیں۔

حس کی چیز جتنے کی ہو۔“ وہ معذرت کرنے ہی والی تھی کہ آئی ہوئی تھیں۔

”لیکن مامین۔۔۔۔۔ تمہیں شاید علم نہیں ہوگا کہ ہبک کی سبکری ایک ماہ کی سبکری ایک دن کی شاپنگ میں اڑا دیتی ہے۔ اس لیے انہیں اپنی جاب کا غرور ہے اور تم آسمانوں پر اڑنے لگی ہو تو پلیز تم نیچے آ جاؤ۔“ فریہ آہنی ایک مٹھی پر قبضہ لگا کر بولیں۔

دونوں ماں بیٹی جھنجھکیں تو مامین کا ان کی گفتگو سے دم گھٹنے لگا اور اسے احساس ہوا کہ سعد کیسے ان کی باتیں برداشت کرتا تھا۔۔۔۔۔ کتنا کٹھن تھا یہ سب برداشت کرتا۔ اس کا دل چاہا کہ سب چھوڑ چھاڑ یہاں سے بھاگ جائے لیکن پھر اس نے خود پر قابو پایا اور فریہ آہنی کے قریب والے صوفے پر بیٹھنے ہوئے بولی۔

”میں کالج میں بہت بڑی ہوئی تھی جس میں اس لیے جلدی نہ آئی۔“

”شاید تم یہ مڑہ بھی شانے آئی ہو کہ اس پولیس آفیسر نے مجھ کا رشتہ ہبک کے لیے لایا تھا میں وہ ہبک کی شادی اور طلاق کا سن کر بیدک گیا۔“ فریہ آہنی نے نیچکی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ وہ رشتہ موجود ہے لیکن پہلے میں آپ کو اس پولیس افسر کی اصلیت بتاؤں گی۔ پھر آپ نے فیصلہ کرنا ہے کہ آپ اس کو اپنا داماد اور ہبک اسے اپنا شوہر بناتی بھی ہے یا نہیں۔“ اس نے وضاحت سے کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟“ فریہ آہنی نے حیرت سے اسے دیکھا جبکہ ہبک بھی حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

”جب میں اس بندے سعد کا رشتہ ہبک کے لیے لائی تھی تو مجھے بھی اس کی اصلیت کا علم تھا لیکن اب جو بات میرے علم میں آئی ہے ضروری ہے کہ آپ کے علم میں بھی لائی جائے۔“ مامین نے قدرے توقف سے بات شروع کی اور بیٹھتی سے بولی۔

زندگی بہت اچھی گزرے گی لیکن آپ میری نیچر کو جانتی ہیں میں خود فرض نہیں ہوں یہ رشتہ میں نے پہلے ہبک کے لیے پسند کیا تھا اگر آپ اجازت دیں تو میں ہبک اور فریہ آہنی کو ساری حقیقت بتا دوں اگر ہبک اور فریہ آہنی سعد کی حقیقت جاننے کے بعد اس رشتے کو قبول کرتی ہیں تو پہلا حق اس کا ہے یعنی ہبک کا۔“ مامین دھمے لہجے میں بولی۔

”تو یہ کیا اول قول بول رہی ہے۔ سعد تو کبھی ہبک کے ساتھ شادی کے لیے کہا نہ نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ جن لوگوں نے اس کے ساتھ اپنی زاریاں کیں اس پر اسے ظلم ہے ایک نوکر سے بھی کم حیثیت دی کیا وہ اس سے شادی کے لیے مان جائے گا۔“ ماں نے حیرت سے اسے دیکھا اور گڑ بڑا کر بولیں۔

”گر وہ مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو میری یہ بات اسے مانی پڑے گی۔“ مامین آہستہ سے بولی۔

اماں چپ کی چپ رہ گئیں جبکہ مزید سوچے سمجھے بغیر وہ بھی بیٹھی گئی ویسے ہی ہبک کے گھر جانے کے لیے کھڑی ہو گئی اس نے ہبک سے جانے کی اجازت بھی مانگی اور ماں نے بھی اسے نہیں روکا اس صورت حال سے اماں بھی تنگ آ چکی تھیں اور ویسے بھی وہ اب مامین کو اسے گھر کا رشتہ جانتی تھیں۔ مامین نے گھر میں داخل ہو کر سلام کیا تو ہبک اور فریہ آہنی دونوں نے بیک وقت دروازے کی طرف دیکھا اور دونوں مامین کو دیکھ کر چوک گئیں۔

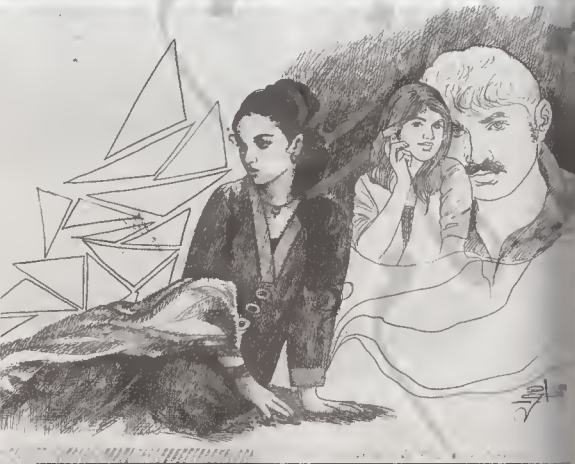
”آؤ، آؤ مامین، شکر ہے تمہاری شکل دیکھنے کوئی کتنا وقت ہو گیا تمہیں یہاں آئے ہوئے نہیں چھ اعزاز ہے؟“ فریہ آہنی نے ریموٹ سے ٹی وی کی آواز کم کی اور بولیں۔

”مامی۔۔۔۔۔ تم نے مجھے بہت پاپس کیا ہے، میں تو تمہیں بہت اچھا سمجھتی تھی لیکن تم تو ٹیکساز بن کر آسمانوں پر اڑنے لگی ہو۔۔۔۔۔ شاید تم خود کو بڑی توپ

سب ازبائے لہجہ

عقیدت

سارے کرے میں پھیلے طلسم و کجواب کے
کپڑے یکدم سفید کر دے لٹھے میں بدل گئے، ہر
طرف کا فوری خوشبو پھیل گئی۔ ہنسنے سہرا تے چہرے
جیسے آنسوؤں سے بھیک گئے، اس نے دھندلائی ہوئی
آنکھوں سے باتیں کرتی آبا اور بھابی کی طرف دیکھا
اور سر جھکا کر حلق میں انکسائیں پانی پینے کی کوشش
کی۔ جھکی جھکی پلکیں جھپک جھپک کر اس نے آنکھوں
میں امدت ہوئے آنسو پینے کی کوشش کی بھراس کو ایسا



اٹھ کھڑی ہوئی اور فریاد آہنی کی کوئی دوسری بات سے
بغیر وہ تیزی سے ان کے کمرے سے باہر نکل آئی۔
اماں اسی طرح بیٹھی تھیں جیسے وہ انہیں چھوڑ گئی
تھی۔ وہ خاموشی سے اماں کے پاس آکر بیٹھ گئی۔
”کیا بات ہے؟“ اماں نے سوالیہ نظروں سے
اسے دیکھا۔

”اماں!“ وہ قدرے خاموش رہی پھر دھیمے
لہجے میں بولی۔ ”اماں، آپ سعد کو ہاں کر دیں۔“
”کیا؟“ اماں پہلے تو چونک کر بڑی سی لیکن
جب ساری بات سمجھ گئی تو بڑی آسودہ سی مسکراہٹ
ان کے چہرے پر پھیل گئی۔ اپنی اس سادہ اور خوب
صورت دل والی بیٹی سے اماں کو بہت پیار تھا اور وہ

چاہتی تھیں کہ اسے اچھا گھرا لے اور ایسا قدردان
جیون ساسی ملے جو ہمیشہ اسے اس کی خوبیوں کی بنا پر
جاہتا رہے سعد کا رشتہ یقیناً ایسا رشتہ تھا جس پر وہ آنکھ
بند کر کے اظہار کر سکتی تھیں۔ خوشی کے مارے ان کے
ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے اور وہ جلد سے جلد یہ خوش
خبری ماہین کے ابا کو سنانا چاہتی تھیں لیکن وہ کسی
دوست کی عیادت کے لیے گئے ہوئے تھے۔ کمرے

میں جاتی ماہین کو آج اپنا شہر چھوڑ چکا تھا۔
اسے ایک عجیب سی شہر شادی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ
سوچ رہی تھی کہ کیا واقعی دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔
سعد کا سراپا بار بار اس کی نگاہوں کے سامنے آ رہا تھا۔
ایک عجیب سا خوش کن احساس ہو رہا تھا اسے باہر سے
گنگناہنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اماں جب بھی
بہت خوش ہوئیں تو کوئی برانا گانا گنگنا یا کرتھیں۔

اماں کو خوش دیکھ کر ماہین کے ہوتوں پر بڑی
پرسکون مسکراہٹ دوڑائی۔ واقعی جو لوگ کسی کے ساتھ
برائیاں کرتے خدا بھی ان کے ساتھ برائیاں کرتا
ہے۔ اچھا کی اصل راہ اچھا ہی ملا کرتا ہے۔

رشتہ ہمیک کے لیے جتنا مناسب ہے شاید اتنا کوئی اور
رشتہ مناسب نہیں ہوگا۔ وہ دم بخود..... ہکا بکا فریاد
آہنی کا منہ تک رہی تھی جبکہ فریاد آہنی کہہ رہی تھیں۔
”ابھی..... بس تم یہ رشتہ اوکے کرو۔ میں
ہمیک کو سمجھاتی ہوں۔ یقیناً وہ میرے سمجھانے سے سمجھ
جائے گی۔ وہ نہیں سمجھتی کہ عورت کے لیے شوہر کے نام
کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔ سعد نام کے شوہر کی آڑ میں وہ
اپنی تمام حدیں پوری کر سکتی ہے۔ اپنے طریقے سے
اپنی زندگی گزار سکتی ہے۔ وہ بے چارہ لوگوں کی
نظروں میں تو اس کا شوہر ہوگا ورنہ وہ دو کوڑی کا بندہ
اس کا نوکر رہے گا جیسے پہلے تھا۔“

ماہین کے تلوے پر ہلکی اور سر پر جمی۔ وہ حیرت
اور دکھ سے اس خود غرض عورت کو دیکھ رہی تھی۔ یکدم
حماد کا مظلوم چہرہ اس کے سامنے آ گیا۔ اس کی گھٹیا کی
صورت اس کی نظروں کے سامنے پھرنے لگی۔ پھر
اچانک قلم کے سین کی طرح دوسرے سین میں
حماد نے سعد کا روپ دھار لیا۔ ایک خود اعتماد اور خور
پولیس افسر وہ جیسے خود سے کہنے لگی۔

”تو کیا میں سعد کو دوبارہ حماد بنا دوں..... کہ وہ
دوبارہ ہمیک کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا رہے اور
اس کی جڑیاں سیدھی کرتا ہے۔ نہیں.....“ اس نے
نفی میں ہلائے ہوئے خود گلائی کی۔ ”نہیں میں ایسا
کبھی نہیں کروں گی۔“

”کیا وہ مانی..... تو کچھ کہہ رہی ہو؟“ فریاد
آہنی جو اس کے چہرے کی کشش کو غور سے دیکھ رہی
تھیں پوچھنے لگیں۔

”آہنی..... یہ یاد رکھیں کہ میں سعد کو حماد نہیں
بننے دوں گی..... میں اس کے ساتھ مزید زیادتی نہیں
ہونے دوں گی۔ اس نے آپ کے بہت تم سے
ہیں۔ اب اس کو اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کا حق
ہے اور میں اسے یہ حق دوں گی۔“ یہ کہتے ہوئے ماہین

لگنے لگا اب اگر چندے لے بھی وہ اس ماحول میں بیٹھی رہی تو اس کی سانس بند ہو جائے گی..... یکدم وہ فیصلہ کن انداز میں کھڑی ہو گئی۔
 ”کہاں جا رہی ہو؟“ آپا نے خطرناک حد تک سفید پڑتے اس کے چہرے پر پتھری سی ٹکا ڈالتے ہوئے پوچھا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

☆☆☆

میں سارہ امتیاز علی، دو بڑے بہن، بیٹھیاؤں کی چھوٹی بہن، اماں مجھ سے کب چھٹیں مجھے یاد نہیں، ہاں اتنا ضرور یاد ہے کہ میری اماں کے بال بہت لمبے تھے، لمبے سیاہ، گھنے بال اور اپنی اماں کی یہ واحد نشانی میرے پاس رہی..... اب جو کچھ معاملات سے ہمیشہ لائق رہتے تھے، میرے لیے وہ اماں اور ابا دونوں بن گئے۔ ماں کی محرومی کو محسوس کرنے سے پہلے میں ابا کی پُر شفقت محبت میں ڈوب گئی..... اور ابا..... ابھی تو بہت جلدی ہاں گئے، وہ برسات کی ایک اندھیری رات تھی، جب ابا کے سینے میں شدید درد اٹھا اور ابا دوسری شدت برداشت نہیں کر سکتے۔ میں کچھ کڑی کی کڑی مہم چھڑی اور اپنے دو بڑے نقصانات کے گھٹنے چب کے لگا دی پھر یہ چپ بڑی آپا ہم اور بڑے سلیم کی محبتوں پر ٹوٹی، واقعی سبر الہی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب تمہارے پیارے بچے تجھے ملے تو ہم کو کبیر دیتے ہیں ورنہ تمہارے بچے چھٹ جائیں..... اور میں بھی کچھ بھول بھال کر گئی ہوگی..... اماں اور پھر ابا کے بعد گھر، گھر نہیں رہا مکان بن گیا اور پھر سب کو فکر لاحق ہو گئی اس مکان کو گھر بنانے کی، سو بڑے چچا کی شائستہ بائی بھائی بن کر ہمارے گھر آ گئیں اور بدلے میں بڑی آپا بڑے چچا کے بیٹے اختر سے بیاد دی گئیں یوں ہمارا مکان پھر سے گھر بن گیا پھر آج رات سوچتی ہوں گھر بچھ لگایا۔

شائستہ بھائی، ہمیں کل رات تک ان کے ساتھ ساتھ

سارے گھر پر چھائیں مجھے تو رنگین کپڑوں اور خوب صورت زیورات سے سچی بھائی بہت ہی اچھی لگی تھیں۔ میں اسکول سے آکر بھائی کے سارے چھوٹے موٹے کام اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے کرتی..... حتیٰ کہ بھائی کے جو تھکے بھی اٹھا کر ان کے بیروں کے پاس لاکر رکھتی میں ماں باپ کی محبتوں کی تری ہوئی محبت اور علوی میں تیزی نہ کر سکی۔

وقت پر لگا کر آؤ..... کب کھلوئے سینہ کر الماری میں رکھ دیے گئے تھے تو پتا ہی نہیں چلا ہاں اس ضرور ہوا کہ اس تمام عرصے میں ہماری اور بھائی کے آگے میں چار پچھلے لگے اور میں.....

☆☆☆

”یا اللہ سارہ تم کیا آپا یا ہوا بچوں کی حور مات دن ان کی خدمتوں میں گئی رہتی ہو اور تمہاری بھائی اور کہاں ہیں؟“ وہ ہو گئی تم سے تو..... ”نرس نے سارہ کو رشتا کو نہ ملائے دیکھ کر کہا۔

”لو اس میں ملنا مہد ہونے والی کون سی بات ہے، رہ مشامیری بھی ہے میرے بھائی کی بیٹی، میرے بھائی جو میرے لیے باپ جیسے ہیں اور جو میں نے خیاں نہیں رکھوں گی کون رکھے گا؟“ سارہ نے رشتہ کے بدن کو تو لیا ہے پوچھتے ہوئے تنگی میرے انداز میں نرس کو ٹوکا۔

”تم ہی نے اپنا بھائی اور بھائی نامہ تو بند کر رکھا ارے میری بھوتی دوست بھائی، بھائی ہوتا ہے اور باپ باپ تمہارے سلیم بھائی تمہارے صرف بھائی ہیں ہاں باپ وہ اپنی بچیوں کے ہیں اور یہ فرق واضح نظر آتا ہے۔“ ایک تمہاری آنکھوں میں کالا پانی اتر آ رہا ہے تو میں کیا کر دوں لیکن ایک دن تم کو اندازہ ہو گا میں ٹھیک کہتی تھی.....“

”ابھی تھی..... اس کا مطلب ہے تم جلد ہی مرنے والی ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہارے نرس کی

جس میں کاشٹے ہوئے مزاج انداز میں کہا۔
 ”بکواس بند کرو، بڑی آئیں رینگلا کی من..... یہ بتاؤ ملکہ اگر تجھ کو سارے شائستہ بھائی کی رہی یاد بہاری تم پر سارے گھر کی ذمہ داری ڈال آج صبح سے کہاں روانہ ہو گئی ہے.....“ نرس نے حمام سے تخت پر لیٹتے ہوئے سارہ کو جلدانے والے از میں پوچھا۔

”بھائی! آج بڑی آپا کی طرف مٹی ہیں.....“
 ارہ نے جواب دیا۔
 ”تو یہ کیوں ناچی اماں کے گھر گئی ہیں، تمہاری آپا کی بھواجی تو ہیں نا ویسے دونوں کی مٹی خوب ہے.....“ نرس نے شائستہ بھائی اور نیم آپا کے ملاتے کا تجربہ کیا۔

”ارے ہماری بھائی کی تو سب ہی سے مٹی.....“ سارہ نے.....
 ”خیر یہ تو نہ کہو، آج تمہارے گھر میں ساس دل کا جھگڑا ہوتا تو پوچھتی تمہاری بیوی بھائی کتنی رہی ہیں، یہاں تو خالی میدان ان کو مل گیا تو وہ ابھی نہیں گئی.....“ نرس کو نہ جانے کیوں سارہ کی سادہ سی باتیں.....
 ”نرس کی ہمتاؤ آ رہا تھا۔ نرس، سارہ کی بچپن کی دوست کی نرس اور سارہ کے گھر کی دیوار پر لگی ہوئی تصویر اس جتنی بھی کہ سارہ ایک سادہ مزاج نیک اور نرم کردار کی ہے وہ اپنے بھائی سے اس قدر محبت کرتی کہ اس کو ان کی زیادتی بھی زیادتی نہیں لگتی۔

سارہ تمام دن گھر اور گھر داری میں الجھی رہتی شائستہ بھائی وہ دنیا پر سب سے بڑا کام کر لیا تھا گائے کو کلوں کے تیل کی طرح کام میں لگائے۔ گھر کا ماحول واقعی تو یہ نہیں تھا سب ہی کچھ ہوتا اس سارہ کے معاملے میں سلیم بھائی نہ جانے کیوں ہی خیالات رکھنے والے بن جاتے۔ اس قدر کی مٹی نرس نے اپنی خود مہاجر کی کسی قبر پر دلی چاہ

رہا تھا کہ میٹرک میں A+ گریڈ لینے کے بعد وہ کالج میں داخلے لیکن اس کالج میں پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔
 ”آج کل کالجوں میں پڑھائی تو ہوتی نہیں، وہاں جا کر لکڑیاں اور گڑ جاتی ہیں ویسے بھی لڑکیوں کو پڑھ کر کرنا کیا ہے چلو، ہانڈی تو بس کرتی رہو.....“ نرس تلکارہ کی سلیم بھائی کے فرمودات پر اور سارہ..... سارہ تو تھی ہی میری دلکش بکیر..... اور نہ جانے وہ کون سا رشتہ تھا یا دوست احباب کا اسرار کہ سلیم بھائی نے اس کو پرائیوٹ امتحان دینے کی اجازت دے دی لیکن وہ پرائیوٹ بھی نہیں پڑھ سکے گھر کے کاموں سے اس کو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ کتابیں لے کر بیٹھے۔ کوئی اس سے آگے نہ جھٹکا کہ سوال کرتا تو وہ اطمینان سے کہتی، بھائی چاہے تو چاہے ہیں میں پڑھوں لیکن مجھے نا تم ہی نہیں ملتا اور اب تو میرا دل ہی نہیں لگتا کتابوں میں..... اور جس نے بچپن سے اس کا لڑپٹی میں اور میٹرک میں A+ گریڈ لیا ہو تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کتابوں میں دل ہی نہ لگتا ہو..... لیکن ہر بات کہنے کی تو نہیں ہوتی نا.....

”یا اللہ! علامہ بنی کیسا سوچے چلی جا رہی ہو؟“ سارہ نے قسم قسم سے نرس کا شانہ بلبایا اور باور پئی خانہ میں چلو تمہارے لیے جانے بناتی ہوں۔“ سارہ نے جیسے ہوئے نرس کو بازو پر کھڑکڑا لیا۔
 ”ہاں، ہاں کچھ میں چلوں کچھ میری چائے کا تو بہانہ ہے اصل میں تم کو روٹیاں چھوٹی ہیں، ہے نا؟“ نرس، سارہ کے پیچھے پیچھے بڑے بڑے چلی آ رہی تھی اور سارہ اس کی محبتوں پر بڑے مسکراتی رہی۔

☆☆☆

”خیر تم کب آئے؟“ اور یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟“ سلیم نے آکر ماجد سے ذرا تیر لے میں پوچھا۔ بیوی کی بات سارہ سے باجبت کر رہا تھا۔

”بھابی رونی ڈال دوں.....؟“ سارہ نے سوچوں میں غرق شدہ حال میں واپس کھینچ لیا۔

”ہاں۔ ہاں۔“ شائستہ غلاموں کی طرح کھڑی سارہ کو دیکھ کر بولی۔ ”تم بھی سوچتی ہوگی میری بہن کہ بھابی نے ساری ذلت داری مجھ پر ڈالی ہوئی ہے کہا کر دل تم انے ایسی عادت لگا ڈی ہے کہ کوئی کام

”نظم سولہ گے اور نہ ظلم ظلم کروں گی مجھیں
”نفس نے سارہ کی بات سچ میں سے اچک کر کہا۔
”خیر ظلم تو نہیں ہو یا میرے ساتھ، وہ میرے
”عاقی ہیں، میرے ابا کی طرح ہیں، وہ جو بات بھی

☆☆☆
ساری زندگی گزر گئی میری ان تین کونوں میں،
میں کسی خوب صورت تھی اور دل گئی، آج تک کھبت

”کیوں؟ ان کو کیوں غصہ آگیا.....؟“ نرگس حیران ہوئی۔

کرنا بھی چاہوں تو نہیں ہوتا۔“ شائستہ نے مکاری سے مسکراتے ہوئے ہمیشہ سے محکوم سارہ سے کہا۔
 ”کوئی بات نہیں بھابی آپ کام کریں یا میں ایک ہی بات ہے۔“ سارہ سادگی سے کہتے ہوئے پلٹ گئی۔ اب کون اس کو بتائے یہ ایک ہی بات نہیں ہے۔

☆☆☆

تائی اماں کی آمد آج کل کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی کہ ساجد نے ہاؤس جاب مکمل کر کے اپنا ذاتی کلینک کھول لیا تھا۔ گزشتہ دو دہائیوں میں تایا مجید کے گھر والوں کو اللہ نے بہت نوازا اور وہ ناظم آباد سے کشمیر روڈ منتقل ہو گئے۔ گھر میں گاڑیاں آگئیں، روپے پیسے کی ریل پیل ہو گئی۔ اللہ جب نوازے پر آتا ہے تو مٹی بھی سونا بن جاتی ہے اور یہی تایا مجید کے گھر والوں کے ساتھ ہوا لیکن بے پناہ پیسہ آنے کے باوجود ان کے مزاج وہی عاجزانہ رہے بلکہ کہتے ہیں نا پھل دار درخت ہمیشہ جھکے رہتے ہیں تو یہ مثل تائی زلیخا اور تایا مجید کے سارے گھر والوں پر صادق آتی ہے اور چونکہ گئے وقتوں میں سارہ کو انہوں نے ساجد کے لیے مانگا تھا تو وہ آج بھی اپنی بات پر قائم تھے لیکن صرف ان کے قائم رہنے سے کیا ہوتا ہے۔

سلیم ہمیشہ سے ضدی، خود سر اور کچے کانوں کا تھا، ماں باپ کی جلدی موت نے اس کو گھر کا سربراہ بنا دیا اور اس کی ڈور شائستہ جیسی ”میٹھی چھری“ کے ہاتھوں میں آ گئی۔ ہاتھ میں ڈگڈگی لے کر سلیم کو نچانے کا فن شائستہ کو آتا تھا اور اکثر وہ اپنے فن کا مظاہرہ بھی کرتی تھی۔

”آج تائی زلیخا آئی تھیں سارہ اور ساجد کے رشتے کے لیے۔ میں تو حیران رہ گئی سارہ اور ساجد کا کیا جوڑ کبھی ٹھنل میں بھی ٹاٹ کا پیوند لگا ہے، کہاں سارہ ایک میٹرک پاس لڑکی اور کہاں ساجد جیسا

قابل ڈاکٹر لیکن میرے اعتراض پر تائی اماں کہنے لگیں کہ جب لڑکے کو اعتراض نہیں تو ہم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے وہ بتا رہی تھیں کہ سارہ اور ساجد ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں یہ بات سن کر میں چپ کی چپ رہ گئی۔ پھر تائی اماں جلدی سے بات بنانے کو کہنے لگیں کہ ساجد بہت پسند کرتا ہے لیکن بھی جو حقیقت تھی وہ تو منہ سے نکل گئی نا۔ اتنا تو سب مل جانتے ہیں کہ تائی ایک ہاتھ سے نہیں بچتی اور اگر بچتی ہے تو دوسرے کے منہ پر طمانچہ ہی پڑتا ہے جیسے آٹھ آپ کے منہ پر پڑا۔ ہمیں تو پتا ہی نہیں چلا اور ہماری ناک کے نیچے عشق چلا رہا۔ کیا شریفوں میں اس طرح ہوتا ہے کہ لڑکیاں مجبیتیں کریں اور پھر ان کے بڑے مٹھائی کے ڈبے لے کر آجائیں..... اگر میری بیٹی اس طرح کرتی تو میں تو زندہ دفن کر دیتی اس کو، سمجھ میں نہیں آ رہا کہ سارہ کی تربیت میں کہاں غلطی رہ گئی۔ میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں کل جب دنیا والے سوال کریں گے تو کون جواب دے گا۔“ شائستہ نے سلیم کے سر میں تیل کی مالش کرتے ہوئے اس کے کان بھرے۔

”کیا مطلب، کیسی محبت..... کیسی پسندیدگی؟“ سلیم نے غصے سے پوچھا۔

”لو بھئی آپ تو آنکھوں دیکھو اندھے بن رہے ہیں وہ جو ہر اتوار کو ساجد یہاں آ کر جم جاتا ہے، وہ کیا میرے اور آپ کے لیے آتا ہے، ظاہر ہے سارہ کے لیے آتا ہے اور سارہ کو دیکھیے چاہے سارے ہفتے وہ کسی بھی جلیے میں رہے اتوار کو اس کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔ ساجد کے صدقے ہمیں بھی اچھی اچھی ڈشز کھانے کو مل جاتی ہیں۔ میں تو اس لیے چپ رہتی ہوں کہ بن ماں باپ کی لڑکی ہے، میں کون ہوتی ہوں روکنے کو کتنے والی۔“ شائستہ نے بھرائی ہوئی آواز میں بہتان تراشی کی۔

”کیا مطلب کہ تم کون ہو؟ اور اسے تم اس کی بھاج ہو، اس کے چچا کی بیٹی ہو۔“ سلیم سے بیوی کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں ہو سکے۔

”کوئی سمجھے تو بہت کچھ اور نہ سمجھے تو کچھ نہیں، یہ تو مان کا پان ہوتا ہے۔“ شائستہ نے آہ بھر کر ہونے کہا۔

”چھوڑیں اس بات کو میرا آخر تو میرے اللہ کے گھر میں ہے، تانی انجا جواب مانگ رہی ہیں۔“

شائستہ نے میاں کے چہرے سے جگہ سے جگہ زواہیوں کو مکاری سے نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”کیا جواب دوں؟“ سلیم عجیب الجھن میں گرفتار تھا، کیا طرف بچپن کا رشتہ اور دوسری طرف یہ تازیانہ کہ بہن محبت کا کھیل جیتی رہی اور وہ اس کی شادی کر کے بقول شائستہ بے غبری کا مظاہرہ کر لے۔

”بہ وہ لڑکی، وہ سارہ امتیاز علی، ایک ڈاکٹر کی بیگم بن جائے۔ 1000 گز کے جنگلے میں نوکروں کی فوج، حکمرانی کرے، یہ سب برداشت کرنے کے لیے بہہ طرف چاہے تھا اور یہ طرف کم از کم شائستہ میں نہیں تھا۔۔۔۔۔ اور اس کے بارے میں فیصلہ کرنے والا وہاں مہرہ اس کے ہاتھ میں تھا، اس کو بھلا کر بھڑکا کر اس سے اپنی مرضی کا فیصلہ کروانا کون سا مشکل تھا۔۔۔۔۔ سارہ کا بھائی تھا، باپ نہیں تھا جو بھی فیصلہ کرے وقت دس بار سوچتا، جوانی اولاد پر الزام لگاتے وقت اگر کہنے والے کا نہ نہیں تو تو تا اصل حقیقت ضرور معلوم کرتا، سب سے اہم بات یہی تھی کہ وہ سارہ کا بھائی تھا باپ نہیں۔

☆☆☆

”تمہارے بھائی تم پر تو بہت پابندیاں لگائے ہیں اور تمہاری بیٹی رشتا تو خوب ایک آپ شکیب کر کے کہیں گئی ہے۔“ نرگس نے شامی کباب خرائی کرنی سارہ سے کرارے انداز میں سوال کیا۔

”تم کیا سارا دان ہمارے گھر کی ٹوہ میں رہی رہتی ہو، ہاں، ہاں کی رہتی ہوں، بات نہ لائے گی کوشر نہیں کرو، شرافت سے میری بات کا جواب دو۔۔۔۔۔“ نرگس کے حضور خطرناک تھے۔

”کوئی خاص بات نہیں، اس کی کبلی کی برقعہ ڈسے ہے وہیں گئی ہے اور ظاہر ہے تیار ہو کر بھی جائے گی۔“ سارہ اس کی دوست بہت مالدار ہے، فیض میں رہتی ہے اس نے اپنا ڈرائیور بھیجا تھا۔۔۔۔۔ سارہ نے آخری کباب خرائی کر کے چوٹا بند کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا تو ان کا ڈرائیور سوٹ پہنتا ہے اور ڈرائیور کے ساتھ فرخت سیٹ پر بیٹھ کر جایا جاتا ہے، نرگس کو کب عقل آئے گی سارہ۔ اس گھر میں دو قانون چلتے ہیں تمہارے لیے کچھ اور اپنے لیے کچھ اور۔۔۔۔۔

اسے ان ہی بھائی کی بیٹی ہے، تاجنوں نے اپنے تازا اور سادہ گھر میں آنے سے منع کر دیا کیونکہ اپنے گھر کی عزت بہت بھاری ہے اور بقول ان مارتے کا ہاتھ پکڑ سکتے ہیں لیکن کسی کی زبان نہیں لی جاسکتی اور آج ان کی جوان بیٹی ج سنوار کر کسی لکے کے ساتھ ایک کنڈیشنڈ گاڑی میں گھر کے ملا سے سفر تھیں بیٹھ کر گئی، شتاب ان کو تیار ہادی بھاری بھابی کو خال نہیں کر لوگ دیکھیں تو تو اس سوچیں گے۔۔۔۔۔ حد ہو گئی زیادتی کی یہاں تو۔۔۔۔۔

س نے نہ جانے کیا کیا بولے جا رہی تھی لیکن سارہ تو یہ زندگی میں پہلی بار یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ اس واقعی اس گھر میں دو قانون تو نہیں چلتے، نہیں لی ایسا تو نہیں ہے۔

☆☆☆

”برائمتی تو ہوا میں، جس کا دل جا ہے مجھ سے ملے روز نہ اپنے گھر یا کھیتھے، ہم شریف لوگ ہیں ہمارے ہاں بیعتوں کی شادیاں نہیں ہوتیں۔ میں کس کی زبان پکڑوں گا۔ مارتے کا ہاتھ پکڑا جاسکتا ہے لیکن بولنے کی زبان کون پکڑے۔ میں تھک گیا ہوں لوگ کہیں کے کہ سلیم علی کی بہن نے عشق لڑا کر شادی کی جنمیں میں ایک لفظ برداشت نہیں کر سکتا جلد اس شخص کے لیے رشتہ ڈھونڈو اور وفان کرو آج ف اس کی وجہ سے میں نے اتنی بات برداشت کی۔“ تانی ڈینگا پاپس ہو کر جا چکی تھیں اور سلیم اپنے کمرے میں کپڑا پھینچ رہا تھا اور گھر کے آنگن میں گھڑی ہو سوچ رہی تھی۔

”یا اللہ لفظ نہیں یا آ رہے۔ کیا کبھی کوئی اس کی پھری سے بھی ذبح کرتا ہے، یہ میرے بھائی کا میرے باپ کی جگہ ہیں، یہ مجھ سے بدگمان کیسے گئے۔ کیا تعقل اور رشتے اتنی جلد ہی بدگمان ہو سکتے۔ ان کو بکایا گیا اور یہ بیک گئے، مجھ پر الزام

لگے اور انہوں نے مجھے مجرم ٹھہرا دیا۔ تانی ڈینگا کی غلطی کیا تھی۔ انہوں نے صرف یہی تو کہا تھا کہ سارہ، سادہ کی بچپن کی مانگ ہے اور ہم سب کی اور سادہ کی یہ خواہش ہے کہ اب شادی ہو جائی چاہیے۔ اس تمام گفتگو میں محبت، شوق، آوارگی کہاں سے آگئی۔ وہ کون تھا جس نے پا کیز کی گوندگی میں بدل دیا۔۔۔۔۔

میری ساری ریاہت، محنت اور محبت ملی بھر میں اکارت ہو گئی، میں نے تو ساری زندگی یہی نہیں سوچا کہ میں کیا جا ہوتی ہوں، کیا تھا اگر بھائی جان کہتے کہ میں یہ شادی نہیں کر سکتا کیا مجھے یہ رشتہ منظور نہیں، تو کیا میں بغاوت کرتی! نہیں، میں بغاوت کر ہی نہیں سکتی اور بیٹیاں بھی باپ کے فیصلوں پر بغاوت تو ہی کرتی ہیں، محبت اور عزت میں میری ترجیح عزت ہوتی لیکن اب نہ تو مجھے میری محبت لی اور عزت بھی خاک میں مل گئی۔“ آنسو سارہ کا چہرہ بھگوئے رہے اور وہ شہنشاہی سردرات میں گئے سرخاوش صحن میں بیٹھی رہی۔ اس بات سے بے خبر کہ سارہ گھر کا لڑکھنوں میں دیکھ کر ہی خندہ سورا تھا۔

☆☆☆

بہت جلد سارہ نے باہل کی دینر پار کر کے شوہر کے صحن میں قدم رکھا۔ سارہ کا شوہر شیخ الدین جو ایک اسکول کے تخر ہونے کے ساتھ ساتھ چھ مہینے بھائیوں اور ایک بڑی ماں کا دواہر سہارا تھا۔

نرگس نے اسے بے چھوڑ رشتے پر جب کچھ کہنا چاہا تو سارہ نے بے شکہ کہ اس کو خاموش کر دیا کہ اس کے گھر والے خوش ہیں جب اس کی بڑی بہن بیٹی ڈھول پیٹ رہی ہے اور اس کا بھائی لوگوں میں کارڈ بانٹ رہا ہے تو نرگس کو کوئی حق نہیں کہ اس کے لیے کسی سے سوال کرے کہ زندگی میں کچھ سوال انسان اپنے ساتھ قبر میں لے جاتا ہے۔ سارہ نے خاموشی کی چادر اوڑھ لی۔۔۔۔۔ اس کو اپنے بھائی سے کوئی شکایت نہیں تھی

جہاں آئے کوئی ہے

شعبہ



”کس قدر دور کے پھلکے سے دن رات ہیں اور
روشن لائف نہ کوئی تبدیلی نہ کوئی رنگ ندول میں
پرانے ساز و سامان کی طرح دل بھی رنگ
ہو گیا ہے۔ کتنا اچھا تھا اس گھر میں وہ زمانہ جب
اس آئینہ میں دلہن بن کر اترتی تھی۔ سب کی
بہت خوش ہیں۔ انہوں نے تو بھی صاف کہہ دیا
کہ اگر میری بیٹی کی خوشی اسی میں ہے تو میں بھی
خوش ہوں، کسی کو بھی اعتراض کرنے کا حق نہیں
اکر کوئی کچھ کہے گا تو میں خود جواب دوں گا، میری
لاوارث نہیں ہے اس کا باپ ابھی زندہ ہے اور
شائستہ جانے کیا کیا بولے جا رہی ہیں لیکن سارہ
کان تو جیسے سائیں سائیں کر رہے تھے لیکن اس
جاں طرف جیسے ایک جملہ قص کر رہا تھا۔“ اس
باپ ابھی زندہ ہے۔۔۔۔۔ باپ ابھی زندہ ہے۔“
”جی میں کیا پوچھ رہی ہوں، کہاں جا
ہو۔“ آپ سیم نے ذرا تیز آواز میں حق دق کھڑی
بھائی سارہ سے دو بارہ پوچھا۔
”اور بھی تم کوئی دقیقہ تو سہیے وقف ماں باپ تو
ہیں نہیں کہ اپنی بیٹیوں کو شادی کے نام پر مسائل کے
سپردہ کر دیں، یہ اصرار دشا کی سبکیا کا بھائی ہے اور جب
میں نے اس کی پندہ نیگی رمشا میں محسوس کی تو بھی لڑکا
اچھا تھا میں نے خود جان بوجھ کر مواقع دیے تاکہ اندر
اسٹینڈنگ ہو رہے، مگر خود سوچو ہمارے گھر میں اتنے
بڑے گھر سے رشتہ بغیر کی پلاننگ کے کیسے آسکتا ہے۔“
شائستہ تو اپنے آپ کو نوبل انعام کا حقدار سمجھ رہی تھیں۔

کراس کا اپنے بھائی سے بہت محبت تھی اور محبت کوئی
کبھی کی چوٹ تھوڑا ہی ہوتی ہے کہ چند لمحوں کی
تکلیف ہوئی اور بس ختم۔۔۔۔۔ محبت تو محبت ہوتی ہے اور
سلیم تو بھائی ہونے کے ساتھ اس کا باپ بھی تو تھا۔۔۔۔۔
لیکن کیا واقعی سارہ، سلیم کی بیٹی تھی یا بیٹی کسی تھی۔

☆☆☆

ارے، میں تم لوگوں کو کیا بتاؤں بہت ہی بڑے
لوگ ہیں، بہت مالدار لڑکا، ایم بی اے کرنے امریکا
جا رہا ہے، ہماری رمشا نے تو تم جانتی ہو۔۔۔۔۔ انقب اسے
کے بعد پڑھ کر بھی نہ دیا۔ کتنا سچا بہتار ہے بھائی نے
لیکن وہ نہ مانی اور دیکھو نصیب میں اللہ نے کیا قاتل
لڑکا رکھا ہے، لو بات کہاں چلی گئی ہاں تو میں جا رہی تھی
بہت مالدار لوگ ہیں، اب ہم نے تو جیسے پیسے زندگی
کڑا رہی، تم آدم ہمارے بچے تو پیش کریں، مجھے اب
وہ دور نہیں رہا کہ جہاں ماں باپ نے چاہا شادی
کردی۔ میں نے تو رمشا کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ
کوئی اچھا لڑکا نظر آئے تو گھیر لو۔۔۔۔۔ شائستہ بڑے
جوش و خروش سے سیم آپا کو بتا رہی تھیں کہ رمشا کا نکاح
اس کی سبکیا کے بھائی سے طے ہوا تھا سو اسی سلسلے میں
سیم اور سارہ دونوں بیٹیاں آئی ہوئی تھیں۔ آپ سیم اور
شائستہ تو حسب عادت باتوں میں مشغول تھیں اور سارہ
سر جھکا کر تعییلوں میں جوڑے بیک کر رہی تھی۔

”اور بھی تم کوئی دقیقہ تو سہیے وقف ماں باپ تو
ہیں نہیں کہ اپنی بیٹیوں کو شادی کے نام پر مسائل کے
سپردہ کر دیں، یہ اصرار دشا کی سبکیا کا بھائی ہے اور جب
میں نے اس کی پندہ نیگی رمشا میں محسوس کی تو بھی لڑکا
اچھا تھا میں نے خود جان بوجھ کر مواقع دیے تاکہ اندر
اسٹینڈنگ ہو رہے، مگر خود سوچو ہمارے گھر میں اتنے
بڑے گھر سے رشتہ بغیر کی پلاننگ کے کیسے آسکتا ہے۔“
شائستہ تو اپنے آپ کو نوبل انعام کا حقدار سمجھ رہی تھیں۔

دل کو سنبھالوں کیسے

زندگی کی الجھنوں میں کچھ مصروف تھا جام
سوتم ناراض ہو گئی تھیں
مجھ سے روٹھ کے تم، اسلام آباد چل دی تھیں
میں نے دل میں سوچا تھا
دوسری فلائٹ سے میں بھی، تمہارے پاس
جاؤں گا
تھیں حیران کروں گا
بے حد پیار سے جام، تم کو ہلڈ مٹا لوں گا
لو، آگیا ہوں اب میں بھی.....
لیکن!
یہ طاقت تو جام
آنسوؤں میں ڈوبی ہے
موت کا سیاہ چہرہ ہر اک جانب لڑواں ہے
جہاز کے ٹکڑے ہو گئے ہیں انسانی اعضا
کھڑے ہیں
میرے پیار کا تختہ
تمہارے آگے کھٹکٹ.....
اک جھاڑی میں اٹکا ہے
شاعر: شگفتہ شقیں، کراچی

اپنا خیال رکھا کرو۔ کسی شہزادوں جیسی آن بان تھی
تمہاری۔ خوب صورت تو خدا نے تمہیں ہے حساب دی
ہے مگر ٹوک پلک اور کانت چھانت کی ضرورت تو
پودوں تک کو ہوتی ہے۔ خود کو سنبھالو اور رکھا کرو۔

”اماں بی بہت شکر ہے۔ آپ گریٹ ہیں اماں بی
کون کہتا ہے کہ ساس ہمیشہ بری ہی ہوتی ہے۔“
”ہوئی..... دل زیادہ سمجھن نہ لگاؤ، تمہیں تو
.....“

ایک بچی کی پیدائش نے ہی پوٹھلا کر رکھ دیا ہے۔
میں تو ابھی تک اتنا دم نہم باقی ہے کہ خوش خوشی
پوتے پوتیاں پال سکتی ہوں۔ اب جاؤ اور کوشش کرو
کہ جلدی واپسی ہو۔“
”جی اماں بی.....“ پاور جانے کے لیے علی نے
”تم اور اجازت تو وہ پہلے ہی لے چکی تھی۔ پوری طرح
تیار ہو کر اس نے موٹیل چار جنگ سے نکالا ایک مہر
رکھنا یہ جانتی تھی کہ بیٹج کی کمپ ہوگی۔ مہر
والوں کا تعلق تھا آپ اس ریٹ پر فون جیٹ کر سکتے
ہیں اور نئے دوست بنا سکتے ہیں۔ غیر ارادی طور پر
رانیہ نے بیٹج کا Reply کر دیا۔ اب وہ چیٹ روم
میں آخر ہو چکی تھی۔ اس نے اپنا تک آنی ڈی مسیج کے
نام سے بنایا۔ اچانک ہی اسے اس مصروفیت
لطف آئے لگا تقریباً آدھا پوتا گھنٹا بات کرتے رہے
کے بعد اس نے کراچی سے ایک فریڈ ڈیانت کر لیا۔
”چلو اچھا ہے، بندہ دور ہے۔ دیسے میری اس
ادنی فن۔“

اس کا نام سرفراز تھا۔ ایک ملٹی پھیل سٹی میں
جائے کرتا تھا۔ تین بھائی اور ایک بہن تھی۔ 35
کے لگ بھگ اور غیر شادی شدہ تھا۔ شادی سے اسے
چڑھتی جانے کیوں..... رانیہ آدھے گھنٹے میں ہی
سب معلومات حاصل کر چکی تھی۔ اس نے اپنے
بارے میں سرفراز کو بتایا کہ وہ کسی غیر شادی شدہ
اور ٹوکر کی کڑی ہے۔ یہ ابتدائی جھوٹ تھا جس کی بنیاد
پر اسے ایک پوری عمارت کھڑی کرنا تھی، یہ وہ ٹوکر
جانتی تھی۔ وہ اسے ایک گیم سمجھ کر کھیل رہی تھی۔
ضروری کام کا کہہ کر وہ سائن آف ہو گئی۔
رفیقہ رقتہ بات کرنے کا دورانیہ بڑھتا گیا۔ رانیہ
کا گھر، بچی، شوہر سب نظر انداز ہو رہے تھے۔ سوائے
اس کی اپنی ذات کے وہ پہلے سے بہت زیادہ

دل رکھنے لگی تھی۔ بہت خوش اور مسرور رہتی۔ روز
دو گھر پر جاری تھی۔ علی پہلے پہل تو اس خوشگوار
ہی رہی پر بہت خوش ہوا۔ پھر اسے کچھ عجیب سا لگنے
لگا۔ رانیہ اپنی خود پرستی میں ہانیہ کا بھی خیال نہیں رکھ
تی تھی۔ وہ روز روز کھڑدی اور چڑچڑی ہوتی جاری
رہی۔ علی کو اس درجہ بے پروائی سے کچھ شک تو ہوئی
مگر اس نے اپنی اس سوچ کو جھگڑ دیا۔ اس کے شک
کی پختہ کاری کو وہ اب جلی جب موڑے تلاش کرتے
ہوئے اماں کی دراز میں پھڑوں کے نیچے اسے ایک
روم بکس سیٹ ملا۔ پہلے سوچا رانیہ سے پوچھنے پھر نوہ
کی بات نے اسے پوری طرح جاسوسی پر لگ گیا۔
”رانیہ میں سوچ رہا ہوں کہ باہر لاؤن میں سوچا
کر۔ ہانیہ کے رونے سے بہت ڈر رہا ہوتا ہوں۔
ات بھرنیہ فوٹو دیتی رہتی ہے اور جگر مریہا۔“
”ٹھیک ہے علی جیسے آپ مناسب سمجھیں۔
بت تھک بھی تو جاتے ہیں سارا دن بھاگ دوڑ
میں۔“ رانیہ کا یہ جواب حسب توقع تھا سو علی کو ذرا بھی
پرانی نہیں ہوئی۔

علی کے جاتے ہی تمام رات رانیہ ہوتی اور
اون، کچھ وقت گزرا تو سرفراز نے بیٹج کے بھانے بات
کرنے پر اصرار شروع کر دیا۔ اب رانیہ پریشان
ہوئی کہ اس نے تو کہا ہے وہ غیر شادی شدہ ہے اور پھر
اپنی بھی تو رات بھر باہر جا گئی رہتی ہے۔ اس نے تل
نے طور پر ایک جھوٹ اور کھڑا۔
”سرفراز میں تم سے بات اس لیے نہیں کرتی کہ
بے بھائی کی بیٹی میرے پاس آئی ہوگی ہے۔ چھوٹی
ہی تو ہے بار بار باجھا جاتی ہے۔ اوپر سے کہ بچوں کی
سے بھائی نے اسے مجھے ہی سونپ رکھا ہے۔“
”اُس اوکے بار..... تم اپنی ہی رہو۔ میں کھٹک رہا ہوں
لہاری مشکل تو تھوڑی دیر ہی مجھ سے بات کر لیا کرو۔“
رانیہ کا بات کرنا اور کرے سے باہر لگی کی آواز

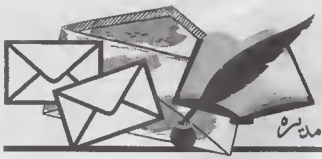
بشار آنے کو ہے

امرو

امرو دو دن بھر میں پایا جاتا ہے۔ گرمیوں،
سر دیوں میں یہ پھل سات، آٹھ ماہ تک چلا
ہے۔ قدرت نے اس پھل کو کئی قیمتی پھلوں کے
وافر غنائت اور دو منز بھرے اجڑے کالا مال
کیا ہے۔ یہ پھل کچے اور پکے ہوئے غذائی اجزا
اپنے اندر سمونے ہوتے ہے۔ کچے امرو کا
مزاج سرد رہتا ہے اور کچے ہوئے پھل کا مزاج
گرم تر ہوتا ہے۔ عہدہ اسے تین سے چار گھنٹے
کے دوران ہضم کرتا ہے، اس پھل کو ہر طرح کی
زمین پر کاشت کیا جاسکتا ہے۔ یہ غذائی لحاظ سے
بالکل ستارہ وٹامن بی سے بھر پور ہوتا ہے۔
اس کے بیجوں میں خاصی مقدار میں لوہا پایا جاتا
ہے۔ وٹامن اے کے علاوہ یہ فاسفورس اور
چونے سے لیس ہوتا ہے۔ اس پھل کا استعمال
بیشہ کھانا کھانے کے بعد مفید ہے یہ پھل قبض
سکتا ہے۔

یہ پھل خود تو باضم نہیں ہے لیکن ہانسنے کو
درست کرتا ہے۔ موسم برسات میں اس کا
استعمال عہدے میں فاسد ہونے کی زیادتی اور
قونچ کے امراض کا سبب بنتا ہے۔
ہرگز: صوفی قمر، کراچی

علی کی جاسوسی کو مزید ہوا دے رہا تھا۔ آخر کار علی نے
اپنا روتہ تبدیل کرنا شروع کر دیا۔ جس سے رانیہ بھی
ہی نہیں لگی۔ اس کی دنیا تو جیسے سرفراز سے شروع ہوتی
اور اس پر ہی ختم ہو جاتی۔ وہ ایک خواب ایک مراب کے
پیچھے اندھا دھند بھاگ رہی تھی۔
☆☆☆
”رانیہ۔“



بہنوں کی محفل

مدنہ

☆ عزیز اڑ جان جنوں السلام علیکم رحمت اللہ وبرکاتہ۔

☆ میرا سنا اس ذات کے جس نے کراہی کا عالم کو جو دنیا اور دوسلام حضرت محمد ﷺ نے دنیا میں حق کا یوں بالا کیا۔

☆ پیاری بہنو! آج مجھے بہت غصہ آ رہا ہے۔ اس لیے دل میں آپ سے شکر کرنا چاہتی ہوں۔ اپنی ایک دوست کی سالگرہ پر میں جانتی تھی کہ ایک بے رحمہ بیٹہ بیک اسے جھٹکا تھا..... اپنی ایک کنز کی ایک تقریب میں، میں نے اس کے پیٹ پر رنگ کی ساڑی بچھوائی اور اپنی ایک ترقی پزیر کیلے کے کہنے پر میں نے خود اپنے ہاتھ کی ہائی جری بنا کر دی..... مگر ان میں سے کسی نے بھی میرا شکر یہ ادا نہیں کیا۔

اور ایک نے اس اعزاز میں کیا جسے اس نے مجھ پر احسان کیا ہو۔ میرے دل میں مال کے رنگ تکتے زیادہ ہیں یہ میں آپ کو بتا سکتی تھی۔ اور ایسا ہی آپ کے ساتھ میں یقیناً ضرورتاً ہو گا کہ لوگ نے کراہیے بول جاتے ہیں..... جیسے ہم نے اُن کا قرض لوٹنا یا ہوا۔ ان کے منہ سے شکر ہے کہ ایک لفظ تک نہیں پھوٹا۔ اور آپ نے بھی یہ سوچا ہے کہ ہمارا رب کیسے ہر وقت اپنی نعمتیں عطا کرتا رہتا ہے..... تو ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور وہ ہمیں ان نعمت کی حالت میں بھی نوازتا ہی رہتا ہے۔ (بے شک اللہ رب ہے بڑا اسے) میں نے اس کے کتنے لوگ ایسے ہیں جو ہر وقت یا انچوں وقت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ (یقیناً یہ حد کم) اور ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو روزانہ شکرانے کی نماز ادا کرتے ہیں۔ (آٹے میں ملک کے برابر)

پیاری بہنو! آج میں آپ سے بالکل سچی بات کہہ رہی ہوں کہ جب میں نے شکرانے کے لفظ پر شے شروع کیے..... تو مجھے اپنے معمولات میں بڑی خوشوار آمد کی کا احساس ہوا۔ آپ دن میں کسی بھی وقت صرف دو لفظ شکرانے کے ادا کرنا شروع کیجیے..... پھر دیکھیں کہ کیا لطف محسوس ہوتا ہے۔

☆ آنرز ڈی کلبراری نے جب بھی بتایا تھا..... کہ ان کے بچپن میں سال سے شکرانے کے لفظ بھی تقاضا نہیں ہوتے تو میں کہیں کہیں کسی دیکھتی رہی تھی کہ کہیں تو اپنی فرض نمازوں کے تقاضا کو نہ کمال نہیں ہوا کرتا..... اور یہاں سے پیارے لوگ بھی اپنی بہنیں یہ فخر ہے کہ ان کے شکرانے کے لفظ بھی تقاضا نہیں ہوتے۔ ہم فیض، رحم، درواز، نام، نعمتیں کی محسوس کرنے میں تو ہمیشہ آگے ہی آگے جا کر تے ہیں۔ دوسروں پر میں بالکل انہی نہیں اٹھارتی..... خود میری ذات میں ایسی ہی ہے کہ شکر باری کی چیزیں ابھی لکھتی ہیں..... اور دل ان کی حاجت پائل ہوتا ہے۔

☆ مگر پیاری بہنو! ہم سب کو اچھی باتوں کی محسوس کرنی چاہیے اور اچھی باتیں آگے پہنچانی چاہئیں۔ ہم بری باتیں انہیں بھی تو پہنچاتے ہیں تا تو کیا ہم کسی سے نہیں کہہ سکتے..... روزانہ شکرانے کے دو لفظ ادا کر کے دیکھو..... ہم بھی جتنے بھی تم پر محو۔ یاد رکھیں..... یہ میرے اللہ کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے کہ میں شکر ادا کرنے کے والوں کو زیادہ یاد کرنا (دن) تو آج میں روزانہ کسی بھی وقت دو لفظ شکرانے کے ضرور ادا کریں گے اور یہ ابھی بات کسی شخص کی طرح آگے اور بہت آگے تک ضرور باتیں سے کہیں..... (آج سے ہی)

☆ آج میں اب سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے لگ دو اور ادا کرتی ہوتے ہیں جو غماز میں پڑ جاتا ہے اور اس کے بعد صاف تین بار آیت کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالم اسلام کی پیشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا

والدین کے گھر بھائی، بھابیوں کے درمیان رہتے ہوئے اسے جلد ہی اپنی غلطی اور حد درجے بے وقوفی کا اعتراف ہونا شروع ہو گیا۔ اسے اپنا گھر، اپنی جنت چھوٹ جانے کا دکھ ستانے لگا۔ دوسری طرف اس بھی اپنے فیصلے پر نادم تھا کہ اسے پیارے سے معاملہ کا سلجھانا چاہیے تھا۔ رانی کی ذہنی اور روحانی ضرورتوں کو سمجھنے ہوئے اس کا پورا حق اور پھر پرتوجہ اور محبت دینی چاہیے تھی۔

فردی کے خوب صورت اور روشن دلوں میں اسے رانی کا کھڑکی سے پردہ ہٹا کر اسے چمکانا بہت یاد آئے گا۔ کھڑکی کے باہر رکے پورے اور مکملوں میں بھر خٹک پتے بھی ادا اس اور ملوں تھے۔ اماں کے جڑوں کا درد مائش نہ ہونے کی وجہ سے مزید بڑھ گیا تھا۔ ہانی کی ٹھاکاریاں اور رونے کی آواز بھی وہ بہت مس کر رہا تھا۔ ہر طرف ایک سناٹا تھا۔ اسی وحشت اور تنہائی سے گھر اکروہ بالکونی کی طرف ٹھکنے والا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔

آج چھٹی کا دن تھا اور موسم بھی خوشگوار تھا۔ سورج دھند کو پیچھے چھوڑتا اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ فوہ سے کتنے خراب ہو گئے ہیں ملکوں کی چمک رکھ سکتی ہے۔ اس نے تمام پودوں کو پانی دیا۔ سارا رنگ پتے اکٹھے کر کے شاخوں کو مناسب حد تک تراشا..... اس سب سے فارغ ہو کر وہ پودوں کو بہت دھیان سے دیکھنے لگا۔ جیسے رانی کے وجود اس کے احساس کو محسوس کر رہا ہو۔ پتہ جھڑ کے بعد شاخوں پر نئی تھمی کوئیں پھوٹنے والی تھیں۔ شاید بہار آنے کو ہے۔ اس خوب صورت احساس کے ساتھ ہی علی کے بلوں پر ایک آسودہ میسرابٹ ابھری اور اس کا ہاتھ جب میں پڑے سو پائل کو ٹوٹنے لگا۔ اسے ایک بہت ضروری کال کرنی تھی۔

”ٹھیک ہے یوں ہے تو یونی کی۔ میں بھی اپنے غلی انسان کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ کیا ہوا اگر میں نے کسی سے ہنس کر وہ دھڑکی بات کرنی تو..... بھگ..... تو میں کسی کی کے ساتھ۔ سراسر ایک خدمت کر رہو، پھر بھی کے پیچھے دم ہلاتے رہو، بچوں کی آیا تک، بنو، پھر بھی سانس لینا دو مجھ سے عورت کا۔ جہاں کوئی کھڑکی، دروازہ کھولا، دھڑ سے توئی لگ گیا۔ بدکرداری کا۔“ اسی غصے میں رانی اپنے باپ کے گھر آ گئی۔

☆☆☆

بگئیں۔ (ایک پڑھ لیں) آتے تو کہہ دیتے۔

لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظالمین

www

مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں

کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ نیویارک میں مقیم معروف شاعرہ لیکن طالب کے بے پایاں خان کی شادی ڈاکٹر تادیہ سے ہوئی۔ (مبارک باد)

☆ ارم حاقب شمرہ اور غزل، امریکا آپ کو اپنے بھائی کی شادی کی دی مبارک باد۔

☆ پاکیزہ کی افسانہ نگار جنت علی ان دنوں کراچی سے امریکا کی ہوئی ہیں۔

☆ پاکیزہ کی شاعرہ اور تمبرہ کا فریہ الہ آباد سے شاد سے امریکا کی ہوئی ہیں اپنے بیٹے کے پاس۔

☆ معروف افسانہ نویس ڈاکٹر رضوانہ برنس، کلمہ کی کونڈن چلی گئیں۔

☆ فی وی جیل سے وابستہ راسخ توہر کا کڑیوں نکاح ہو گیا ہے۔ (مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری اور مسلمانہ کنول عاصم، لاہور کی اس ماہ شادی کی سارگرم ہے۔ (مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری عینہ طارق محبوب، دام کڑیوں ملتان آئی ہوئی تھیں۔ ان کا ٹوٹا ہوا ہے۔ جس کا

نام محمد عباد رکھا گیا ہے۔ (مبارک باد)

☆ معروف سرجن ڈاکٹر جمال الدین اور تمبرہ شازبہ جمال کے چھوٹے بیٹے محمد عباد الدین کی پہلی سالگرہ اور

عقیقہ کی تقریب ان کی رہائش گاہ پر ہوئی۔ جس میں عباسی شہید کے اور دیگر اچانکوں کے ڈاکٹر زونے بھی ایک بڑی تعداد

میں شرکت کی۔ (مبارک باد)

☆ معروف افسانہ نگار شاعرہ اختر بیگم خان دنوں بھر حالات ہیں۔ ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں۔

☆ کڑیوں رضوانہ برنس کا ایک لپکے ایک نئی جھیل سے دکھایا گیا، جس کی ڈرامائی تشکیل بھی رضوانہ سے

خود ہی کی۔ (مبارک باد)

☆ ہماری پیاری دوست شیریں حیدر کی بیلی ظلم کڑیوں جھیل سے دکھائی گئی جس کا نام چند اکھیم اورانی

(مبارک باد)

☆ ہماری ایک اور عزیز معصومہ غزالہ عزیز کا سیریل بات ہے رسوائی کی ایک نئی جھیل سے شروع ہو چکا ہے۔

(مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی شاعرہ افسانہ نگارہ عاصمہ فیصل نے اشتہارات کی دنیا میں قدم رکھ دیا ہے۔ ان کا پہلا اشتہار رڈ

پر ٹیلیز ہوا ہے۔ (اللہ تعالیٰ آپ کو اس شعبے میں عزت نفس کے ساتھ کامیابیاں عطا فرمائے)

☆ ہماری پیاری شاعرہ سعدہ ہاشم، سرگودھا ان دنوں اپنے دوسری شاعری مجموعے کو ترتیب دے رہی ہیں۔

(مبارک باد)

☆ معروف افسانہ نگار ڈاکٹر بی بی سحر شاہ اور ڈاکٹر انصاف کا مجموعہ جلد ایک صدمت میں ڈالا ہے۔ (مبارک باد)

☆ ہماری پیاری مصنفہ فرحت سراج کا ڈراما سیریل 15 مئی سے شروع ہو رہا ہے۔ (مبارک باد)

بھونو کی محفل

☆ پاکیزہ کے مستقل قاری رضوان اور لیں ان دنوں شدید بیمار ہیں ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں۔

☆ پاکیزہ کے مستقل قاری اور تمبرہ نگار زمر، وہاڑی ان دنوں بیمار ہیں اور وہاڑی اور لاہور کی مصنفات سے

دوستی کی خواہش ہیں۔ (ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں)

☆ ہماری بے حد پیاری شاعرہ شگفتہ بیگم کا دوسرا مجموعہ کلام یاد آتی ہے کہ اپنی محفل میں شائع ہو گیا ہے۔ شکفتہ کی

تفصیل بے حد چاند بانی اور دہلی پر دستک دینے والی ہیں۔ کتاب کی قیمت صرف 200/- روپے ہے۔ جو فریڈ جیٹرز، نارود

بازار کراچی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ رابطہ نیچے۔ 0321-3786601

☆ آپ کی بچی انتم انصاف کا ٹی وی سب انٹیلیاں جو ایک مزاحیہ ڈراما ہے ایک نئی جھیل پر ہر چیز اور رنگ کی

شام 7 بجے دکھائی گئی ہیں۔ رات کے گیارہ بجے بھی دکھایا جاسکتا ہے اور ہر رنگ اور بدھ کی دوپہر ایک بجے سلسلے دار ڈراما

دوبارہ دکھایا جاتا ہے۔

☆ ہماری تمبرہ نگار اور افسانہ نگار افشاں کوٹہر کراچی۔ ایک طویل عرصے بعد پاکیزہ میں آ رہی ہیں۔ (خوش آمدید)

☆ پاکیزہ کی شاعرہ اور تمبرہ نگار عینہ طارق، کراچی ان دنوں اپنی شاعری کا مجموعہ ترتیب دے رہی ہیں۔

(امشاء اللہ)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری سیمانا زکی کڑیوں جھیل سے ہوئی۔ (مبارک باد)

☆ شاعرہ فریدہ خانم لاہور سے ہمیں بتایا ہے کہ ان کے پہلے شاعری مجموعے مختلف نے اپنی محفلوں میں بے حد

پڑائی حاصل کی ہے۔ (مبارک باد)

☆ معروف فیشن ڈیزائنر یا مین رشید کے ڈیزائن کیے ہوئے لان کے سوٹ بیرونی ممالک میں بے حد پسند کیے

گئے ہیں۔ (امشاء اللہ)

☆ ایبہ عندلیب، مسلمانوں کی تاحال بے حد طبیعت خراب ہے۔ ان کی کلی صحت اور زندگی کے لیے دعا کریں۔

☆ فی وی کی معروف ایبہ اور مصنفہ شازبہ افتخار خان کڑیوں لاہور سے کراچی آئیں تو ایک ایجان کا بیک

لے کر بھاگ گیا۔ جس میں ان کا موبائل اور کئی مٹی (بہت افسوس ہوا...) کا شے اس محفل ہوتا کہ آپ ہمارے شہر میں

مہمان تھیں تو وہ ایسی حرکت نہ کرتا)

☆ پاکیزہ کی مستقل تمبرہ نگار ہوش مشعل، احمد پور شرقیہ کے تین بھائیوں ناصر، مدثر اور یاسر کی جھیل سے ہوئی ہے۔

ان کی بھائیوں کے نام گلینہ، فریہ اور مہک ہیں۔ (بہت مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی قاری سارگرم خان کی رخصتی ہوئی ہے۔ اب وہ مظفر گڑھ رخصت ہو کر جا چکی ہیں اور سارگرم منور

کہلاتی ہیں۔ (مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی قاری عارفہ خان کی رخصتی ہوئی ہے اب وہ کراچی سے رحیم یار خان رخصت ہو کر جا چکی ہیں اور اب

عارفہ عمران کہلاتی ہیں۔ (مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری غزلہ صدیقی سندھ کی جھیل سے اپنے کزن فرقان سے ہوئی ہے۔ (بے حد مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی قاری سارگرم خان ان دنوں بیمار ہیں ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں۔

انتقال پر ملال

☆ اس ماہ ہماری بے حد مشتاق رفیقہ بچیا کی بڑی ہے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری عائشہ دانش، کراچی کے ماموں جتاب عارف علی انتقال کر گئے۔

☆ معروف نعت خواں تاجندہ لاری کے شوہر چلے گئے۔

☆ معتمد صفیہ فضل خاں کی بہن ترگس اقبال انتقال کر گئیں۔

☆ جوہر اچا نزلان کے مرنے میں تمام گھبرا کے لیے دعا کریں۔ اس اندھ ہناک حادثے میں ہماری شاعرہ نصیرہ آصف خان کی آخری زادہ و مریدان کی نواسی اچان شامل تھیں۔ ہماری شاعرہ اور تیرہ دیگر ماہرہ بنت نورو کے بڑی بھئی تھیں۔

نوٹ: پھر مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کے ساتھ ساتھ حق پر اسورہ؟ اخلاص پڑھ کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

بھو ڈاکٹر ممتاز ضیا، کراچی سے۔ ”بہشہ مجھے چھو کہتا ہے میں تم بہت کچھ کہتی ہو بس خدا کرے بات بدل میں اتر جائے۔ آمین۔ دین کی باتیں اور اساتذہ اعلیٰ ایمان میں تازگی کا سبب بنتے ہیں۔ جس اعلیٰ انداز میں آگے بڑھ رہے ہیں اگر کسی بہت سے حالات ذہن میں شامل رہے ہیں جن کے سبب ہونے کا انتظار ہے۔ جس اور بڑا کام پھیل چکا ہے۔ رفعت سران کی تحریر انگریزی میں ہر اول جانتا ہے کہ اب اس قسم کی قربانیاں ختم ہو جائیں اور اچھا ہے۔ جسے بعض دفعہ کی خالو سبیل میں بن جاتی ہے اور کبھی اس کی ماں کی طرف پیش آتی ہے۔ زندگی ایک دلچسپ پروڈر ہوتی ہے۔ وہ اب کے ساتھ رہا ہوا ہے اچھا بھی ہو گیا کہ رخصتی سے پہلے ہی الطاف کی اعلیٰ صلیت مل گئی۔ گویا ایک نیا سلاطین ہے۔ اسے دل داناں پر تیرہ مکمل ہونے پر جدت تراش میں ان کا مسئلہ اپنی خاص میں ملے تو کیا نہیں ہاں ہر کچھ فیشن ایسے ہیں جن کی نسبت میں زیادہ اسارت لگتا ہے۔ کچھ کی لڑکی بہت خوب صورت انداز میں اختتام پر ہو رہی ہے بھی کہہ سکتے ہیں کچھ کچھ کی سہاگنی ہوتے ہیں۔ اب اس کے دل کا انتظار ہے۔ سرخ چوڑی کی ایک دلچسپ بلی چمکی کھڑی کھٹان خیالوں کی۔ اصل زرد وودھ کا جلا، زندگی پھر نکلتا ہے اور پھر کوئی خواب ہو گا اور ہمیں نہیں۔ مددگار کی ڈائری کا انتخاب بہت کارآمد اور مفید ہے۔ بہنوں کی مختل شان و شوکت سے سچی ہے۔ انجم واقعی قاتی کھلکھلوت نہیں ہو بلکہ جھلکوت نہیں، میرا بھی خیال ہے کوئی مختصر اور اور ہو گیا ہو گا اور یہ پیار سے نام نہ نہ کہے بہر حال ان ناموں کو نہ بہت کچھ میں نے اور نہ تم دے دے شکر ہے میرا نام اس میں نہیں آیا کیونکہ میری قوت نام نہ نہ ہر ڈاک پڑ جاتا، بیٹھنے خیال نگاہ میں دلچسپ اور نگہت غنارے شکر میں برابر شریک ہوں، اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور ان دونوں کو میرا کرم فرمائے۔ آمین۔ اچھیلیاں بہت دلچسپ ہے۔ رضوانہ پر لڑکی کا ڈراما نہ دیکھ سکے معلوم نہ تھا۔ سرور باجی، اجید عجب باجی اور دیگر بنیادوں کے لیے دل دے گا کہ اللہ تعالیٰ رحمت اور زندگی دے۔ آمین۔ ذیشان کی دعوت بچ اور میر کا ویروہ اور تقریبات بہت خوشی کا باعث ہیں کہ بہت سے اچھے اور پھولیں لوگوں سے ملاقات رہی۔ شمیمہ مردق پر خوش ہیں۔ رضوانہ ہمارے زندگی پر رہنے کے انداز بہت قابل قدر ہیں۔ ہمیں ایسے ہی زندگی کو فہم کرنا چاہیے۔ ہاں میں تم سے کچھ شکر ناز جاتی ہوں جو میں نے آج تک کی ہے۔ شکریہ کیا۔ تمہاری طرح ایک کمرے سے دل میں بھی گڑی ہوئی ہے۔ میرے شوہر ایک ہفتہ P.U.O ایسا بنیاد جس کو سب سے معلوم ہو سکے گا جتنا کہ ہر خدا کو پیار ہے۔ وفات سے 24 گھنٹے تک ہم باہم کھڑے رہے کہ وہی دے دے ڈاکٹر راؤ پڑ آئے اور مجھے باہر جانے کہا۔ میرے شوہر نے میرا ہاتھ پکڑ رکھے جانے سے منع کیا کہ میں ان کو لپی دے کہ میرا چلی گئی صدف بعد میں واپس گئی وہ کو سے میں نے اور ٹھیک 24 گھنٹے بعد وفات پا گئے۔ میرے دل میں بھی یہ کہ میرا بے کراش میں نے ڈاکٹر کی بات ذہنی ہوئی اور ان کو چھوڑ کر جانی کر شہید کیا یہ فیضان زندگی کا نام ہے۔ انجمن میری خیمہ غم کو تھارے جلتے ہیں۔ خشک گرد آواز پکڑ کر گیت ہے۔ تمہارا میرا انتخاب، میں ان کو نکلتی ہوں، یا کیزہ ڈائری اور دیگر سلیٹیں ایچے ہیں۔ ”نقصی جیسے کا شکر ہے۔ آپ کا خط پڑھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

بھو جوئے بیہوش، راولپنڈی سے۔ ”مٹی کا کیزہ کیل خیر اے اپنا خط شامل نہ کرنا کھڑا ڈاک پر غصہ آتا اس کے علاوہ اور کئی کئی کھیلوں۔ انہی صرف دونوں قسط وار ڈاکوں میں اور زندگی میں پڑھ رہی ہوں چونکہ بھڑا سائنسٹ بن کر رہے ہیں۔ حاضری لازمی دینی تھی۔ اس لیے یہ طور لکھ رہی ہوں۔ بہتر و قیصرہ حیات صاحب کی کتاب ڈراما سائنس کی

بھنوں کی محفل

ارے سے شائع کی ہے، میں اسے ضرور پڑھوں گی۔ (کتاب آپ کو لا ہور میں اردو بازار میں بسمائی مل جائے گی) ہر ایک کا کیزہ کا ذکر میں نے اپنی دوستوں سے کیا جس میں میرا پہلا خط شامل ہوا ہے جب معلوم ہوا کہ اس میں سے کی تو پہلی یا کیزہ پر پختی ہیں لیکن اب اس میں دو کا مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ پچھو جانی ہمیں خاص دعاؤں میں یاد رکھے گا۔“

(ولی رو پیاری بھیجی)

بھو ترغیب خان، راولپنڈی سے۔ ”مٹی کا کیزہ جملہ اخبار میں ہوں جس کی جگہ مرزا کا ناول انیس ہے۔ مجھے غلط لکھنے کا گھر اس کا پی کی کو پڑھ کر جتنا افسوس کیا جائے کہ ہے۔ لگتا ہے مجھ سے نہ بھی تو بخیر میں حاصل نہیں کی۔ میں خود روس وندوس کے شعبے سے وابستہ ہوں۔ صرف ادبی کتب لکھنا تو بخیر میں ہوں اور آج کا ناول ہے۔ آج تک ایک انیس ہوا کہ خطابات تو پھیروں کے کرے میں بھی نہیں ہوا اور دیگر لکھنے لاک ہو میں آپ کو کتابوں کی پروفیسر کے متعلق ادبی بات بھی پتلے تو فوراً اختصار اور ہیڈ آف انڈیا راضفٹ ایٹش لیتے ہیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ راولپنڈی بات پر اساتذہ کمرے کمرے فارغ کر دے جاتے ہیں۔ بھی اساتذہ کے کرے اندر سے لاک نہیں کیے جاتے۔ دیگر خطابات و خطابات، چکریدار، چچا، اختصار، انشاف سب اندے نہیں ہوتے۔ دوسری بات یہ کہ ایک چکریدار کو دوسرے بننے میں بھیجیں سال گ جاتے ہیں کوئی پروفیسر آج ان میں ہوں تو پھر میرا ہے۔ البتہ پروفیسر اور پھر پروفیسر بننے میں عرصہ بیت جاتی ہیں۔ یو بخیر میں میں ایسا ماحول پر نہیں ہوتا جیسا دیکھا گیا۔ میرا مقصد ہے بنیاد و تقدیر کرنا نہیں ہے لیکن یہ کہانی پڑھ کر ہر دیکر شاید پھر میرا خط اپنے ذکر میں لیکن یقین مجھے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ کرنا ہے کہ انکسیر کرنے کا ہوں کی عزت و احترام کا خیال رکھتا ہوں۔ اگر کچھ لکھنا ہے تو اس کی لکھی کی دلدہ پڑھ لے جس کی یو بخیر میں ایٹش لے دیکر ہمیں بھی مجھ سے اتفاق کریں گی۔ یہاں میں یہ بھی ضرور کہتا ہوں کہ معصنف نے کیزہ کو خاصی کمزور بھوت ہیں۔ ”دیگر ہمیں بھی مجھ سے اتفاق کریں گی۔ یہاں میں یہ بھی ضرور کہتا ہوں کہ معصنف نے کیزہ کو خاصی کمزور کر دیا اور اس کی ہے۔ کوئی بات بری کی ہو تو ہے حد مغفرت۔ آپ سے تو کی گئی ہیں ہے۔“ (سب سے پہلے اس مختل میں دیکر آئے۔ آپ کا پورا خط پڑھا۔ آپ کے خط کے نکات سے میں متفق نہیں ہوں اور میں خود بھی اساتذہ اور اور طبی اداروں کو قدر و احترام کی نظر سے دیکھتی ہوں اور اس قسم کا افسانہ شائع کرنے کا میرا یہ قطعی مقصد نہیں تھا کہ اساتذہ کی تذلیل کی جائے۔ پیاری بہن اس افسانے میں معصنف نے غم اور ناخوشی کے فرق کو اس میں دہ دہا دیکھ لیا ہے۔ ہمیں ہلکے سکے۔ ہماری بچیاں ہیں۔ کچھ ہر شے میں اعلیٰ مقام حاصل کریں۔ میں ان کی تعلیمات کا خیال دیکھ کر ہمیشہ ناخوش رہتی ہوں۔ آپ کی تعلیم کے شعبے سے وابستہ ہیں اس لیے کوشش کریں کہ بچے اور بچیوں کو گاہے بگاہے ایسی خوش فہمی رہیں کہ شاید ہماری چھوٹی سی کوشش کی کو بڑے نقصان سے بچا لے۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ آپ آنکھوں میں بھی اعلیٰ کریں گی شکر ہے۔)

بھو زرین، میر کوٹھاری، کراچی سے۔ ”انجم باجی سے پہلے میری شکایت پروفیسر عابدہ خان سے..... اتنی بر قاب مت، وہ ہیں شمرہ بھاری کے مفید نوٹس ہم سب سب کر رہے ہیں۔ سعید ہاں خیمہ جلدی سے اس مختل میں آ جاؤ، ہمیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ رضوانہ پر لڑکی کا ناول بہت اچھا لگا۔ انجم باجی آپ کا جلتے ہم ہر ہاں خوش ہے پڑھتے ہیں کہ پڑھنا پس آپ کا ڈراما اچھیلیاں دیکھ رہے ہیں تو صرف مجھے لکھ رہے ہیں تو کوئی اس میں جلتے کا حروہ رہا ہے۔ مددگار کی باتیں۔ ان کی ڈائری میں ہے۔“ (شکر ہے)

بھو تہامید بنت نورو، دہشت ورس۔ ”مٹی کا کیزہ میرا بہترین رہا۔ افسانے، ناول، ناولٹس کی تعریف کروں۔ پلیزیر معصنفات کے افسانے کہ تم کہ میں پڑھ کر ہوں۔ اس کا کچھ لکھی لڑکی بے حد پسند آیا۔ اب آپ کا ناول کب آ رہا ہے۔“ (پہلے سے پاس افسانوں کا جو انراج ہو گیا ہے اسے تو گداؤں کر رہا اور کوئی شکایت ہے کہ میرا ایمین لکھتا تو بھی جس کے افسانے شائع ہو رہے ہیں۔ ہمارے پاس مدد حضرت کی تحریریں شائع نہیں کی جاتی)

کچھ قصیدے آصف خان، دہلیان سے۔ مرقس قبطی کا پیکر کی اور خلافت لے ہوئے تھے۔ آخر کار مسافر پہنچا اور اس کا گھر
 دوپہ کا ایک عزم۔ موصوفہ جو اس رات پر آپ کی پڑاؤ میں آتے تھے۔ میرے خیالات کی کمی کو پیش آجیے ہیں۔
 جو رات کا تصور کر لیتا ہے۔ دوپہ کا ایک عزم۔ میرے خیالات کی کمی کو پیش آجیے ہیں۔
 جسے رسول اللہ نے فرمایا ہے۔ میرے خیالات کی کمی کو پیش آجیے ہیں۔
 کہ اس کی زندگی کا وہ خواب ہے۔ میرے خیالات کی کمی کو پیش آجیے ہیں۔
 طرح چھٹی رہی۔ میرے خیالات کی کمی کو پیش آجیے ہیں۔

ماہنامہ پاکیزہ۔ جون 2012ء 263

کہہ کر یارودین، گرجا پیسے۔ ”باجی میں نے آپ کی بہت سی کتابیں پڑھیں ہیں ماشاء اللہ، آپ ایک سے ایک ہیں مگر ناول چاندنی کی کیا بات تھی۔“ تب تک اس کی پہلی ذہن میں موجود ہے۔ آپ ناول جاگیزہ میں شائع ہوا تھا، اچھا لگتا ہے اس میں حیدر کا کردار بہت شاندار تھا۔ پورا ناول اس کی مثال کا لگتا تھا۔“ (خراپن میرے ناول چاندنی کا سب سے تیار ہوا چکا ہے۔) آپ بہت جلد کسی دی وی چینل پر ریڈیو کی ڈرامے کی اس کی طور پر بھی سنائی گئی تھی۔ چدرخوب کاروت تھریلوں کے ساتھ۔“

✉ فرخ ناز ملک، ڈیرا غازی خان۔ میرا خیال سو فی صد درست تھا کہ میرے لکھے ہوئے صفحات کہیں ادھر اُڑھو گئے۔ دو صفحات افسانوں کی فائل میں کس طرح گئے، خود مجھے بھی پتا چلا اور میری گڑبگڑ..... اس میں تمہارا نام بھی شامل ہے۔ تم مجھے بے حد عزیز ہو اور تمہارے افسانے بھی لکھتے رہیں گے، بس ایک مشورہ ہے کہ بے جا طوالت سے احتراز کیا کریو۔

✉ حسین اختر، فیصل آباد: ذہن نمبر عید کے بعد والا شمارہ ہوگا۔ اس کے لیے نئی شادیوں کی ریمیں، شادی کی تصویر کے ساتھ ایزو پوزر شادی کے احوال سب کچھ جائیں۔ ہاں شادی کی شادیوں میں وہاں کے مختلف علاقوں میں جو دلچپہ ریمیں مزے مزے کے گیت اور مذاق ہو کر آتے ہیں وہ آپ جلد از جلد مجھے ارسال کر دیں۔ اور میں یہ بات اپنی تمام بہنوں سے بھی کہہ رہی ہوں۔

✉ کیا شکہ سہیل جاوید، کراچی۔ لڑائی تمام مہلات اور مجلسیں بروقت ارسلان کیا کرو تا کہ وہ وقت پر جا سکے۔

✉ سیرافاق، کراچی سے۔ ”ہائی سٹی کا شمارہ پڑ آیا۔ رضوانہ بی بی کا انٹرویو پڑھ کر اچھا لگا۔ تاہید سلطانہ اختر کا ناول اچھا لگ رہا ہے۔ کالج کی لڑکی کا انتقام بھی شاندار رہا۔ مجھے تعلیمی کی تحریریں بہت اچھی لگی ہیں۔ ان سے کہیے کہ وہ آتی رہ کر ہیں۔“ (بہت بھڑ)

کچھ فریدہ فری، لاہور سے۔ ”میں کب کا بزنس ملا جو کہ سالگرہ منبر تقاب سے پہلے کالج کی لڑکی چھٹی سڑک آگیا مہم
کتابی شکل میں ضرور خریدیں گے۔ اس کے بعد جلتنگ واہ کیا گیا ہے۔ ہم جیسے بیماروں کے چہرے پر بھی خوشیوں کے
پھول گل اٹھتے ہیں۔ ناول، ناول اور فائنسے سب ہی بہت اچھے تھے، ناولٹ دودھ کا جلا، اصل زہر، این این فکس بہت



بات کی جائے تو تنقید کا پہلو نہیں ملتا۔ ان کردار اور حالات پر ایسی گرفت ہوتی ہے کہ قاری ایک لمحہ میں رہتا ہے۔ عمیرہ کی تحریر کی یہ خوبی ہے کہ ان کو پڑھتے ہوئے قاری اسی ماحول میں خود کو محسوس کرتا ہے۔ عمیرہ جی کی تحریر کو پڑھتے ہوئے ہر دفعہ یہ احساس ہوا کہ اس ناپک پر اس سے زیادہ اچھا اور لکھا نہیں جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ عمیرہ جی کی یہ خوبی کہ وہ جس موضوع پر لکھتی ہیں اس پر ان کی معلومات غلبہ کی ہوتی ہیں۔ وہ کوئی پہلو پیش نہیں چھوڑتی ہیں اور قاری کی نظر پر ان کا ہاتھ ہوتا ہے۔ انجم انصاری کے بارے میں لکھتا تو سورج کو چراغ دکھانے کے برابر ہے۔ ان کا طرز و مزاج پڑھ کر حیرت ہے تو ناول کی خوب صورتی اور لکھنا بیان انگ مٹا کر مٹاتا ہے۔ یا نیزہ ملک شاہ کو ہونے والے طنز و کج جواب بھی اٹھا کر لیں ہر دفعہ ناز و ہر دیتے ہیں۔ وہ بڑی سے بات کو بھی اچھے لطف سے بیان کرتی ہیں کہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی دیکھ چکے کہ جانی ہیں۔ ان کے اکثر کردار ہمارے ارد گرد چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی کہانیاں ادارائی دنیا کی نہیں بلکہ ہمارے ارد گرد کی کہانیاں ہوتی ہیں اور ان کا مزیدہ تحریروں کی نسبت مزاح لکھنا بہت مشکل کام ہے اور حیرت بھی ایسا کہ جتنے پتے پیٹ میں مل پڑ جائیں مزاح اور ہنسلک پن میں بہت فرق ہے اور فائدہ جیسا کہ سراسر مزاح تو سچا ان اللہ۔ مغلطی ان کی اتنی غصہ کی ہوتی ہے کہ مغلطوں سے تصویر بنی جاتی ہے اور پڑھنے والا اپنے آپ کو اس ماحول کا حصہ محسوس کرتا ہے۔ واقعی فائدہ جی آپ سے تو جیتنا مشکل ہی نہیں شاید ناممکن ہے۔

گفتہ ناز ملک

مجھ سے ملے

میرا نام مختلف ناز ملک ہے، علی پوری کی بی بی ہوں۔ پہلے ٹھوڑا سا اپنے علاقے کا تبادوں۔ میرا شہر علی پور ضلع مظفر گڑھ کی تحصیل ہے اور صوبہ پنجاب کی آخری تحصیل میری۔ جی گاؤں شہر سے پانچ منٹ کی ڈرائیو پر ہے اور بہت خوب صورت علاقہ ہے۔ میرے گاؤں کا نام بی آرا میں ہے اور اس کی پانچ گھنٹے میں تمام شاہ والا ہے۔ یہ انتہائی پرسکون جگہ ہے صاف تر علاقہ ہے۔ ہر سے مجھے باغ ہیں جن کی یہاں کے تمام مکانات بھی خوب صورت ہیں بہت چھوٹا سا علاقہ ہے لیکن یہاں ایک اچھا لکھی ہے اور لڑکے کے لڑکیوں کے اسکول بھی ہیں لوگ پڑھنے لکھنے کچھ جانتے ہوئے ہیں۔ یہاں کے مشہور پھل آم اور انار ہیں۔ یہ تو تمام علاقہ اب اپنے بارے میں بتاؤں گا میں باؤنس وانف ہوں اور ماشا اللہ وہ بہت پیارے ہیں بی بی محمد رباب اور محمد مصطفیٰ۔ میرا صاحب انجینئر ہیں۔ میری تمام فٹلی بہت پڑھی لکھی ہے۔ ہمارے علاقے میں لڑکوں کو پڑھانے کا رواج تھا لڑکیوں کو نہیں مگر میرے بولنے یہ روایت تبدیل کی میرے علاوہ تمام بی بی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ دوست بھی زندگی میں بنا نہیں ہیں اس لیے کہ میری بی بی میری دوست ہیں۔ نایاب، چندرا، ریحانہ، میری شدید خواہش ہے کہ میرے بیٹے حافظہ میں اور آپ سب نہیں دعا کریں کہ اللہ پاک تمام خواہشوں کی طرح یہ خواہش بھی پوری کر دیں۔ حافظہ قرآن جناب صرف میری ہی نہیں میرے دونوں بیٹوں کی بھی خواہش ہے۔ یا نیزہ سے بہت کچھ سیکھا ہے صرف ذرا نجاست ہی نہیں میرا سہیلی بھی ہے اس کی بدولت ملتا ہوا بھاری بھی دوست ملی۔ آخر میں اس اتنا کہتا جاؤں گی کہ خاموشی پر سسکتا کا علاقہ ہے۔ بہت زیادہ اور بے وقت بولنا بھی کسی بہت بڑے مسائل کا باعث بن جاتا ہے۔ سو بہتر ہے کہ اچھی بات کی جائے یا خاموش رہا جائے۔

ذرا نجاست میں پڑھنا میں نے میٹرک کے انگریز اسکول کے بعد شروع کیا تھا۔ بس وہ دن اور آج کا دن ہم دونوں کا ساتھ ہے۔ عمیرہ اچھا کام ڈانم میں آتے ہی بے مثالی کا تصور ذہن میں آتا ہے جنہیں ہم دن اینڈ اوٹلی بھی کہہ سکتے ہیں۔ تصوف پر ان کی تحریریں ہیں تو بے مثال سیاست پر ہوں تو لاجواب غرضیکہ کوئی ایسا موضوع نہیں جس پر وہ لکھیں اور لکھنے کا حق ادا نہ کر سکیں۔ عمیرہ جی نے اپنے ہر کردار کو اس کر دیا ہے ان کی تحریر پر جب بھی

آپ کی حوصلہ افزائی ضرور کریں گے)

بھرا صفا فیصل، کراچی ہے۔ ”میں کا یا نیزہ شان اور داتا۔ عکس پڑھتے ہوئے کئی دفعہ کہ دو مختلف کرداروں کی کہانی چل رہی ہے مگر ہر بات کو ہوا جانی کیونکر شہل اور اس کے اہل کا تذکرہ ایک ہی پیرائے میں پتا چسپہ وہ ایک ہی کردار ہوں۔ سہر جال عکس نے اپنی توجہ سیکس پر مرکوز کر لی ہے اور یہی اس کہانی کی سب سے اچھلی بات ہے۔ خوب ستر میں رہے، رفعت سراج جی کا افسانہ پڑھ کر اچھا کہ بہت دنوں کے بعد ان کا وہی مخصوص لہجہ لوگ بھرا گیا۔ رفعت سراج جی سے میں 2008ء میں ملی تھی۔ زندگی، ناسطیلہ داتا خاں کا بہت زبردست جا رہا ہے۔ اعجاز بیلا بہت جامع اور مفصل ہے اسے دلی نازاں میں باقی آئندہ وہ کیوں کر رہے گی۔ جدت تراشیں ٹھیک تھا، کچھ لڑکی کی سرفراز صاحب کی زیادتی کی سزا ان کے بیٹے کو کھینچتی پڑی۔ فحش ہوا مگر کہانی کی خوبی اسے انعام تک پہنچانے کے لیے آپ مبالغہ باد کی گئی ہیں۔ حدیہ ریحانہ نے اس پر ان فحش سے بھر پور انصاف کیا، زبردست اصل زندگی تھی۔ دودھ کا جلا گیت

جیسا، موضوع اگرچہ پرانا تھا مگر اسے ایک ناز ملک دے کر انتہائی قابل اصلاح لکھوں کے لیے بہت زبردست تھا۔ ایڈیٹر سیما جی بہت حیرت آ رہی۔ پرمال سیل سے بھی اچھا لکھا۔ پھر کوئی خواب بنوا چھا تھا مگر اس میں جذبات کی حد درجہ ترجمانی کی اور واقعات کم تھے۔“ (شکریہ)

بھرا رفعت مبین رنی، کراچی ہے۔ ”کچھ لڑکی کا اختتام بہت پسند آیا۔ اس سے بہتر اختتام نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے پڑھ کر بہت سارے لوگوں کی آنکھیں کھل جاتی چائیں۔ کچھ دنوں کے لیے بہت سبق آموز ہے کیونکہ آج کل آپس میں حسد، طعن اس قدر بڑھ چکا ہے کہ لوگ کچھ بھی کر گزرنے سے باز نہیں آتے ہیں۔ نفاذ بہت حقیقت ہے پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا۔ رضوانہ پر کئی اللہ تعالیٰ اور بہت دھولے دھولے غلام فرما دیے ہیں کی خوشیاں دیکھنا سیر کرے۔ داتا میں۔ اور یہ دینا تو دنیا کی تمام سوسائٹی کا داتا کو کامی ہے بولنا، یہ دنیا کی کو خوش نہیں دیکھنے کے عکس کا ہر ادا ہے پتلی سے انتظار رہتا ہے جیسے ہر عمیرہ ہر سدا خوش رہو۔ اللہ کے زور و کلم اور زیادہ۔ خوب ستر میں رہے، زندگی،

ہوں۔ ذرا بھی ملنے میں تاخیر ہو جائے تو حوالہ دیا جاتا ہے۔ تاہم سلطانہ اختر نے بہت اچھا لکھا۔ کاچ کی لڑکی کی آخری لفظ بہترین رہی۔ آپ کو بہت مبارک ہو۔ اے پلس پر آپ کا ٹی وی سب اگلیاں بہت زبردست جا رہا ہے۔ آپ کے جلتنگ کے خالوں کا خوب مزہ آ رہا ہے۔“ (نوازش)

یہ مینا شاہ، حیدر آباد سے۔ ”یہ ڈراما متنازعہ کیا کہاں ہیں آج کل۔ (اس ماہ مہم جو ہیں) باجی آپ سے یہ کہا ہے کہ کئی معصفتا کی تحریریں زیادہ ننگ لگا کریں۔ میں عرض نہیں آتا۔ مہاراجا جانتا ہے کہ پاکیزہ میں صرف اعلیٰ ترین تحریریں شائع ہوں۔“ (کرنا اگر ہم بھی معصفتا کو معصفتا نہیں دیں گے تو وہ کیسیں کی گئیے یہ بھی تو ڈراما جو)

بھ منیر نعیم، راولپنڈی سے۔ ”آج کوئی ایک سال بعد دوبارہ حاضری دے دی ہوں بس کچھ موفیات کی وجہ سے بیشمیرہ کھنے سے روکا جاتا تھا۔ یہ نہیں کہہ اسے بار بار پاکیزہ سے دور رہے۔۔۔ نہیں بلکہ ہرمیندی پاکیزہ کے ساتھ گزرا، ہر حال دیکھ کر کے شام سے کچھ نکل کر خبر دے کر گول کو بڑی تکلیف ہوئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جتنے جتن میں جلد سے آئیں۔ تمام بہنوں کے افسانے بڑے بڑے کام کی لڑکی کی بہت زیادہ اچھا لکھا واقعی آپ ہم آج کسی کی جین کے بارے میں بات کر رہے ہیں جیسے کہ جب یہ کام کا فائدہ ملے گا تو کرتے ہیں جب بھی اپنا آپ سچا لکھ رہے، اپرل کا شمار ہاتھ میں ہے اپنی پوری رعایتی سے سوئیٹ سی بہروانی عیندی پوری کھت سے جلوہ افروز ہیں۔ شادی میرے شہزادے کی ہو چکی، عظمیٰ نے ایک پیار کرنے والی بہن کا بھر پور کردار ادا کیا اور عظمیٰ جانی (نندو سے تیرے دوری) ہر حال آپ کی آپ کو تمام اعلیٰ خانگودار آپ کی سچی پیاری بیوی کا کوئی مبارک جنوں نے اپنی لکھاری بہنوں کو پیارے اعزاز میں خوش آمدید کہا۔ ہر حال جی آئی جانی ایک شگوفہ ہے کہ شادی میں بلاوائیں ادا کر رہے ہیں پھر بھی خود کو آپ کے ساتھ محسوس کر رہے تھے اور جب کراچی آکر کوئی اڑا گئے، انا اللہ۔ اقبال باجی آپ کی آمد آئی گی۔ دلاشا کو آپ کی کے شوہر کا انھوس ہوا اللہ تعالیٰ آپ کی کوہنرئیل عطا فرمائے۔“ (آپ کے بارے میں جانتی ہے)

بھ عا کا خوش خورشید انور دہراچی سے۔ ”کیا آپ مجھے اپنی بزم میں آنے کی اجازت دینا چاہتی ہیں۔ بالین مجھے اپنی بزم میں اس حمد کے ساتھ شریک کر لیں جو میں نے بڑی محبت سے اپنے پیارے اللہ کی محبت میں لکھی ہے۔“ (اس محفل میں اور پاکیزہ ڈائری میں خوش آمدید)

بھ زرخشاں قدس، اسمہ سے۔ ”میں حیران ہوں آپ اتنا اچھا موضوع چن کر اسنے اچھے الفاظ میں لکھتی ہیں۔ آپ پر بظہیر کی مہربانی ہے۔ آپ کی تحریر بڑھ کر انسان اپنی خاموشی، کدور یوں کو دور کر سکتا ہے۔ کچھ لوگ اس قائل ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے کام آپ کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے سب سے عمدہ سے نظریہ سے بنائے۔ آپ کے لیے یہ ہر وقت اور نئی ہوں جو جو جیتے ہیں۔ میں پاکیزہ کی عا کا خوش قاری ہوں۔ مجھے تو بھی یاد نہیں کہ میں نے کب سے پاکیزہ کو پڑھنا شروع کیا تھا۔ کچھ سال تو ہو گئے ہوں گے۔ اب تو مجھے بھی یونیورسٹی پہنچ گئے ہیں۔ میں خود بھی ہائی اسکول میں ٹیچر ہوں۔ جس چیز نے مجھے اٹھانے پر مجبور ہو گیا ہے وہیں آپ کے ساتھ شریک بنا جاتی ہوں۔ (انہاد کہ) راج کا کہنہ بہار کا کہن میرے لیے۔ میری ائی فوٹ ہو گئی۔ (انہاد کہ) جس انقلوں میں جان نہیں کر سکتی۔ اچھ چوٹی بہن سے۔ اسی لیے آپ کو بڑی بہن کہا ہے۔ میں جب بھی کراچی آپ کی سے ضرورتوں کی۔ اسی کہہ کہہ مجھے نندو دہرا گور گویا ہے۔ میری بھی ایک ہی بیٹی ہے آپ کی طرح۔“ (زرخشاں بہن آپ کو بھی کراچی آئیں میرے پاس ضرور آئیں)

بھ زرقا محمود، جونی ڈریسٹان محمود باک سے۔ ”سب سے پہلے پاکیزہ کی ساگرہ مبارک ہو عیمرہ احمد کا ناول جس میں خورشید نے آپ کے بڑے ہاتھ دیا ہے۔ جس بلاشیراکا بھر پور دیا ہے۔ تاہم سلطانہ اختر شریں حیدر، انجم انصار اور نرہ احمد راہ زبردست مجھے تو بڑھ کر براہزہ آیا۔ دیکھیں آپ کی جب جلتنگ نہ بڑھوں مجھے سے پائی نہیں لاتی۔ اس پیاری پیاری سی محفل میں میں بھی جلد جا کر۔“ (کرنا تمہارے نے اپنی روتی ہی لکھ دی ہوئی ہے۔ ہر

اصل زرقا محمود کے ہر افسانہ ہر ناول ہر جین لکھ کر یہ پاکیزہ کے دونوں ساگرہ نمبر بہت لا جواب تھے۔ رخ جو بھری، میونہ، مجتہد، تاہم سلطانہ، رفعت سراج، انجم انصار، رضوانہ پرنس، عظمیٰ آفاق اور پاکیزہ کی ساری تم کو میرا سلام مبارک ہو۔“ (نوازش)

بھ نور افشاں شیخ، حیدر پور سے۔ ”باجی آپ کو اتنا پیار دیا کاچ کی لڑکی لکھنے پر بے حد مبارک باد۔ آپ بالین اپنا کوئی ایک بھی ناول بی بی وی چینل پر بڑا نمونہ، بالین باجی۔ اپرل میں مجھے کچھ کہنا ہے۔ سے لے کر آخر تک سب سلسلے بہت پسند آئے۔ بالین باجی روحانی مشوروں کے صفحات بڑھا لیں۔ ڈائری میں اس اور زندگی ناچ پر جا رہے ہیں۔ نکس میں مجھے چڑا اور اس کے نانا کی باتیں بڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے، بالین عیمرہ احمد کی تصویر دکھائی باجی میونہ خوشید کے ناول کی پہلی جلد بھی بہت اچھی لگی۔ باجی عذر دار رسول کی ڈائری سے انتخاب والی باتیں بڑھ کر فائزہ والی لکھیں کچھ مجھے ہے اپنی اسی کو کئی ایک کچھ خود پراپائی کی کر لیں۔ اگر خوش خورشید کی بہت حقیقت کے لیے باجی ایجنڈہ لیب کی طبیعت ٹھیک نہ ہونے کا پڑھ کر بھی بہت دکھ محسوس کرتی ہوں اور ان باجی کے لیے میں نماز میں دعا ضرور دیتی ہوں۔“ (زرنا اک اللہ)

بھ عارفہ مسعود، لاہور کیٹ سے۔ ”میں پاکیزہ کی ایک خاموش قاری ہوں اس وقت سے جب تاہم سلطانہ اختر صاحبہ کے ناول آج کریت پر مکان جیسے شاہکار ناول آئے تھے۔ دو کھن، نصف آپ کو خیر لکھا تھا اسے کسی کم کرنا آپ کی محبت نے میرا دل موہ لیا جب پاکیزہ کا ساگرہ نمبر ملا اور آپ نے فراداد اپنی بہنوں کے نام لکھے اور اس محفل میں اپنا نام لکھ کر کو کچھ پاکیزہ سا ہو گیا کہ ہمارے جیسے بھی آپ کو یاد ہیں جو کم کا حاضری ہیں۔ یقیناً میں مجھے اپنے نام پر بھی اتنا پیار نہیں آیا جتنا آپ آیا۔ آپ قریب ہو گئیں تو سب کے سب چم چم آج کی خوشخوشی میں اپنی محبت کی کرئیں بنجیرے لوگ ہیں اللہ آپ کو اپنے تمام کام میں شاد آدور گئے۔ آپ کا شمار وہ بیٹا گڑی اور دلن سیت بہت اچھا لک رہا تھا اور عظمیٰ جی نے احوال لکھ کر گویا بہن ہوں کا حق ادا کر دیا۔ ان کے ہر لفظ سے محبت لپک رہی تھی۔ بہت عرصے پہلے سے کسی بہن کا مشورہ پڑھا تھا کہ کہیں روز دو روز فکر کرانے کے پڑھا کریں آپ یقین کریں انجم کی بہن کا ہر کاروگ اللہ کے شکرانے کا حق ادا نہیں کر سکتے مگر اس مشورہ سے پہل کر کے میں نے بہت کچھ پائیا جس سب بہنوں کو یہ ضرور کہوں گی کہ وہ وقت نکال کر کھانے کے قفل ضرور ادا کیا کریں۔ عیمرہ سیدی کی تحریر نے گویا میرا دل نکال لیا۔ بہت خوب صورت، میں بھی سوچتی ہوں کہ اپنے اکیلا کبھی لکھوں جن کے تمام خواب اس کی طرح سے پورے ہوں اور پھر کیا ایک خواب ان کے سامنے نمٹتا چلا گیا۔ خواب شرمندہ تعمیر نہ ہوں تو شاید نارنگی نہ ہو کر خیت ہے۔ پورے ہوں اور پھر میں ان کی کریا میں ہم سب پوست ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے میرے والدین آپ کے ساتھ ہوا اور وہ اپنی آخری منزل پر پہنچ گئے کہ لاوا کے دکھان سے دیکھ نہ گئے۔ تمام بہنوں سے گزارش ہے کہ ان کی مغفرت کے لیے دعا ضرور کریں۔ مگر جب قلم اٹھاتی ہوں تو تمام خیالات بھر بھر جاتے ہیں آٹھوں کے گوشے میں ہوجاتے ہیں اور الفاظ کم ہوجاتے ہیں۔ ادو ہوں میں بھول جھلیوں میں الجھتی۔“ (پیاری عارفہ آپ کی بھی کہنا ہے کسی اس محفل میں تو آئیں اور۔ آتی رہے گا)

بھ سمر شمیم طارق محمود، دام سے۔ ”پاکیزہ مجھے بے حد پسند ہے۔ تمام تحریریں شوق سے پڑھتی ہوں۔ جلتنگ خصوصی طور سے پسند ہے۔“ (نوازش)

بھ شہناز حیدر، اوک (A-E-O) سے۔ ”باجی پاکیزہ میں اپنا انٹرویو کیا۔ میں بہت عرصے سے منتظر ہوں۔ پاکیزہ ہر ایک سیدہ وہ نام ہے۔ نکس اچھا ہے۔ ذمہ کی بھی خوب ہے۔ کاچ کی لڑکی بڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے۔ آپ نے دعا اور بدعا بہت اچھا لکھا۔“ (اس محفل میں خوش آمدید۔ انٹرویو میں یادوں۔ میرے پاس بتانے کے لیے کوئی خاص بات ہی نہیں ہے)

کڑنڑ اور سپیلیاں زیادہ ہوں گی)

س: کس روز آپ کو دولہا میاں زیادہ اچھے لگے؟

ج: دولہے میں۔

س: عمو! کس لباس میں زیادہ اچھے لگتے ہیں؟

ج: دولہے تو ہر لباس میں ہی اچھے لگتے ہیں کتن

کرتے شلواران پر بہت اچھا لگتا ہے۔ (یو تو ہے)

س: کس کے غصے کا کراف زیادہ بلند ہے؟ اور

یہ کتنے غصے پر بیخود ہوتا ہے؟

ج: میرے غصے کا کراف جتنا بلند ہوتا ہے اتنی

ہی جلدی جھماک کی طرح بیٹھتی جاتا ہے۔ ان کا

غصہ بھی مختصر مدت کا ہوتا ہے اور آیا ادھر گیا۔

س: پہلا جھگڑا شادی کے کتنے عرصے بعد اور

کس بنیاد پر ہوا تھا؟

ج: یاد نہیں، ویسے چھوٹے موٹے جھگڑے

زندگی کی علامت ہوتے ہیں۔ ایسے جھگڑے کبھی نہیں

ہوئے کہ ہم یوں بے دخل ہو جائیں۔

س: جھگڑے کا دورانیہ کتنے طویل تھا؟

ج: بہت مختصر، اسی لیے پتا بھی نہیں چلا کہ جھگڑا

ہوا تھا اور اب کی برس بعد کی یہی صورت حال ہے۔

س: عمو! میں پہلے کون کرتا ہے؟

ج: یہ کرتے ہیں، میرے عظیم شوہر، میرے

دوست اور بہت کچھ۔

س: آپ کے شوہر صاحب ذوق ہیں، آپ کو

منانے کے لیے بھی شاعری یا ترنم کو ذریعہ بنایا؟

ج: منتر سے کام چلا لیتے ہیں اور بڑی خوبی

سے۔

س: آپ کے درمیان عمو! کس باتوں پر

اختلاف ہوتا ہے؟

ج: وقت کی پابندی نہ ہونے پر۔

س: کون زیادہ وقت کا پابند ہے؟

ج: میں ہی ہوں۔

س: تاخیر سے گھر آنے پر سیان جی کیا بہانہ

بناتے ہیں؟

ج: بہانے کی ضرورت نہیں پڑتی، لمبے لمبے کی

خبر دیتے ہیں۔ انہیں پتا ہے جھوٹ سے مجھے نفرت

ہے۔

س: میاں بیوی کے درمیان اعتبار کا رشتہ کب

قائم ہوتا ہے؟

ج: مستقل ایک دوسرے کے ساتھ غلوں، محبت

اور سچائی کے ساتھ رہیں تو خود بخود اعتبار کا رشتہ قائم ہو

جاتا ہے۔

س: ازدواجی زندگی میں کبھی ایسا ہی آیا جب

آپ کو بڑی آزمائش سے گزرنا پڑا تب کیا حکمت عملی

اختیار کی؟

ج: شکر ہے ایسا کوئی مرحلہ نہیں آیا راوی چین

ہی چین لگتا ہے۔

س: کیا جھگڑتے کے بغیر ازدواجی زندگی

کا مایابی سے گزرا ہی جاسکتی ہے؟

ج: زندگی سمجھوتوں ہی کا نام ہے۔ سمجھوتوں

سے ازدواجی زندگی مزید خوب صورت بن سکتی ہے۔

س: گھریلو ماحول خوشگوار بنانے میں آپ کے

ہم سفر کا کردار کتنا اہم ہے؟

ج: گھریلو دے دار یوں میں وقت دیتے ہیں تو

ماحول خود بخود خوشگوار اور حسین بن جاتا ہے۔

س: صاحب جی کی کون سی بات بہت خوشی دیتی

ہے اور کون سی پریشان کر دیتی ہے؟

ج: خوشی کی بات یہ ہے کہ جھوٹ بول کر گھر

سے روانہ نہیں ہوتے اور پریشان کن بات جب یہ نیند

کی کی شکایت کرتے ہیں۔

س: ازدواجی زندگی کی پائیداری کی بنیاد کیا

ہے؟

ج: صرف اور صرف اعتماد و باہمی۔

س: شریک حیات کے دل میں گھربانے کے

طہرے اصول کون سے ہیں؟

ج: (1) گھر کا ماحول خوشگوار رکھا جائے

اس سے مرد بہت پرسکون رہتا ہے۔ (2) ان

سوا اور مزاج دیکھ کر بات کی جائے (3) ان کی

روڈل کا خیال رکھا جائے۔

س: گھر کو جنت بنانا محض بیوی کی ذمہ داری

ہے یا شوہر بھی اس میں حصہ دار ہے؟

ج: دونوں کی باہمی خوشیوں سے گرجنت بنتا

ہے۔ دونوں برابر کے شریک ہیں۔

س: شادی کے بعد صاحب جی نے اپنا کون سا

اہم سب سے پہلے کر دیا؟

ج: چائے بنوانی تھی جو ہم نے بڑی چاہ سے

پالی تھی۔

س: گھر کے کاموں میں آپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں

اہم بڑھاتے ہیں؟

ج: بہت ہاتھ بٹاتے ہیں بلکہ کام سینے کے چکر

دار ہے ہیں۔

س: شادی کے بعد آپ نے وہ پہلی ڈش کون

پالی تھی جو صاحب جی کو بے حد پسند آئی اور کون سی

دوسری ڈش جس کے ذائقے کا تصور آج بھی میاں

گھر پریشان کر دیتا ہے؟

ج: کھیر بہت پسند آئی تھی۔ ایسی کوئی ڈش نہیں

ہے ہرگز جس والی ڈش کا تصور میری روح فرسا ہے۔

س: یہی صاحب جی نے کوئی ڈش پالی؟

ج: جی نہیں۔ اس معاملے میں کورے ہیں،

میں کورے۔

س: کھانے کے معاملے میں صاحب جی کا

ادار کیا ہے؟

ج: سادہ کھانا پسند ہے۔ ارہر کی دال، چاول،

کچے تھے کے کباب، سلا۔

س: شہید بیگم کے عالم میں صاحب جی کا رتو

عمل کیا ہوتا ہے؟

ج: جھمکیوں سا غصہ تو آتا ہے مگر ایسے موقع پر کبہ

دیتے ہیں کہ جو بھی گیا ہو دے دیں۔

س: صاحب جی کا سب سے پہلا اور سب سے

مستحق کون سا ہے؟

ج: موقع اور وقت کے لحاظ سے سارے شوق

ایڈجسٹ کر لیتے ہیں۔

س: کون زیادہ شاہ خرچ ہے اور کون بخل؟

ج: شاہ خرچ میرے شوہر نامہار ہیں۔ میں بھی

بخل ہرگز نہیں ہاں کفایت شعار ضرور ہوں شوخ کچھ

کے خرچ کرتی ہوں اور انتہائی ضرورت کی چیزوں کو

ترجیح دیتی ہوں۔ اس طرح گھر کا بجٹ متوازن رہتا

ہے۔

س: گھر کا بجٹ کون بناتا ہے؟

ج: بیشتر کبجٹ بنتا ہے۔

س: صاحب جی آپ کی کتنے فیصد فرمائشیں

پوری کرتے ہیں؟

ج: ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر ممکن فرمائش

پوری کریں۔

س: عمو! کون سی فرمائش کرتی ہیں؟

ج: اچھی کباب اور اچھے چائے بنانے کی۔

س: اس میں تو ان کا بھی بھلا ہو جاتا ہوگا؟

ج: یقیناً چونکہ دونوں مل جل کر رہتے ہیں۔

س: کون سی جگہ جانے کے لیے فوری تیار ہو

جاتے ہیں؟

ج: فرصت ہو تو ہر جگہ جانے کے لیے تیار ہو

جاتے ہیں۔ اولیٰ و دہائی تقریبات میں بخوشی جاتے

ہیں۔

س: شاہجگ کے سفر میں ہم سفر کتنا ساتھ دیتے

س: بنیاد پر ہوا تھا؟
ج: غالباً نہیں باہر جانے پر۔
س: صلح میں پہلی کسی کی جانب سے ہوئی؟
ج: میری جانب سے۔ (شباب نس)
س: آپ کے درمیان عموماً کن باتوں پر اختلاف ہوتا ہے؟
ج: جب میں زیادہ بولوں۔
س: بیٹی کی تعلیم و تربیت کے لیے کون زیادہ وقت دیتا ہے؟
ج: بی بی خود ہی ہیں۔
س: بیٹی کس سے زیادہ نزدیک ہے؟
ج: دونوں سے یکساں کے خیال کے مطابق مجھ سے۔
س: بحیثیت ماں ان کی خوبیوں اور خامیوں کا تناسب کتنا ہے؟
ج: خوبیوں کا تناسب زیادہ ہے۔
س: آپ دونوں میں کون زیادہ ڈینک ہے؟
ج: میں زیادہ ہوں۔
س: محبت کا اظہار انھوں میں کتنا ضروری سمجھتے ہیں یا دوسری کا کافی ہوتا ہے؟
ج: انھوں میں۔
س: موسیقی کبھی پسند ہے؟
ج: زیادہ شور شرابے والی نہیں۔
س: کون سا گیت اکثر گاتے ہیں؟
ج: جو بوجھل سے دھن سے ہماری۔
س: آپ کی تمام تر توجہ کرکٹ ہی پر ہوا رہے گی؟
ج: آپ کی رفاقت میں بارش سے لطف اٹھانا چاہ رہا ہوں تب آپ کی کرکٹ سے۔
ج: کچھ چھوڑ دوں گا۔
س: مطالعہ کرنے کا سب سے بڑا فائدہ؟
ج: کچھ نہ کرنے کا سب سے بڑا فائدہ۔

س: شادی کے بعد پہلی مرتبہ کون سے تفریحی اہم گئے؟
ج: نادر ن ایریا۔
س: شادی کے بعد آپ نے یکساں سے اپنا کون اہم سب سے پہلے کروایا تھا؟
ج: جانے ہوئی سی۔
س: کمرے کا مومن میں یکساں کا تھ بٹاتے ہیں یا اہم جانتے ہیں؟
ج: پورا اہم جانتا ہوں۔
س: شادی کے بعد یکساں نے وہ پہلی ڈش کون سی تھی جو آپ کو بے حد پسند آئی اور کون سی ایسی ڈش جس کے ذائقے کا تصور آج بھی آپ کو پریشان کرتا ہے؟
ج: داتا ہے۔
س: کچھ گوشت کا سالن۔
س: کبھی آپ نے کوئی ڈش بنائی؟
ج: جی نہیں۔
س: کھانے کے معاملے میں آپ کا معیار کیا ہے؟
ج: سادہ اور خوش ذائقہ۔
س: شدید بھوک کے عالم میں آپ کا رد عمل کیا ہے؟
ج: غصہ آتا ہے۔
س: کس کے غصے کا گراف زیادہ بلند ہے؟
ج: ان کا زیادہ ہے۔
س: کتنے عرصے پر محیط ہوتا ہے؟
ج: تقریباً چار گھنٹے پر۔ (بہت کچھ بھی نہیں ہے)
س: آپ کو غصہ آئے تو یکساں کا رد عمل کیا ہوتا ہے؟
ج: خاموش ہو جاتی ہیں کبھی کبھی ادھار چپکاتی (کتنے کھنکھاتا)
س: پہلا بھگڑا شادی کے کتنے عرصے بعد اور



س: بابتہار جمعی اپنے شریک حیات کو کیسا پایا؟
ج: اچھا خاصہ پایا۔ (خاصہ کیا مطلب؟)
س: اپنے مجازی خدا کے لیے کوئی پیغام دیں؟
ج: آپ پر بھروسہ ہے اور رہے گا اسے نونے نہیں دینگے گا۔

ایس ایڈیٹ انفارمی
س: آپ کا لن کب

ہوا؟

ج: 13 مئی 1994ء

س: پہلی مرتبہ یکساں کو کب اور کہاں دیکھا تھا؟
ج: ایک تقریب میں۔ (اچھا! پسند کی شادی ہے)
س: جب پہلا تاثر کیا تھا؟
ج: خوشگوار۔
س: یکساں کا انتخاب کس بنیاد پر کیا؟
ج: شرافت اور خاندانی پس منظر کی بنیاد پر کیا۔
س: آپ نے فوری حای بھری یا پس و پیش سے کام لیا؟
ج: ماں باپ سے مشورہ کیا اور حای بھری۔ (اس دور کی لوہر میں اسی طرح ہوا کرتی تھی)
س: کتنے عرصے رہی؟
ج: بات کچی ہو گئی تھی تقریباً پانچ ماہ تک۔ (زیادہ انتظار دیکھ کر تپڑا)
س: کتنی اور شادی کی درمیان مدت میں روبرو یا ٹیلیفونک ملاقات ہوئی؟
ج: شادی سے پہلے نو بار بات ہوئی تھی۔ (مقررہ ہر تو کبھی ہار نہیں سکتا)

س: بیگم کا سب سے سستا اور سب سے مہنگا شوق کون سا ہے؟
ج: تقریباً سارے ہی سستے شوق ہیں یا مجھے لگتے ہیں۔

س: گھریلو اشیا کی خریداری دونوں کی باہمی پسند سے ہوتی ہے یا جب جس کو جو شے پسند آتی ہے خرید لیتے ہیں؟
ج: بیگم صاحبہ کی پسند سے ہوتی ہے۔ مگر مری وزیراعظم جو ہیں۔

س: شاپنگ میں کن چیزوں پر زیادہ پیسہ خرچ کرتی ہیں؟
ج: اپنے حساب سے ہر مفید چیز اور ہمارے حساب سے اسے مفید سمجھنا ضروری ہے۔ (مسکراتے)

س: آنیڈیل بیوی؟
ج: ہر شو رہی کہ کسکے سے میری بیوی جیسی۔
س: کسی وجہ سے شاپنگ پر نہ جا سکتیں تو بیگم کی شاپنگ پھر دوسرے کر لیں گے؟
ج: بالکل کر لیں گے یا بیگم اب تو عادی ہو چکا ہوں

بھئی۔
س: آپ کی سالگرہ کا خاص اہتمام بیگم کی جانب سے اور ان کی سالگرہ پر آپ کی جانب سے کیا ہوتا ہے؟
ج: ہمیں تو اپنی سالگرہ یاد ہی نہیں رہتی بیگم صاحبہ یاد رکھتی ہیں اور کوئی نہ کوئی سوئٹ ڈش ضرور بناتی ہیں ورنہ کیک کا بندوبست کرتی ہیں اور میں ان کی سالگرہ پر ڈنر لے جاتا ہوں اور گفٹ دیتا ہوں۔
دونوں ہی حوالوں سے جیسا میری ہی لگتی ہے۔

س: ایک دوسرے کو کھانف دینے کے لیے کسی خاص موقع پر منتظر رہتے ہیں یا جب جی چاہو دیا؟
ج: جب جی چاہو وہی اپنی جیب کٹوائی۔

س: ہمیں تو اپنی سالگرہ یاد ہی نہیں رہتی بیگم صاحبہ یاد رکھتی ہیں اور کوئی نہ کوئی سوئٹ ڈش ضرور بناتی ہیں ورنہ کیک کا بندوبست کرتی ہیں اور میں ان کی سالگرہ پر ڈنر لے جاتا ہوں اور گفٹ دیتا ہوں۔
دونوں ہی حوالوں سے جیسا میری ہی لگتی ہے۔

س: ایک دوسرے کو کھانف دینے کے لیے کسی خاص موقع پر منتظر رہتے ہیں یا جب جی چاہو دیا؟
ج: جب جی چاہو وہی اپنی جیب کٹوائی۔

س: ہمیں تو اپنی سالگرہ یاد ہی نہیں رہتی بیگم صاحبہ یاد رکھتی ہیں اور کوئی نہ کوئی سوئٹ ڈش ضرور بناتی ہیں ورنہ کیک کا بندوبست کرتی ہیں اور میں ان کی سالگرہ پر ڈنر لے جاتا ہوں اور گفٹ دیتا ہوں۔
دونوں ہی حوالوں سے جیسا میری ہی لگتی ہے۔

س: ایک دوسرے کو کھانف دینے کے لیے کسی خاص موقع پر منتظر رہتے ہیں یا جب جی چاہو دیا؟
ج: جب جی چاہو وہی اپنی جیب کٹوائی۔

س: اب تک بیگم کی جانب سے ملنے والا تحائف میں سے زیادہ کون سا تحفہ پسند آیا؟
ج: ہر فہم..... والے ان کے دیے ہوئے تحفے کی تعریف کرتا ہوں۔

س: اکثر بیگمات شامی ہوتی ہیں کہ ہمارے میاں کو تو ہماری شادی کی سالگرہ ہی یاد نہیں رہتی آپ کو شادی کی سالگرہ یاد رہتی ہے؟
ج: میں بھی ان ہی میں سے ایک ہوں، بھول جاتا ہوں بیگم یاد دلاتی ہیں اور اہتمام بھی کرتی ہیں لیکن ڈنر میں ہی لے جاتا ہوں۔ یہ جرمنا نہ ہو شوہر کو یاد آکر نہ پڑتا ہے۔

س: شادی کی پہلی اور اب تک کی آخری سالگرہ پر شریک حیات کے رویے اور جذبے میں کیا فرق محسوس کیا؟
ج: محسوس ہوا کہ اور اعتبار قائم ہوا ہے۔
س: اس میں آپ کا کردار کتنا اہم ہے؟
ج: میرا ان کے ساتھ بے لوث محبت کا برتاؤ اس کے رد عمل کے طور پر ان کے چہرے پر اطمینان اور اظہارِ رویہ اصل زندگی ہے۔

س: میاں بیوی کے مابین اعتبار کا رشتہ کیسے ہوتا ہے؟
ج: بنا ہی رویوں سے رفتہ رفتہ اعتبار کا رشتہ ہو جاتا ہے۔
س: دونوں ہی معروف ہیں، کبھی بیگم کی مقبولیت کھلی؟
ج: کبھی نہیں بلکہ ہمیشہ خوش محسوس ہوئی۔

س: بیگم کو کتنا وقت دیتی ہیں؟
ج: سب سے زیادہ۔
س: عموماً بیویاں شوہر حضرات کی مصروفیت سے شامی رہتی ہیں بیگم کی مصروفیت پر آپ کا رد عمل کیا ہے؟
ج: ہر شوہر کو یاد رکھنا ہوتا ہے کہ میں آپ کی ہم

داری کرتا ہوں۔
س: آپ کی سالگرہ کیسے منائی جاتی ہے؟
ج: خوش اطوار، سمجھدار، خوش لباس، وقفا شعار کی کمی۔
س: آپ بیگم کی کون سی خوبیوں کے معترف ہیں؟
ج: یہ تمام خوبیوں ان میں موجود ہیں۔

س: بیگم کی کون سی خاصی بہت ملتی ہے؟
ج: جب میری پسند کا لباس پہن لیں۔
س: اگر میں اس کے فیصلے کو سختی سمجھا جاتا ہے؟
ج: جس کا فیصلہ بہتر ہو لیکن عموماً فیصلے کا اختیار

میرا ہوتا ہے۔
س: کیا سمجھتے ہیں بغیر ازدواجی زندگی کے گزارا کی جاسکتی ہے؟
ج: سمجھتے ہیں کہ ساتھ ہی کا سیلاب زندگی ممکن

ہو سکتی ہے۔
س: گھریلو ماحول خوشگوار بنانے میں آپ کی ہم داری کتنا اہم ہے؟
ج: جتنا میرا کردار ہے۔ (آپ کا قلم شاہ اللہ

کا قلم شاہ اللہ)

کا قلم شاہ اللہ)

میاں بیوی راضی

س: ان سے ہمدردی محسوس ہوتی کیا ہاں؟
ج: بہت بڑا ہاتھ ہے

س: مگر کوئی بنانا محض بیوی کی ذمہ داری ہے یا شوہر بھی اس میں حصے دار ہے؟
ج: دونوں حصے دار ہیں۔ (اب تو بچے بھی

..... بلکہ اگر سرال کا کوئی فرد ساتھ رہتا ہے تو وہ بھی حصے دار ہے)
س: شریک حیات کے دل میں گھر بنانے کے

تین سنہری اصول کون سے ہیں؟
ج: وقفا داری، چاہت، حسن سلوک۔
س: ازدواجی زندگی کی پائیداری کی بنیاد کیا ہے؟
ج: صرف احترام۔

س: شریک زندگی کے لیے آپ کے قائم کردہ معیار اور تصور پر بیگم کتنے فیصد پوری اتریں؟
ج: جی ہاں۔
س: مستقبل کے حوالے سے کیے جانے والے

کتنے وعدے وفا کیے؟
ج: کچھ کچھ۔
س: آپ کا پسندیدہ رشتہ، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، کتاب، ڈش، تہوار، تقریبی مقام، کھیل کون سے ہیں؟
ج: ظلم و محبت کا، سفید، ہلکا نیلا،

آسانی، old spices، سردی کا موسم، شام کا وقت، مہلو کی کتاب، دال چاول، عید الفطر، اسلام آباد، میڈیشن۔
س: اپنی شریک حیات کے لیے کوئی پیغام دیں گے؟
ج: صرف یہ کہ مجھ پر یقین رکھیں ہمارے

دو میاں ان اعتبارات محبت و ظلموں اور وفا کا رشتہ ہے انشاء اللہ زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہے گا۔

س: اپنی شریک حیات کے لیے کوئی پیغام دیں گے؟
ج: صرف یہ کہ مجھ پر یقین رکھیں ہمارے دو میاں ان اعتبارات محبت و ظلموں اور وفا کا رشتہ ہے انشاء اللہ زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہے گا۔

س: اپنی شریک حیات کے لیے کوئی پیغام دیں گے؟
ج: صرف یہ کہ مجھ پر یقین رکھیں ہمارے دو میاں ان اعتبارات محبت و ظلموں اور وفا کا رشتہ ہے انشاء اللہ زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہے گا۔

س: اپنی شریک حیات کے لیے کوئی پیغام دیں گے؟
ج: صرف یہ کہ مجھ پر یقین رکھیں ہمارے دو میاں ان اعتبارات محبت و ظلموں اور وفا کا رشتہ ہے انشاء اللہ زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہے گا۔





شادی میرے دوست کی

سلی غزل

ماؤں کی ساری زندگی اولاد کی تعلیم و تربیت اور پھر ابدی خوشیوں کے لیے دعائیں کرتے کرتی رہی ہے۔ لڑکی کی شادی ہو تو خوشیوں کے ساتھ ساتھ جدائی کا دکھ بھی ہوتا ہے اور لڑکے کی ہوتو کچھ پانے کا احساس دگ دپے میں بجلی سی بھر دیتا ہے اور اس احساس سے میں دوسری مرتبہ دو چار ہو رہی ہوں۔

میں بڑی بیٹی ڈاکٹر لکھنیاں اور پھر بیٹے فیصل کے فرض سے سکدوش ہو چکی تھی اور اب باری تھی سب سے چھوٹے بیٹے حماد کی جو Notre Dame یونیورسٹی سے ایم بی اے کر رہا ہے اور 23 دسمبر 2011ء اس کی شادی طے کی۔

میری خوشیوں کو چار چاند اس وقت لگ گئے جب صبح پانچ بجے حماد نے اور رات 9 بجے فیصل نے

سرزمین پاک پر امریکا سے قدم رکھے۔ فیصل کی بیوی اور دونوں بیٹیاں ایک ماہ پہلے ہی پاکستان آچکے تھے تاکہ شادی کی تیاری کر سکیں۔ شادی کی خوشی پھر تینوں بچوں کو اسے، نوایاں اور پوتیوں کا گھر میں ہوتا۔

بچے لگتا تھا میں پھر سے جوان ہوئی ہوں۔ دونوں بیٹے دم روم رواج کے تحت خلاف اس لیے نہ مایوں نہ ہندی صرف 17 دسمبر کو میں نے گھر میں ڈھنگی کی تقریب رکھ لی۔ گھر کے لوگ میرے بہن، بھائی اور ان کے سنے خوب ہل بازی اور گانا بجانا ہوا۔ پہلے ریفر شیٹ اور پھر رات دو بجے لکھنا یوں رات دو بجے سب رخصت ہوئے اس طرح شادی کی تقریبات کا آغاز ہو گیا۔

میں تمہو سا اپنا تعارف کرادوں سلی غزل۔

میں مرے سے کچھ رہی ہوں لیکن پاکیزہ میں اب مرا کی ہے جبکہ بچپن ہی سے میرے ذریعہ مطالعہ رہا اس لحاظ سے خود کو دنیا کی خوش نصیب ترین ماں مانتی ہوں کہ میری تینوں اولادوں نے ہر میدان اپنی قابلیت کے چمکے گاڑھ کر میرا سرخسے کر دیا ہے۔

بیٹی اور داماد ”ڈو“ سے فارغ التحصیل فیصل نے ایم بی اے سے ایم بی اے کرنے کے بعد Notre Dame یونیورسٹی سے ایم بی اے کیا اور اب ”فلک پل ڈیکور“ میں ڈائریکٹر ہے۔ کم عمری اور یہ ہمدہ..... اور چھوٹا حماد lums لاہور سے پڑھ کر اب اسی یونیورسٹی سے ایم بی اے کر رہا ہے۔ امریکا میں جہاں سے بھائی نے کیا تھا اور ماشاء اللہ 2012ء میں اس کو ڈگری مل جائے گی اور ساتھ ہی اس کی deloitte کمپنی میں نوکری بھی ہو چکی ہے۔ پھر بی بی بیو ایم بی اے امریکا سے اور چھوٹی ڈاکٹر پاکستان سے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ میری دونوں بہنوں کا نام فرح ہے۔

23 دسمبر کو بعد نماز جمعہ نکاح اور اسی دن جوینک لان میں شادی تھی۔ میرے اصرار کے باوجود

حماد نے شہر دہلی پہنچنے سے انکار کر دیا تھا لیکن اپنے چھ فٹ دو انچ سے نکلتے ہوئے قد وقامت اور اساتذہ... کی وجہ سے وہ سوٹ میں بھی سب سے نمایاں اور خوب صورت لگ رہا تھا۔ کراچی کے حالات نے اتنا ڈر اور سہا دیا ہے کہ سب کی متفرقہ رائے تھی کہ نہ مگر سجایا جائے ڈنگا ڈنگی جبکہ دونوں بہن بھائیوں کی مرتبہ یہ سب ہوا تھا۔ سنی گاڑی سجانے کا مطلب تھا چروں اور ڈاکوؤں کو دھت..... آئینل جیل مار۔ بلکہ پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ حماد کو دوست گاڑی چلا رہا تھا اس کے ساتھ گاڑی بھی بیٹھا ہوا تھا شہاروں سے گیس۔ یوں لگ رہا تھا بیٹے نہیں دہن کو اغوا کرنے جارہے ہیں۔ بیو بیٹی، نوایاں اور پوتیاں شرارے میں چھب دکھاری تھیں اور ساڑیوں میں بھول سب کے میں بھی ”قیامت“ لگ رہی تھی۔ (میاں نسو) ”کہنے میں کیا حرج ہے۔“

بروقت میچنک لان پہنچے یہ حد خوب صورت اعلیٰ انتظام، بہترین کھانا میری چوٹی بہو ”سجراتی“ ہے اس لیے سادگی خلوص اور انکساری نمایاں تھی۔ دہن سرخ اور ہرے استرجاز کے شرارے میں خوب صورت لگ رہی تھی اور بلیک سوٹ میں حماد کی توشان



خوشی کے رنگ؟

انجم انصار



ساتھ اس تقریب کو رونق بخشنے کے لیے رضوان پرنس البکین (رضیہ) عرشہ جیڈ سنسز زبیر کوشاری بھی بطور خاص آئیں۔ باقی مہمان ہاؤس کے اپنے سرکل سے تعلق رکھتے تھے اور سب ہی جانی پہچانی شخصیات تھیں۔ (اشاء اللہ)

دو دن بعد ہی دوسری تقریب وینس لائبریری میں تھی۔ یہ رضوان پرنس کی چوتھی کتاب اور پہلے ناول قربوں کی دوری کے سلسلے میں تھی۔ اس شام میری طبیعت خاص طور پر ناماز تھی..... مگر جانا ضروری تھا۔ دراصل محبت کرنے والے لوگوں کی خوشیوں میں شریک ہو کر ایسا لگتا ہے جیسے وہ خوشی اپنی بنواؤ زندگی میں تھی بھی خوشیاں آج چاہے وہ کبھی بھی حوالے سے آئیں وہ دل کو ایک عجیب سی لمبائیت عطا کرتی ہیں۔ اس لیے میں ہمیشہ یہ دعا بھی مانگا کرتی ہوں، یا اللہ بے حساب خوشیاں عطا فرماتا..... اور اس خوشی بھری تقریب میں بہت ساری مصنفات سے مل کر میں قطعاً بھول گئی..... کہ ان دنوں میں سردائیکل پرائیمل میں گرفتار ہوں اور میرے پورے جسم میں شدید درد ہے۔ بہرحال میں بغض خدا ٹھیک ہوں اور اس کی ایک وجہ رضوان

موسم گرما اپنی بھرپور جولانیوں کے ساتھ رواں دواں ہے اور اس موسم میں رائٹرز کی جانب سے ان کی کتابوں کی تقریبات مجھے موسم بہار کا جھونکا سی لگیں۔ وہاں جا کر نہ صرف لطف آیا بلکہ طبیعت کی پڑمردگی بھی ختم ہوئی۔

پہلی تقریب ہماری بہت ہی سینئر مصنفہ اختر بیگم کی تھی کہانوں کے مجموعے امر کہانی کے سلسلے میں آئیں کوسل میں ہوئی۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی جمیل الدین تالی تھے۔ جن مہمانوں نے کتاب اور مصنفہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ان میں حافظ لیری، پروفسر علی حیدر ملک، نیر سوزہ طاہرہ شریابجیا اور آپ کی باجی انجم انصاری تھیں۔

صاحبہ صدر نے مختصر اس کتاب اور کہانوں کی تحریک کی..... اختر بیگم نے اپنی محبت اور سادگی کے لیے میں مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس تقریب کی تلاوت وحیدہ دفت کی سعادت سعد الدین مسعود کے حصے میں آئی۔ ہاؤس کے منظوم دارانہ عقیدت پیش کیا۔ اس محفل کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں محترمہ مدظلہ ارسول نے شرکت کی۔ ان کے ساتھ



دائیں سے نواہی کلپی غزل، پرنواہی عبدالقادر شوہر چیچے بیٹا فیصل، بہفرج، جینی ڈاکٹر کشکان اور ڈاکٹر عبدالحمید خان دانا

تھی اور جب دونوں بھائی اسے آپ کی کہہ کر بلائے سب کی حیرانی دیکھنے والی ہوئی۔

یہ تقریب اس لحاظ سے میرے لیے یادگار تھی کہ آج ہم دونوں میاں، بیوی اپنے آخری فرس سے بھی سبکدوش ہو گئے تھے اور اس کے لیے میں اپنے شریک حیات کی بھی ممنون ہوں کہ جن کے تعاون اور مہمانی کے بغیر ایسا ممکن ہی نہیں تھا اور شکریہ بھیا اور بھائی بھی جنہوں نے بڑے ہونے کا فرض نبھایا۔

اور اب ہم دونوں میاں بیوی اس بڑے سے گھر میں ”کلی ڈھڑا“ مکمل رہے ہیں مگر خوشیوں کی پہلی جوری کو فیصل معدنی کی کے امریکا چلا گیا خیر یہ اس سے 13 جوری کو ”مماؤ“ چلا گیا اور انشاء اللہ اب جاب انشٹارٹ ہوئے ہی ہم اس کی بیوی کو بھی روایہ کر دیں گے جو یقیناً میاں کے بغیر اس ہے۔ جون 2012ء کے آخر میں۔ تاہم اس سے انصاف ہے کہ میرے بچوں کی دائمی خوشیوں کے لیے ضرور وہ کیجے گا کہ اللہ تعالیٰ اس ناچیز اور گنگا پرانی رعت سایہ اسی طرح قائم رکھے اور میرے گھر کو بری نظری سے بچائے۔

25 دسمبر کو میرا تھا اور دانی کراچی میں عمران خان کا جلسہ..... ڈر اور خوف کے ہنگامہ نہ ہو جائے جو کراچی کی روایت ہے۔ اس لیے روزے اور نقلیں مان لی تھیں مگر اللہ کے کرم سے سارے مہمانوں نے شرکت کر کے میری خوشیوں کو چار چاند لگا دیے۔ سوائے اس کے کہ ڈینس سے آنے والے لوگ رش کی وجہ سے بردقت نہ پہنچ سکے خاص طور سے میری ہمیش اور ان کی فیملی..... اس مرتبہ میں نے دو گھنٹہ کا اپنے ساتھ ہی مہمانوں کے استقبال کے لیے کھڑا کر لیا تھا۔ آج حماد کا سوٹ گرے اور فرخ کا آف وائٹ مرجنڈا اور سی گرین کا بنینیش کا شرارہ تھا۔ دونوں پر اعتماد، مطمئن، خوب صورت اور خوش رنگ رہے تھے اور سب مل رہے تھے اور میری نگاہیں پائیں لیتے نہ شک رہتیں تھیں۔ میرا بڑا بیٹا بہو، داماد بیٹی اور رشتے دار سب مہمانوں کی آؤ محبت میں مصروف تھے۔ میرے دونوں سہیلیوں نے بھی معج فلی شرکت کر کے مجھے ممنون کر دیا۔ مزے کی بات یہ تھی کہ میری بیٹی جو دونوں بھائیوں سے بڑی ہے اپنی خوب صورتی اور اساتذہ کی وجہ سے چھوٹی لگ رہی



دائیں سے شگفتہ فیض، عدنان صدیقی، جمیل ہم کی مول شیدہ، انجم انصار اور رضوانہ پرنس

قربتوں کی دوری

رضوانہ پرنس

کانیا ناول
شائع ہو
چکا ہے
قیمت
350 روپے

کتابیات پبلی کیشنز
76500 کراچی ۱۰۱ کی ایڈریس
35802551 فون 021-35804300
ktabi197@yahoo.com
۱۳۳۳ھ ۱۴۲۲ھ

خوشیاں ہماری اپنی ہیں اور آپ ہمیں اب رضوانہ پرنس
تقریب کو رخ چوہدری کے قلم سے بھی پڑھ لیں۔

دور کی میں قرب

اب تو کان ٹرس جاتے ہیں کسی دعوت نامے
سننے کے لیے اور ایسے میں جب رضوانہ پرنس اپنی
ہوئی آواز سن اپنے نئے ناول قربوں کی دوری کی
اختصاصی تقریب کی دعوت دیتی ہیں تو ایک دم عجیب
خوشی ہوتی ہے کہ جیسے عرصے بعد وعدہ چھٹی ہو
دوسرے رضوانہ کا محبت بھرا انصار اب انکار کر س
کے ہو۔ لہذا ”نارا“ چھوڑ بھائی ویشان کا جب ذکر
تو چوہدری صاحب حسب توقع انہوں نے فرمایا۔
”اے بارے پہلے بتانا تھا فلاں سے فلاں میٹنگ ہے
خیر انہوں نے ہمیں سن سٹیک چھوڑا گاڑی لے

اڑے۔ اب ہم رضوانہ سے موبائل پر راستہ پوچھ
رہے۔ یہ پیمانہ انجی ڈائریز سے مگر پھر بھی گھبراہٹ کی
رضوانہ نے اچھا گاڑ کیا اور ہم لوگ جب ان کی تقریب
میں پہنچے تو پتا چلا کہ رضوانہ نے درست کہا تھا۔ تقریب
بہت بڑے پیمانے پر منعقد ہوئی تھی۔ ندی بدیع میں بہت خوب
زیادہ پارکنگ سادہ سی پڑھائی تقریب میں بہت خوب
اور انہیں کتنی کتنے فضا کے ماحول کو تنہا رکھا تھا۔ تقریب
کی دہن یعنی رضوانہ پرنس نے دائیں شرٹ اور سر
چوڑی دار پاجامہ زیب تن کر رکھا تھا۔ لب و لہجے میں
”میں کام کا استعمال کرتی ہیں جو ان پر بہت سوٹ کر
ہے۔ اس پر ان کی کزن کلینیز..... شگفتہ ویشان نے اور
کوشنڈا کو کلب دے کر ان کو واقعی شہزادی بنادیا
رضوانہ پرنس کی شخصیت کی نمایاں چیز ان کا بھولین
اچھا اخلاق ہے۔ مجھے تو جب وہ رخ میرا بھرتی ہوتی
مجھے واقعی ہماری مائل لگتی ہیں جن کے ہاتھ چوم لینے
دل چاہتا ہے۔ اس وقت انہوں نے مجھے میرا بھرتی
ساتھ لگایا تو اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ ہم اکٹھے

پرنس کی یہ خوب صورت تقریب بھی تھی۔ جس کے
مہمان خصوصی دوست محمد فیضی تھے۔ اس تقریب میں
سب سے طویل گفتگو محترمہ عذرا رسول کی رہی۔ انہوں
نے اپنی البیہ بہت سی یادوں اور بہت سی باتوں کا ذکر
کیا اور رضوانہ پرنس کو ایک اچھا رائٹر قرار دیا۔ تقریب
میں جن مہمانان کرامی نے رضوانہ پرنس کے ناول اور
ان کی شخصیت کے بارے میں رائے دی ان میں عذرا
رسول کے علاوہ رخسانہ ہام زہرا، منورہ، وی وی آرشد
عدنان صدیقی، رضوانہ، ایک دیوانی، صاحبہ صدر
اور آپ کی باجی انجم انصار۔ کلینیزنگ رضوانہ کی ایک
کزن شگفتہ نے کی۔ منکوم خراج عقیدت، ہمایک اور
شگفتہ فیض نے پیش کیا۔ سعیدہ باجی نے بہت خوب
صورت آواز میں نعت رسول مقبول پڑھ کر ایک سال
باندھ دیا۔ اس تقریب کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ
اس میں جمیل ہم کی دوسرا ناول مول شیدہ صاحبہ نے بھی
شرکت کی اور ان کا پڑھنے سے منع کر کے ساری کارروائی
سامنے بیٹھ کر دیکھی۔ سب سے زیادہ تالیاں عذرا رسول
کے خطاب پر بجائی گئیں کہ ان کی شگفتہ باتیں لوں پر
واقعی مسکراہٹوں کے پھول کھلا دی کرتی ہیں۔ رخ
چوہدری، سائرہ غلام نبی، میرسا، نزہت اصغر،
پاکستان رشید، سرین زہیر کوشنڈی، عرشہ جیل، عظمیٰ طارق
سے ل کر دلی خوشی ہوئی۔ رضوانہ پرنس اپنے معصوم
چہرے اور کمرے لوں کے ساتھ انچ پر بھی اور بعد
میں شہرے ادا کرتی نظر آئیں۔ اس تقریب کی رواد
آپ رخ چوہدری کے قلم سے بھی پڑھیں۔ ہمایک اپنی
والدہ کی تقریب کی کوئٹہ اور قصا پر میں اس وجہ سے
نہیں بھیج سکیں کہ آخر تیار نہ کر گئے کہ جانے کے باعث
ایک طویل آپریشن سے گزر کر فارغ ہوئی ہیں اور ہونہ
ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت ملی عطا
فرمائے اور مزید خوشیاں عطا فرمائے۔ جن کا احوال
ہم اپنے پاپکڑہ میں شائع کر رہے ہیں کہ آپ کی یہ



رضوانہ پُرس، دوشیزہ کی منزہ سہام اور دیگر کمیلیوں کے ساتھ

کے چاہنے والے تو چاہتے تھے کہ دیر تک پولیس مگر انہوں نے مختصر مگر جامع کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے انتہائی مناسب خوب صورت انداز میں رضوانہ پُرس کی تحریر کو سراہا اور چلی گئیں اور پھر دل قسام لیجیے کہ باری "عذرا رسول" کی آنی اور عذرا کو دیکھنا سننا دلوں اچھا لگتا ہے۔ (اچھا لگتا ہے) یہ سیریل بھی جلدی آپ دیکھیں گے۔ فیصلہ کر دیا ہوتا ہے کہ وہ زیادہ اچھا بولتی ہیں کہ زیادہ اچھی دیکھتی ہیں۔ ہمیں تو دونوں انداز اچھے لگتے ہیں عذرا چونکہ صاحب کتاب کی کزن بھی ہیں۔

مگر رشتے سے بہت کرا انہوں نے رضوانہ کے لیے جو کچھ کچھ کہا کچھ کے سوا کچھ نہیں کہا۔ انہوں نے کہا کہ ویسے تو پوت کے پاؤں پالے میں نظر آ جاتے ہیں مگر رضوانہ کے پاؤں سہمی میں نظر آتے ہیں۔ "اور خوب... نظر آتے ہیں کہ ان چند سالوں میں انہوں نے چار کتابیں اپنے قارئین کو دی ہیں۔ اللہ کرے زور قلم

ہیں ان کے بارے میں کچھ ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ بھتیوں کے تمام رشتے احترام کے تمام نامتے ہیں میرے ان سے۔ ایک دنیا آپ کی مداح ہے۔ قارئین پلیز اپنی اپنی جماعتوں کو اسٹاپ کہہ کر روک دیں کیونکہ رضوانہ پُرس نے اپنی اس غیر رسمی مغل کا غیر رسمی آغاز کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے عذرا انجم آپ اسٹیج پر ملیں۔" یوں اللہ تعالیٰ کے ام پاک سے اللہ تعالیٰ کا آغاز ہوا تو خواتین کا ازی پرانم سے سر اچاڑ پھر سعیدہ بائی نے بہت خوب صورت نعت پڑھی۔ تو کھلتے دیشان نے کمپیئرنگ کے فرائض نبھائے اور انہوں نے دل کھول کر اپنی کزن کی تعریف کرتے ہوئے ان کو شہزادی کا اعزاز دیا اور اس بات پر ہم بعد گفتے سے "بہت" ہیں۔ دیکھا پڑی وائرس کے اثرات۔ ہماری پیاری اردو کا پیارا لفظ "حق" ہیں۔

سب سے پہلے رضوانہ سہام شریف لائیں تو ان

ورشیدہ "جھمی" ذوال کرنے کی بات ہی اور ہے۔ ڈیز منزہ پہلے سے زیادہ حسین اور اسارت نظر آئیں۔ ماشاء اللہ اپنے بیٹوں کے ساتھ کھڑی ہوں تو ان کی چھوٹی بہن لگتی ہیں۔ منزہ ماشاء اللہ اپنا اتنا ہی خیال رکھیں کہ بہوؤں کی بھی چھوٹی بہن ہی لگیں، آئین۔ ان کی آنے والی (بہوؤں) سے سعدت۔

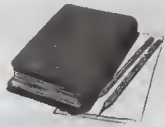
اپنی پیاری دوستوں ساڑھ غلام نبی اور سہارضا کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ بیان سے باہر ہے۔ لیجیے تقریب کے مہمانان گرامی آکر رہے ہیں۔ ہماری پیاری رضوانہ پُرس خوش رنگ تلی کی طرح اڑتی پھر رہی ہیں۔ اس تقریب کی خاص بات یہ بھی کہ رضوانہ کے بھائی مسلم بھائی، شاہین، اور اسد بھائی۔ جن کے بارے میں رضوانہ نے لکھا کہ جب وہ دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے بھائیوں کے ساتھ لکران کو سمندر میں بھیجے گا سوچا تھا۔ جب بچپن گزر گیا تو یہی بھائی عزیز از جان ہو گیا ہے، ہے نا رضوانہ..... یہ بھائی ہوتے ہی عزیز از جان ہیں تو اس تقریب میں ان کے بھائیوں، بھائیوں اور اہلی جان نے بھی شرکت کی بڑا رعبہ ایکپ ایک لڑکی جس کا نام میں بھول رہی ہوں۔ وہ ایکپ کو مایوس کرنے پر مامور ہے۔ رضوانہ بچوں کی طرح خوش ہیں اور بار بار بھائیوں سے پوچھ رہی ہیں۔ "ہائیں ابھی سب آکر ہے۔ ہاں بیٹا ذرا اسکرین کارڈ کی طرف کرنا تاکہ اسٹیج کی کارروائی سب کو نظر آئے۔ دیکھیں سب لوگ آئے ہیں، میرے سب دوست میری خوشی میں شریک ہوئے رضوانہ پُرس واقعی بچوں کی طرح بول کر دوشیٹے اپنے بھائیوں کو اپنی خوشی میں شریک کر رہی ہیں اور ساتھ ساتھ سب سے دل سے ان کے مہمانان کو اپنی محبت، خلوص اور دلہنہ سائیت سے رازے ہیں کہ وہ کبھی دوسرے کو احساس ہو جائے کہ ہاں میں بھی ان کے لیے سب سے اہم ہوں اور اگر اس محفل میں شریک نہ ہوتے تو اپنی محبت

اور عزت سے محروم رہ جاتے۔ دوست محمد یحییٰ صاحب ہرادی تقریب کا حصہ ہیں اور خوب ہیں، البتہ عدنان صدیقی کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔ نیچے رضوانہ پُرس کی محفل کے آجکل میں ڈیڑھ گھنٹہ کے چکر رہے ہیں مگر لگتا ہے پھر بھی میری طرح آپ کو محفل ذرا چمکی چمکی کی اور خاموشی لگ رہی ہے اور ہماری اس سوچ کے ساتھ ہی پاکیزہ کی روح رواں عذرا رسول انفرادی آپ کو پھر جیسے چرخوں میں روشنی نہ رہی۔ عذرا رسول کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کے بارے میں (سامعہ) ناظرین میں جنگ شروع ہو جاتی ہے کہ ہم عذرا دیکھیں یا ان کو سنیں اگر ان کے حسن میں کچھ جاسا تو ان کی بات سمجھ میں نہیں آتی اور جو ان کی فی البدیہہ سنیں تو لفظ اور بھی خوب صورت ہو جاتے ہیں۔ چک کلر میں اپنی خصوصی مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے سب کو ساتھ لگا کر حال تو چھا۔

"اور چمکے کھنے والی رخ تھہرا افسانہ ابھی آدھا چڑھا ہے۔" ہم نے سانس روک لی کہ جانے کیا کہیں۔ کہا جاتا پڑھا اچھا ہے۔ باقی پورا پڑھ کر بتاؤ گی۔ اف عذرا مئی اور پڑھنا افسانے کی اوجھڑی تعریف کے بعد کیا میں پوری تعریف تک سانس روکے رکھوں اگر آپ کو بقیہ افسانہ پسند نہ آیا تو..... ویسے قارئین عذرا سے پوری تعریف سننے کا ایک آسان طریقہ ہے۔ میرے ذہن میں، ہم رضوانہ پُرس سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ قاف اچھا سنا دال لکھ کر اس کی رونمائی کی تقریب منتقل کریں تاکہ ہم اپنی روکی ہوئی سانس لے سکیں۔ دیکھیں انجم میں نے آپ کا نام بھی نہیں لیا اور سب مہمان جان گئے کہ اس خوب صورت می محفل میں جو کئی سی سی دی ہوا قاری انتہائی اچھی اور انصاف شریقی انجم بیٹھتے منع کرتی ہیں۔ "پنجا سیرت بارے میں کچھ نہ لکھا کرو۔" تو دیکھ لیجیے انجم شریک کئی

ورشیدہ "جھمی" ذوال کرنے کی بات ہی اور ہے۔ ڈیز منزہ پہلے سے زیادہ حسین اور اسارت نظر آئیں۔ ماشاء اللہ اپنے بیٹوں کے ساتھ کھڑی ہوں تو ان کی چھوٹی بہن لگتی ہیں۔ منزہ ماشاء اللہ اپنا اتنا ہی خیال رکھیں کہ بہوؤں کی بھی چھوٹی بہن ہی لگیں، آئین۔ ان کی آنے والی (بہوؤں) سے سعدت۔

اپنی پیاری دوستوں ساڑھ غلام نبی اور سہارضا کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ بیان سے باہر ہے۔ لیجیے تقریب کے مہمانان گرامی آکر رہے ہیں۔ ہماری پیاری رضوانہ پُرس خوش رنگ تلی کی طرح اڑتی پھر رہی ہیں۔ اس تقریب کی خاص بات یہ بھی کہ رضوانہ کے بھائی مسلم بھائی، شاہین، اور اسد بھائی۔ جن کے بارے میں رضوانہ نے لکھا کہ جب وہ دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے بھائیوں کے ساتھ لکران کو سمندر میں بھیجے گا سوچا تھا۔ جب بچپن گزر گیا تو یہی بھائی عزیز از جان ہو گیا ہے، ہے نا رضوانہ..... یہ بھائی ہوتے ہی عزیز از جان ہیں تو اس تقریب میں ان کے بھائیوں، بھائیوں اور اہلی جان نے بھی شرکت کی بڑا رعبہ ایکپ ایک لڑکی جس کا نام میں بھول رہی ہوں۔ وہ ایکپ کو مایوس کرنے پر مامور ہے۔ رضوانہ بچوں کی طرح خوش ہیں اور بار بار بھائیوں سے پوچھ رہی ہیں۔ "ہائیں ابھی سب آکر ہے۔ ہاں بیٹا ذرا اسکرین کارڈ کی طرف کرنا تاکہ اسٹیج کی کارروائی سب کو نظر آئے۔ دیکھیں سب لوگ آئے ہیں، میرے سب دوست میری خوشی میں شریک ہوئے رضوانہ پُرس واقعی بچوں کی طرح بول کر دوشیٹے اپنے بھائیوں کو اپنی خوشی میں شریک کر رہی ہیں اور ساتھ ساتھ سب سے دل سے ان کے مہمانان کو اپنی محبت، خلوص اور دلہنہ سائیت سے رازے ہیں کہ وہ کبھی دوسرے کو احساس ہو جائے کہ ہاں میں بھی ان کے لیے سب سے اہم ہوں اور اگر اس محفل میں شریک نہ ہوتے تو اپنی محبت



پاکستان کے عظیم شاعر عظیمی شاد سید

حمد باری تعالیٰ

صنعت گری ہے جس کی زمانے کو ناز ہے
اس کے حضور میری جنین ناز ہے
جب کُن کے دو حرف کو دیکھا تو یہ کھلا
دروازہ جلوہ گاہ دو عالم کا باز ہے
ظاہر ترا جمال ہے، اسے رب کائنات
تیرے کرم سے میری نظر پاکیزا ہے
اب دل میں کوئی ہے صدا "اللہ" کی
روشن حرم غم میں چراغ نماز ہے
جلوے خدا کے حسنِ خدائی ہیں اور کیا
اخبار کائنات تجھ لائے ناز ہے

مرسلہ: سب فرح امجد، ناؤن شپ لاہور

نعت رسول مقبول ﷺ

دل میں آقا کی محبت چاہیے
عشق نبوی ﷺ میں صداقت چاہیے
زندگی اس کی ہے جو ان کا ہوا
ہر عمل میں اُن کی سیرت چاہیے
نعت کے لکھنے کی خاطر اے خدا
حرف پہ لفظوں پہ قدرت چاہیے
میں غلام ابنِ غلام ابنِ غلام
مجھ کو بس آقا سے نسبت چاہیے
ان کی سیرت سے ہو وابستہ حیات
زندگی کو وہ حقیقت چاہیے
رحمتیں بس رحمتیں بس رحمتیں
رحمتِ عالم کی رحمت چاہیے

☆☆☆

اور زیادہ آئیں۔ جب دوست محمد فیضی صاحب آئے تو
توجہ فی کدو اپنی مزے دار باتوں سے دیر تک مایک
پر کھڑے رہیں مگر انہوں نے چند باتیں کی اور ان
کی شوخی باتوں نے فضا کو خوشوار کر دیا۔ اس تقریب کی
سب سے خاص بات اور خاص مہمان فیضی صاحب
کے بھانجے 6 سالہ عرتے جنہوں نے علامہ اقبال، میر
جیسے استاد کے اتنے مشکل شعر جن کو اردو ادب
پڑھنے والی زبان کی باطلا بایاں کھا جایا کرتی ہے
اس نغمے کو ان سے پکارے انداز آواز میں سنائے
کہ سب کو ان پر پیارا آگیا۔ اللہ کرے کہ ہر گھر میں عمر
میں جیسے استاد کو پڑھنے والے عہدوں۔ ورنہ تو آج
کے بچے عارفِ اسلم کی شاعری یاد کرتے اور گاتے نظر
آتے ہیں۔

پھر عدنان صدیقی آئے انہوں نے آتے ہی
کہا۔ رضوانہ صاحبہ میں سے آپ کا یہ ناول پڑھا نہیں،
اس لیے رائے نہیں دے سکتا مگر رضوانہ پرس تپ
گئیں۔ چل جھومنے تم نے یہ ناول پڑھا ہے۔
موصوف بھنرتے کہیں پڑھا۔ دودوں کی نوک جھونک
چلتی رہی۔ رضوانہ بی آپ نے ناول ان کو نہیں دیا تھا
ناں اسی لیے انہوں نے پڑھنے سے انکار کر کے بدل لیا
ہے۔ عدنان بھادونٹ درمی مول شہید بیاری خاقان
ہوسکتا ہے آپ کو اسی ڈرامے میں ہیرو کاٹ
کر لیں۔ سب سے آخر میں ہماری انجمن آئیں۔ تو
دل چاہ رہا تھا کہ ان کے خوب صورت کچھ میں ڈھلے
الفاظ کو ڈیر مارا اور دیر تک سنا جائے مگر انہوں نے
اجتنابِ وقار کے ساتھ کہا کہ رضوانہ بیوت اچھی لکھاری
ہیں۔ انہوں نے دیر سے لکھنا شروع کیا ہے اور چونکہ
گفتہ نے رضوانہ کو شہزادی قرار دیا ہے اس لیے
انہوں نے تمام حاضرین کو شہزادے اور شہزادیاں قرار
دے کر کہا کہ ظاہر ہے شہزادی کی محفل میں ان کے ہم
پلہ ہم مہمان بھی آئیں گے۔ اس تقریب میں ہمیں

رحمتوں کے سائے میں زندہ رہوں
مجھ کو یارب ایسی قسمت چاہیے
شاعر: عظیمی شاد سید
مرسلہ: امینہ عنایہ، سلاواٹانی

توبہ کے دار

ہر روز سورج طلوع ہو کر غروب ہوتا ہے تو
وہ اللہ کے پاس جا کے حمد کرتا ہے اور اجازت طلب
کرتا ہے دوبارہ طلوع ہونے کی پھر ایک دن ایسا
آئے گا جب اللہ تعالیٰ اسے طلوع ہونے کی اجازت
نہیں دیں گے تب جو لوگ فجر کی سنتوں کا انتظار
کر رہے ہوں گے وہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی
قدرت دکھا رہے ہیں اور جو لوگ غفلت میں ہوں گے
وہ رات سمجھ کر بچھو جائیں گے۔ یہاں تک کہ سو سو کر
تھک جائیں گے تب گہرا کر انہیں سے بھر میں دن
کے بعد سورج طلوع ہو گا مگر غروب سے اور یہ وقت
ہو گا جب توبہ کے درندہ گردے چاہیں گے۔

(صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 709)

مرسلہ: صدف اعف، کراچی

منہ سے نکلی بات

ایک شخص امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ کی
خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ میں نے
خواب میں دیکھا کہ ایک چھوٹے سوراج سے بڑا
تیل لٹکا ہے اس نے ہر چند چاہا کہ دوبارہ سوراج میں
جائے وہ نہ نہ جا سکا۔ آپؓ نے تاویل میں فرمایا کہ وہ
تیل "بات" ہے جب منہ سے نکلتی ہے تو پھر ایسا نہیں جاسکتا۔
از: فرحت امجد، بخش جدید، فیئر 1 کراچی

خوشی کی دھوپ چھلنے بھی نہ دے گی مجھے
میرے سر پہ ہے تیرے بھری چادر جاناں
آج شب تندر کو تیریں کی کرن پھر اکھیں
دہی گزرے ہوئے لمحات سوچ کر جاناں
شاعرہ: مہناز کرن، پشاور

کیا دھوپ میں بارش ہوتی ہے

جب میں نے اس سے پوچھا تھا
کیا دھوپ میں بارش ہوتی ہے؟
وہ ہنسنے ہنسنے رونے لگی
اور دھوپ میں بارش ہونے لگی
وہ ناؤنگی میں سر جھانکی
اور درو رکھنے سے کہنے لگی
تم چھوڑ نہ جانا اوسمان
دل تو نہ جانا اوسمان
تم کیا جانو دھوپ کی بارش؟
تم کیا جانو بھر کا غم
جب تم دور تھے مجھے سے اوسمان
میرے ہاتھ کی چوڑی اور نگین
جب گیت تہارے گاتے تھے
مجھے یاد ہوتے تم آتے تھے
میں ہنسنے ہنسنے روتی تھی
اور دھوپ میں بارش ہوتی تھی

مرکز: امینہ عذیب، سلاوالی

خوب صورتی

ہو آپ کے جسمانی غدو خال کی خوب صورتی
سے بڑھ کر آپ کا رویہ خوب صورت ہونا چاہیے.....
یہ مجھوں اور تصادیر سے بڑھ کر آپ کے لیے خوشی کا
سامان مہیا کرے گا کیونکہ یہ ایک بہترین نم ہے۔
ہم خوب صورتی اور سن کی تلاش میں دنیا
کی خاک چھانتے رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ ۷۰ رے اندر

اور انھیں سمجھ کر

تمام در و قدام آنسو اپنے اندر اتار لے
شاعرہ: پروین عذر رشید، کراچی

کالی صراحی

☆ سورج اور بیوی میں ایک بات مشترک
ہے۔ دونوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا جاسکتا۔
☆ شادی..... ایک ایسا بندن ہے جس میں دو
شریف آدمیوں کو خواہواہ آپس میں لڑنے پر مجبور کر دیا
جاتا ہے۔

☆ شادی..... درود دل کا علاج ضرور ہے لیکن
اس سے بہت سے درد سر پہلے پڑتے ہیں۔

☆ شادی محبت کا نام ہے اور محبت اندھی ہوتی
ہے اس لیے ایک ایسا اوارہ ہے جو اندھوں کے لیے
قائم کیا گیا ہے۔

☆ محبت چار حروف اور دو احمقوں پر مشتمل
ہوتی ہے۔

☆ اس کام کو کل پر نہ لائیں، جو پروں ہو سکتا
ہے۔

☆ محبت ایلچ پھک میڈیسن کی طرح ہے جو
ایک پریشانی ختم کرتی ہے تو دوسرے پیدا کرتی ہے۔

☆ اپنے کرتوتوں کا نظریاتی جواز پیدا کرنے کا
نام غلامی ہے۔

از: عفت شعیب، پنجاب

غزل

بہت اداس سے گتے ہیں ہام و در جاناں
گمایا ہے آج تجھے کون چھوڑ کر جاناں
اب تو اٹھوں سے بھی راتی ہیں اکھیں میری
جسمی پھر تے ہیں میرے خواب در بدر جاناں
لحہ بھر کو مجھے ملنے نہیں دیتا مجھ سے
کوئی رہتا ہے میری ذات کے اندر جاناں

ہے۔ حساس بھی بہت ہوں ہر کسی کا دکھ اپنا دکھ لگتا
ہے۔ پاکستان کی حالت دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا
ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ ارض پاکستان کو قائم و دائم
رکھے اور نظریہ بد سے بچائے۔ میں بس اپنے پاکیزہ کی
پیاری اور پھول جیسی قارئین کو یہ پیغام دینا چاہتی
ہوں کہ ”ہر کسی کے ساتھ محبت اور غلوں سے چیں آؤ
کیونکہ یہ فاصلوں کو کم کر دیتا ہے۔“
شازیہ ہاشم، ضلع قصور

ہم لوگ

ہم لوگ جنت میں جانا چاہتے ہیں پر مسجد
کیوں نہیں جاتے۔ رشوت تو دے سکتے ہیں پر عریض
کو کھانا کیوں نہیں کھاتے۔ غیبت تو کر لیتے ہیں پر
اچھے کام کی تبلیغ کیوں نہیں کرتے۔ گانے گاتے ہیں
درد کیوں نہیں پڑتے تین گھنٹے کی فلم تو دیکھ سکتے ہیں
پر دس منٹ کی نماز ادا کیوں نہیں کر سکتے۔ سوچنے کا
ضرور.....؟

از: جبین ہاشمی بھیرہ

نظم

شام کے تلخ اندھیروں میں
میری ٹیکل، دوستوں کے دیے ہوئے
تجھوں، پھولوں اور کارڈ سے بھری ہے
سنانوں میں پھولوں کی خوشبو اب تک
کمرے میں پھیلی ہے
لیکن دل اداس ہے

میں نے پھولوں کی ویسی سہمی شاخ
دراز سے نکالی جو ٹیکل سا لگتا ہے
وسیتے ہوئے تم نے کہا تھا
اس کے سر جھانے سے پہلے میں لوٹ آؤں گا
میں نے اپنے نقشہ سیکھتے ہوئے لب
محبت اس سر جھانے ہوئی شاخ پر رکھ دیے

انٹرویو کا رنر

ڈیر پاکیزہ قارئین! السلام علیکم، میں آپ کے
لیے انجلی سہی لیکن آپ ساری باتیں میری اپنی ہو۔
آپ بھی حیران ہو رہے ہوں گے کہ میں کون ہوں
جلیلین میں اپنا تعارف کروا رہی دیتی ہوں۔ میرا نام
شازیہ ہاشم ہے۔ میرا تعلق ضلع قصور کے قاضیوں.....

کھلیاں خاص سے ہے۔ حال ہی میں، میں نے ایم اے
پارٹ ون ان اردو امتیازی نمبروں سے پاس کیا ہے
اور پارٹ ٹو کی تیاریاں جاری ہیں۔ میری تاریخ
پیدائش 25 دسمبر ہے۔ اور کبھی کورن ہوں لیکن
اسٹار پر بالکل یقین نہیں رکھتی۔ صرف اس ذات الہی
پر بھروسہ ہے جس نے مجھے اور آپ کو پیدا کیا ہے۔ ہم
آٹھ بہن بھائی ہیں۔ میں تیسرے نمبر پر ہوں مجھے اپنے
سب بہن بھائیوں سے والہانہ محبت ہے۔ مجھے
رشتوں میں ”مان“ کا رشتہ بہت پسند ہے۔ میں اپنی
مماس سے بہت پیار کرتی ہوں اور اپنے ابو سے تو میں
بے حد پیار کرتی ہوں۔ میری کبری دوستوں میں ٹیلہ
اور صائمہ شامل ہیں۔ میری فوڈرٹ شخصیت سیدنا دو
عالم حضرت محمد ﷺ کے ذات مبارک ہے اور میری
پسندیدہ کتاب قرآن مجید ہے۔ جس کی تلاوت میں
تقریباً دن میں تین مرتبہ کرتی ہوں اور اس کے علاوہ
جامعہ میں تفسیر بھی پڑھاتی ہوں اور اقراء ابنہ الاطفال
کی ایڈیشنر ہیں۔ میری خواہش یہ ہے کہ میں اور
میرے پیارے والدین حج کریں اور روضہ القدس
ﷺ کی زیارت کریں اور ان پیاری جالیوں کو چوم
کے آنکھوں سے لگاؤں۔ مجھے سلامتی کے علاوہ ہر کام
آتا ہے۔ اب میں اپنی تعریف تو کیا کروں لیکن
برائیاں بنا دیتی ہوں اور است ہوں، غصہ جلد آتا ہے
لیکن اتنی ہی تیزی سے ختم ہو جاتا ہے، بے پروا بہت
ہوں اسی بے پروا کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑتا



جلتنگ

جس میں ہیرن موتیوں کی مھاروں والا پردہ ہٹا کر
ساڑی کا پلنگہ سے لے کر اکر آتے ہوئے اپنے
گاہک نما مہمان سے کہہ رہی تھی۔ ”اودہ۔۔۔ آپ
آگئے۔۔۔ کتنے دن باہر رہے آپ شہر سے کچھ اندازہ
بھی ہے آپ کو۔۔۔“

”آخا۔۔۔ آج آپ آئی گئے۔“
”خیر تمہارا دماغ خراب ہے۔۔۔ ناگ
ٹوٹی ہوئی تھی۔ تو میں کیسے آتا لاہور۔۔۔“ گز بڑا
کرس میں بڑبڑاتا ہوا ہاں سے نکل گیا تھا۔

میری طبیعت پوچھنے کو بڑی امی آئیں تو
انہوں نے بتایا۔ ”اس اتوار کوشاڑی کی کھنٹی ہو رہی
ہے۔ مگر لاگائیں آ رہا۔۔۔ میں نے تو کہا ہے کہ اس کو
بھی لے کر آئیں، ابھی تک لڑکا دیکھا نہیں ہے
ہمارے بھائیوں نے کراس کو ٹائم ہی نہیں مل رہا۔“

”ممائی جان دو فضا کی مرلیں ہوگا۔۔۔ سرخ
پھولوں سے اور تیز چپکنے والی چیزوں سے ڈرتا
ہوگا۔۔۔ اگر بالقرض اس کے گھر والی زبردستی اسے
لے آئیں تو آپ عجب چیزوں سے اسے چپک
بھی کیسے گا۔۔۔“ میں ان کے بڑے زاویے دیکھ کر
بھی نہیں سمجھ پایا کہ انہیں میری باتیں ناگوار محسوس
ہو رہی ہیں۔

”ارے بیٹا۔۔۔ ہمارا داماد ایسا ہے کہ دیکھنے
دکھانے کے لائق ہے۔ ابھی تک ہمارے خاندان
میں تو ایسا کوئی نہیں آیا ہے۔ خاندان والوں کو تو
دکھانا ہی نہیں چاہیے۔ بغیر دیکھے ہی مل جل کر
کواس کرتے پھر رہے ہیں۔“

یادوں کی مالا پرومیں گے ہر دم
شاعرہ: خالدہ نسیم بلندن

غزل

عشق کی چنگاریوں سے ہر خوشی جلنے لگی
وہ تسلی کیا کرے جب زندگی جلنے لگی
آج میرے حال پر کوئی بھی روئے گا نہیں
بے بسی سے بھی میری اب تو ہنسی جلنے لگی
ساتھ کیا دے گا کوئی جب ساتھ چلنا ہی نہیں
آرزوؤں کی خوشی کی۔ ہر کٹی جلنے لگی
سکھایا، آئیں، خلش اپنا مقدر میں سن
کیا بھی ہے پاس اپنے ہر خوشی جلنے لگی
اب کسی سے کوئی شکوہ نہ لگ کر تاجی
آخری سانس ہیں اب تو روح بھی جلنے لگی

شاعرہ: سمیرا اشتیاق، قطر

دولت اور صحت

شع سحری فرماتے ہیں کہ انسان بھی کیا چیز
ہے؟ دولت کمانے کے لیے اپنی صحت کھودیتا ہے اور
پھر صحت کو واپس پانے کے لیے اپنی دولت کھودیتا ہے
مستقبل کو سوچ کر اپنا حال ضائع کر دیتا ہے پھر مستقبل
میں اپنا نام نہی یاد کر کے روتا ہے جتنا ایسے ہے جیسے کبھی
مرتا ہی نہیں ہے اور مرایا جاتا ہے جیسے کبھی جا ہی
نہیں۔

ان: فائزہ شہزاد، حیات آباد پشاور

شعر مندرجہ

انگلش چور سے بولا۔۔۔ تیرے بڑی دلیری سے گھر
کی دیوار چھلا گئی۔ بڑی آسانی سے زیور چرایا اور بغیر
آہٹ کے رو چکر ہو گئے۔“
چور شرماتے ہوئے بولا۔۔۔ ”جناب اتنی تحریف
کر کے شرمندہ تو نہ کریں۔“
مرسلہ: رفعت مبین رنی، کراچی

موجودہ ہوتی چاہے اگر یہ ہمارے اندر موجود نہیں ہے تو
ہم اسے کہیں بھی نہیں پاسکتیں گے۔

بٹا ایسی زبان سے بڑھ کر خوب صورت کیا ہوگا
جو کدو فرب سے عاری ہے۔۔۔ ایسے کانوں سے
بڑھ کر کیا خوب صورت ہوگا جو جھٹ آجی باتیں سنتے
ہیں۔۔۔ ایسی آنکھوں سے بڑھ کر کیا خوب صورت
ہوگا جو جھٹ دوسروں کی اچھائیاں ہی دیکھتی ہیں۔۔۔
ایسے مزاج سے بڑھ کر کیا خوب صورت ہوگا جو
دوسروں کا ناکار نہیں کرتا۔۔۔ اور ایسی خیرات سے
بڑھ کر کیا خوب صورت ہوگا، جس سے دوسروں کی
بہت سی پریشانی اور مسائل حل ہو جاتے ہیں۔
مرسلہ: تانی چوہدری۔۔۔ آکسفورڈ یو کے

جدائی کا موسم

بہاروں کی رت میں جدائی کا موسم
ادا کی ہے دل میں آنکھیں ہیں پریم
نہ آنکھوں میں کاجل نہ ہاتھوں میں سحر
کہاں گم ہوئی ہم سے گیتوں کی سرگم
بہاروں کی آمد سے پھولوں کا کھلنا
موسم کی خشکی اور یوں دلوں کی دم جھم
چپک تھی نظر میں کروں کے ماند
مچ دم ہو جیسے پھولوں پہ شبنم
زمانہ محبت کا ایسے ہے گزرا
سمندر کی لہروں کا جیسے ہو سنگ
فسانے ہوئے اب مگر سچی حقیقت
تھا پتا نہی کہ نہ چھوڑیں گے ساتھ ہم
اجل نے ہے توڑا ہے بندھن وفا کا
رضا جو ہے تیری اسی میں ہیں خوش ہم
نہانی میں ہم کو محبت کی ریشیں
چھڑکے ہوئے دور پھر بھی ہیں باہم
نہیں کونہہ سکتے کجروں میں کلیاں

ممائی کی بکواسیات سن کر ظاہر ہے مجھے چپ رہنا ہی تھا۔ بسا اور بھائی بھی کسی شادی سے آئے تو شرمیلے دولہا کی تعریفیں کرتے نہیں تھک رہے تھے وہ سہرا ڈال کر آیا تھا۔ اور مسل نظر میں نیچی کیے منہ پر رومال رکے بیٹھا رہا۔۔۔۔۔ آج کل کے لڑکے ایسے کہاں نظر آتے ہیں۔۔۔۔۔

”بسایا۔۔۔۔۔ دولہا تبدیل ہو گیا ہوگا۔۔۔۔۔؟“

میرے ذہن میں چھوڑ کر داروں ہو گیا۔

”کیا مطلب؟۔۔۔۔۔؟“ بھائی نے آگے بڑھ کر پٹ پٹا میں کی تقریب اُن کی ٹیلی کی جس کی تعریفیں بھائی کر رہے تھے۔

”میرا مطلب ہے کہ سہرے کی آڑ لے کر وہ دولہا آ گیا ہوگا جو دلہن کو چاہتا ہوگا۔ اس نے اصل دولہا کو کہیں بے ہوش کر کے چھپک دوہوگا اور خود تقریب میں سہرے کی آڑ لے کر آ گیا ہوگا۔“

”اختہ تمہارا دامخ خراب تو نہیں ہو گیا۔ پاگل تو نہیں ہو گئے تم۔“ اب میں اُن سے کیا کہتا کہ جو شخص زندگی میں پہلی مرتبہ اسنے ڈھیروں ڈھیر چیتو چھہ پھٹے تک مسلسل دیکھا رہا۔۔۔۔۔ تو بڑی ملک کی نشریات کے طلسماتی ڈراموں کا اثر بالآخر کچھ نہ کچھ تو پڑتا ہی تھا۔ اس میں میری غلطی کہاں تھی؟ آپ ہی بتائیں۔

☆☆☆

ایب نارمل شوہر

راشدہ خالہ کی ننہ کی بھانجی ما کے میاں کے قہے ہمیں اس وجہ سے بھی معلوم تھے کہ اُن کا گھر ہمارے پڑوس میں تھا۔

شرافت بھائی شرواد آڈٹ کی تفسیر تھے۔ گھر کے ایک، ایک ماں میں گھسا کر تھے۔

”یہ جیتی کے ڈبے کا ڈھکن کیوں کھلا ہوا

ہے؟“

”تمک کے ڈبے میں یہ مرہیں کیسے ل گئیں؟“

”گھاس کھینچے کیوں ہیں؟“

”جانے کی دیکھی صاف سمجھی کیوں نہیں؟“

”بار بچی خانے کی صافی اتنی گندی کیوں ہے؟“

”گھر میں اتنا پھیلاوا کیوں بچایا ہوا ہے۔۔۔۔۔“

گھر میں آکر طبیعت میں ڈپریشن محسوس ہو رہا ہے۔

ہا ہا ہا لاکھ تاویلیں پیش کر تیں۔۔۔۔۔ بچہ پیار ہے۔

”آج سر میں درد ہے۔“

”آج ماسی کام کرنے نہیں آئی۔“

مگر وہ اُن کی کسی بات سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب شرافت بھائی گھر میں قدم رکھے تو ایسا لگتا کہ کوئی بھونپال آ گیا ہے۔ ہا ہا ہا کی چہرہ پر بیٹان سا ہو جاتا تھا۔

یہی حالات بڑی چچی کے ہاں کے تھے۔۔۔۔۔

ولید بچا جب اسنے اُس سے رٹناڑ ہوئے تھے گھر میں ان کی حیثیت کی لاکھ ساکس سمجھی ہو گئی تھی۔

”بیمہ! یہ تمہارا بیڑا ابھی تک سو کیوں رہا ہے؟“

”نیں! وہ رات دیر سے آیا تھا۔۔۔۔۔ چچی چپے کی طرف داری کر تیں۔

”اگر وہ رات کو دیر سے آئے گا تو سارا دن بے ہوش پڑا رہے گا۔“

”یہ لہانے کی میز پر ہر وقت برتن کیوں رکھے رہتے ہیں؟“

”نئے خلیفہ قائم آتے ہیں۔۔۔۔۔ سب کے کھانے پینے کا قائم مختلف ہے ناں۔۔۔۔۔ وہ دو ہفتیں

پیش کرتیں۔

”بیمہ! تمہارے چلا لیا کرو۔۔۔۔۔ باورچی خانہ کوئی دوکوس پر نہیں ہے۔ وہاں سے دوبارہ بھی جیزر لی لائی جاسکتی ہیں۔“

”اُف خدایا، یہی پچوڑ ہو رہی۔۔۔۔۔ چارون کے اگلی پر کپڑے سوکھ رہے ہیں اور تم نے انہیں اٹھایا نہیں ہے۔“

”اُف، تم نے الماری کے اوپر لکھ کا کاڑی سا مان رکھ دیا۔۔۔۔۔ کسی کے گھر میں الماریوں کے اوپر آرائشی اشیاء بھی نظر آتی ہیں اور ہمارے گھر میں تمام کاٹھ کماز۔۔۔۔۔ ولید بچا کچھ اس قدر تنگ مزاج ہو گئے تھے کہ اُسے کا خیال بھی نہیں رکھتے تھے۔

حب بے چاری چچی بڑی آرزو کی کہ کبہا کرتیں۔

”بیوی کی عزت بھی آتی جانی شے ہوتی ہے۔

آگئی اور چلی گئی۔۔۔۔۔ اور ہماری تو زیادہ تر جاتی رہتی ہے۔“

حب میں نے اُن سے ہنس کر کہا تھا۔ ”آپ کی عزت تو بجلی ہو گئی کہ اتنی آتی نہیں ہے جتنی جاتی ہے۔“

”ہاں! انہوں نے کچھ ایسے دھم بھرے لہجے میں کہا۔ مجھے احساس ہوا کہ ان کی ان خوشیوں نے ان کی ذاتی حالت پر خاصا گہرا اثر ڈالا ہے۔ ایسے حالات ہمارے معاشرے میں کوئی کم تھوڑی ناں ہیں۔ میں واقعی اندازہ کر سکتی ہوں۔۔۔۔۔ ان پریشانیوں کا جو حلقہ مند، گھسور اور ایکٹو شوہروں کی بیویوں کو مار گاتی ہیں۔

میں ذاتی طور پر شوہروں کی ایسی ٹیکری کو انبار قرار دیتی ہوں جو گھریلو دھندوں میں ملوث ہو کر اپنی بیویوں کو پھوڑ کر قرار دینے کی ہم میں سرخرو ثابت ہوتے ہیں اور بے چاری بیویوں کی ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ (ظالم کہیں کے)

میرا یہ فرمان ذاتی ہے کہ گھر کی سلطنت میں شوہر کو چھپڑ چھڑا کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ ملکہ عالیہ کے اختیار اعلیٰ کرنے کی اجازت نہیں باؤشاہ سلامت کے مداخلت کرنے کی اجازت نہیں ہوتی چاہے مگر اس کے باوجود اکثر لوگ کرتے ہیں۔۔۔۔۔ دراصل بیوی کو ہر شوہر دبا کر اور کھسا کر از حد خوش ہوتا ہے خبر اکثر مرنے کی بھی کھاتے ہیں۔ بعض بیویاں آمرانہ رویہ رکھتی ہیں مگر زیادہ تر شوہر اپنے مقاصد میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ آہ۔۔۔۔۔ چالاک کہیں کے۔

مجھے شوہروں کی گھن کرغ والی کوائی ڈرا برابر پسند نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے سنے متاقلے کا موضوع بھی ”اُف۔۔۔۔۔ بے چاری عورت“ ہے۔

جس کا عالمی دن صرف آٹھ راج کوئی سنایا جاتا ہے۔ پورے سال میں۔۔۔۔۔ صرف ایک دن۔۔۔۔۔ آہ کو یا قرآن نساواں تین سو پونٹھ دن اور حقوق نساواں صرف ایک دن۔

خیر اپنے فرائض کو فرائض سمجھتے ہی سکتے لوگ ہیں۔ ہاں تو بات ہو رہی تھی انبارل شوہروں کے بارے میں۔۔۔۔۔ جن کی باتیں بے چاری بیوی پر پتھر بن کر لگا کر لیتی ہیں اور وہ دھکی بے چاریاں اپنے دکھ کسی کو بتا بھی نہیں سکتیں۔ میری بات کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ کسی شوہر کو بیویاں نہیں چاہیے۔

بولنا چاہیے۔ بالکل بولنا چاہیے۔

بچی ہاں۔۔۔۔۔ باتوں شوہر، ہر بیوی کو اچھا لگتا ہے۔ ہر شخص کو اپنے گھر میں خوب بولنا چاہیے مگر کیا بولنا ہے یہ دراسب شوہراں اپنی، اپنی ڈائریوں میں نوٹ کر لیں۔

”بہت بہتر بیگم۔۔۔۔۔“

”جو آپ کا حکم۔۔۔۔۔“

”ایسا ہی ہوگا جیسا آپ نے کہا ہے۔۔۔۔۔“



میرا انتخاب

آمنہ حصار

جذبات کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس کو تہذیب وادب نے سرگودھا سے منتخب کیا ہے۔

مشورہ

تجھیں تلاش ہے جس کی
وہ تجھ کو تلاش ہوں
بھٹک رہے ہو کہاں
یہ تم کو گوراندھر سے

نہ آسان پتہ تارے
ذرا سے تن چارخ
نہ جگنو کی چمک تاریں کہیں دھڑکتی ہیں
تو پھر تارے تھے

ایسے گوراندھر سے میں
مری تلاش ہے کیا تم کو قائدہ ہوگا
کہ اس تلاش سے پہلے بہت ضروری ہے
دل و دماغ کی چٹائی کو بحال کرو
اور رک جاؤ، اپنے ساتھ لے کے چلو
خدا خدا اس تم کو گوراندھر پر لے کر آؤ
تو ایک کام کرو

مجھے ضروری تھے چہرے اگر جاننا
تو پھر تلاش مجھے میری روشنی میں کرو
کہ میں چارخ بھی ہوں
راستہ بھی، منزل بھی



اور اک کا ایک پوری زندگی پر بھاری ہوتا ہے
مگر کسی کبھی اپنے ساتھ یا تو زندگی کی ساری رشتائی اور
دلکشی سمیٹ کر لے جاتا ہے یا پھر روشنی کی کرنیں سمیٹ کر

شاعری نرم دناؤ کے جذبات کی اساس ہے.....
اظہار کے بنا جذبات سے مول رہ جاتے ہیں۔ جس
طرح خوشبو کے بغیر پھول..... شاعری اظہار کا ایک
خوب صورت ذریعہ اور طریقہ ہے۔ جوش خلق آبادی
بھی تم زدہ محبت کے حصار میں قید ہیں۔ اس غزل کا
انتخاب مول رزاق نے ادا کاڑھ سے کیا ہے۔

غزل

دل مجھ گیا ہے سینہ خالی ہو گیا ہے
بیٹھا ہوا ہوں حیران چمکے ہو گیا ہے
کس نے یہ نصف شب میں بچھڑا رہا یہاں
ہستی کا ذرہ ذرہ مدھوش ہو گیا ہے
کس ذریعہ میں رواں ہے دیئے غم کا دھارا
آیا ہے جو وہ اپنی منہی ڈھو گیا ہے
آتا ہے مجھ کو کیا کیا بے اختیار رونا
جب کوئی پوچھتا ہے کیا تجھ کو ہو گیا ہے
آکھلے ہو تو تم ہی کچھ دل کا حال سن لو
کرزا ہے جو بھر سے کچھ دیر ہو گیا ہے
کل شب کو چاندنی میں بھڑکائی یاد آئی
ہم جانتے تھے دل سے وہ سو ہو گیا ہے
چہرے پر مردنی کی چھائی ہوئی ہے گویا
دو دن میں جوں تیرا کیا حال ہو گیا ہے



شاعری انسانی کیفیات اور جذبات کو اجاگر
کرنے کا نام ہے..... شاعر اپنے جذبات کو خوب
صورت لفظوں میں کاغذ پر اتارتا ہے جسے شاعری کا
نام دیا گیا ہے۔ رحمان خاور اپنی نظم مشورہ میں اپنے

کے نامے ایسا روایت کرتے ہیں۔

نہیں بھئی، ایسی کوئی بات نہیں ہے..... اگر
میرا نام شگفتہ کریم ہے تو میرے نام کے اثرات سونی
صدر میری شخصیت میں رہے ہیں۔ مجھ جیسا خوش
مزاج تو شاید ہی کوئی ہو۔ آپ بے شک میرے
اشاف سے آکر پوچھ لیں کہ وہ سب مجھ سے کتنی
خوش ہیں۔

میں کسی ایک سے کام کوئی کام کہوں تو چار،
چار تیار ہو جاتی ہیں۔ اب ایک چھوٹی سی بات ہے
کہ کچھ عرصے سے میری کل وقتی ملازمہ چھٹی پر اپنے
گاؤں گئی ہوئی ہے۔ مجھے بے حد تکلیف ہو رہی تھی۔
گھر کو دیکھوں یا اسکول کو..... تب ایک ساتھ کئی
نچھڑ پولیس، میڈم! آپ نے ہم سے کیوں نہیں
کہا..... ہمارا گھر تو آپ کے گھر کے قریب ہے۔
صرف دو بیس بدل کر آنا پڑتا ہے۔ وہ دن ہے اور
آج کا دن گھر کی صفائی، روٹی، سالن تک کا کام
میری نچھڑ خود آکر کر جاتی ہیں۔ میں نے اپنی
ملازمہ کو کبھی پیغام بھجوایا ہے کہ اب آنے کی کوئی
ضرورت نہیں ہے۔

اب لوگ بے شک جلتے ہیں تو میری بلا سے۔
اللہ تعالیٰ نے اگر میری قسمت میں آرام کھسا ہے تو وہ
ضرور مجھے ملے گا، اللہ نظر بد سے بچائے۔ میری نچھڑ
بہت اچھی ہیں۔ مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں ظاہر
ہے میرا حسن سلوک اچھا ہوگا جو وہ میرے کام آتی
ہیں۔ میرے گھر پر آنے والی چاروں نچھڑ کا نام
نخیل اُن کی اپنی مرضی کے حساب سے دیا ہے اب
اگر باقی اشاف شور مچاتا ہے اور انہیں نیچوں کے نام
سے پکارتا ہے تو میری بلا سے ایسے شہرند لوگ تو ہر
جگہ ہوتے ہیں، ہے ناں.....



”تیکم آپ نے تو میرے مدد کی بات چھین لی
ہے.....“
”میں میڈم.....“
”جب جب آپ کی بات مانی ہے ہمیشہ فائدہ
ہوا ہے.....“
”اے تیکم میرے گھر میں وہی ہوگا جو تم
چاہو گی.....“

”تم تباؤ، میں کیا کروں.....؟“
”تم تباؤ میں کیا کہوں؟“
”تم جو تاروں کا چاہے کہہ دینا اور میرا نام لے
دینا.....“
ایسے شوہروں کو..... کون پاگل..... کون ایب
نادر کہہ سکتا ہے..... ایسے شوہروں سے زیادہ عقل
مند، ذہین، فطین تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا ہے..... ہے
نا.....؟

شر پسند عناصر

بعض لوگوں سے چڑی ہوتی ہے۔ شکل دیکر
خواتن وہ عنصر آتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ چھوٹے پکڑ
کر اُن کا گھر سے عمل دل ختم کر دیں اور صاف
صاف کہہ دیں کہ آئندہ اس گھر کا رخ مت کرنا مگر
رشتے داریوں کی صلیبیں ہمارے سینے اور دماغ پر
اس قدر دھری ہوئی ہیں کہ دل چاہتے ہوئے بھی کچھ
نہیں کر سکتے۔ (آء)

یہ بات بھی نہیں کہ ہماری دلی کیفیات سے
ایسی غشیات واقف نہیں ہوتیں، وہ ہماری جھلاہٹ
دہنی دلی نفرت اور سرد رویے سے فتنی پرسف
واقف ہوتی ہیں مگر اس کے باوجود وہ لپک کر
ہمارے پاس آتی ہیں (ہائے رشتے دار بایاں)

اب آپ سوچ رہے ہیں کہ میں شاید گورنمنٹ
اسکول کی کوئی تک چڑھی قسم کی ہیڈ ماسٹر ہوں

جاتا ہے۔ اور اک کے کچھ ایسے ہی لہجوں کا شکار جو انیلا اپنی اس غزل میں نظر آتے ہیں۔ اس غزل کا انتخاب غانیہ سید نے رائج سے کیا ہے۔

غزل

ہم نے شکست کھا کے ذکر کو وفا نہیں کیا
خود کو ہلاک کر لیا خود کو فدا نہیں کیا
کیسے کہیں کہ اس کو کبھی ہم سے کوئی لگاؤ ہے
اس نے تو ہم سے آج تک کوئی گلہ نہیں کیا
مجھ کو یہ ہوش ہی تھا تو مرے بازوؤں میں ہے
یعنی تجھے ابھی تک میں نے رہا نہیں کیا
جانے تری نہیں کے ساتھ کتنے ہی جرتے کتنے
میں نے ترے لحاظ میں حیرا کہا نہیں کیا
جو بھی ہو تم پہ معترض اس کو بھی جواب دو
آپ بہت شریف ہیں، آپ نے کیا نہیں کیا
خیرہ سران عشق کا کوئی نہیں ہے جغیرہ دار
شیر میں اس گروہ نے کس کو خفا نہیں کیا

۳۳۳

زندگی کے گزرتے لمحے جن میں بہت سی باتیں
کہنے اور سننے کے باوجود ان کی رہ جاتی ہیں خاموشی کی
ان یادوں اور انتظار کی کھٹن سماعتوں کو تسلیم کو شراپتی
اس نظم میں بیان کر رہے ہیں اور اس کا انتخاب
ذریعہ تو واہ کینٹ سے کیا ہے۔

سلسلہ

اسے کہا

کبھی ملنے چلا آئے

ہمارے پاؤں میں جو راستہ تھا

راستے میں بیڑ تھے

بیڑوں پہ چسکی طائرؤں کی گولیاں

ہم سے ملا کرتی تھیں

اب وہ اڑتے اڑتے تھک گئی ہیں

وہ کتنی خاموشی جو ہم پہ سایا کرتی تھیں

وہ سب مرجھا گئی ہیں

تم اسے کہنا

کبھی ملنے چلا آئے

لبوں پر لفظ ہیں

لفظوں میں کوئی داستان، قصہ، کہانی

جواسے اکثر سنا تھے

کسے جا کر سنائیں گے

جتائیں گے

کہ ہم حیرا ہی میں ستارے ٹانگتے والے

دربار ہوئے اظہار کی دینک سے

اک کھولنے والے

کبھی بکھری ہوئی دلفنوں میں ہم

مہتاب کے گجرے بنا کر یا نہ سننے والے

چراغ اور آئینے کے درمیان

کب سے سرسامل کھڑے موجوں کو تکتے ہیں

اسے کہا

اسے ہم یاد کرتے ہیں

اسے کہا

ہم آ کر خود اسے ملتے

مگر عشق پہلے تمہوں کے

خون میں رنگین ہیں اور ہم

قطار اندر قطار

ایسے بہت سے موسموں کے درمیان

تجربہ کھڑے ہیں

جانے کب اپنا بلاوا ہو

کہ ہم میں آج بھی

اک عمر کی واہنگی اور دو مشینوں کا قفس جاری ہے

وہ بازی جو بساط جاں پہ کھیل گئی

ابھی ہم نے جیتی ہے نہ ہاری ہے

اسے کہنا بھی ملنے چلا آئے

کہ اب کی بار بھی

اپنی باری ہے

۳۳۳

شاعری دل کا لفظ ہے..... شاعر دل پر زندہ اور

روشن دماغ رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری ہجر و وصال کی

شاعری کبھی یکنون وہ زندگی اور روشنی کے پیغام سے

غالی نہیں۔ ہجر و وصال ہر ذی حیات کا مقدّر ہے اور

اس کا لفظ محبت کرنے والے ہی جان سکتے ہیں.....

حقیقت تو یہ ہے کہ عشق پیش لوگوں کی زندگی فریق

مسلسل میں ہی سر ہو جاتی ہے۔ یہی رنگ ظفر اقبال

ظفر کی نظم محبت مرجھا سکتی ہے میں نظر آتا ہے اس کا

انتخاب ارم نے حیدر آباد سے کیا ہے۔

محبت مرجھا سکتی ہے

جہیں یاد ہوگا

سال بھر پہلے

گھٹاؤں کا مسلسل بارشوں کا آخری دن تھا

غروب شام سے پہلے ہی سورج نے

ذرا سی دیر ہو گئی، رو پہلی دھوپ اگلی تھی

ہر ندی کی طرح

سب سے ہوئے، دیکھے ہوئے لوگوں نے

امید بھری نظروں سے اوپر آسمانوں کی طرف دیکھا

مگر.....!

میں نے تمہارے سرخ آجیل کی طرف دیکھا

تمہاری آنکھوں میں

اڑتے ہوئے ہے سمت بادل کی طرف دیکھا

مجھے وہ یاد آئی

کہ جب میں نے کہا تھا

دیکھ لو جاناں محبت مرجھا سکتی ہے

بڑی مجبوریاں ہیں، محبت ڈر بھی سکتی ہے

میری اس بات پر

تم نے ڈر کر مارا تھا کہ تھلا کر مجھ کو دیکھا تھا

مجھے بزدل بھی کہا تھا

چر جاتے ہوئے روتے ہوئے، یہ بھی کہا تھا

ظفر تم جھوٹ کہتے ہو

محبت ڈر نہیں سکتی، محبت مرجھا سکتی

تو پھر یہ سرخ آجیل، ہاتھ پر تپتی ہوئی مہندی

تمہاری آنکھوں میں چسپے کوئی ظہر اہو اور یا

کوئی چٹا ہوا بادل، چلو تسلیم تو کرلو

محبت ڈر بھی سکتی ہے، محبت مرجھا سکتی ہے

۳۳۳

انجمن اسلام احمد، سوم سے اور موسموں کے ملنے

اور جدا ہونے سے دل کا اتنا بے بیان کر رہے ہیں اور

اس نظم کو عایہ احمد نے لاڑکانہ سے منتخب کیا ہے۔

نظم

وہ تو بھری بہار کے دن تھے

موسموں کے اس ملنے اور جدا ہونے سے

جانے دل کا کیا رشتہ ہے

جب ایک موسم دوسرے موسم سے ملتا ہے

جانے کیوں اس دل کے اندر دور نہیں پڑ

ایک چھٹا کا سا ہوتا ہے

جیسے کچھ شے کے برتن

اک وحشی و ادا کو کر

غم انہوں سے چھوٹ گئے ہوں

چھوٹے سے دوریت گھر وندے

بننے بنے ٹوٹ گئے جوں

تجسسی رات کا سا تا کیوں

خوف رگوں میں بھرتا ہے

یت حمزہ کی دلہیز پہ ٹھہرا لہجہ کس سے ڈرتا ہے

وہ تو پورے چاند کی شب تھی

جب اک تار ناؤ تھا

وہ تو بھری بہار کے دن تھے

جب تو مجھ سے چھڑا تھا

۳۳۳

ماہنامہ ادب کی دنیا - جون 2012ء

380

میری راہیں

یادوں کے چراغ آج روشن ہیں

ماضی کی گزرگاہوں میں

کہاں تک مجھ کو جانا ہوگا

انجھی دھندلی راہوں میں

لمن کی خوش رنگ سرائت تک

یاجدائی کی عالم گریزوں میں

جھومر کا تھامتے پر

مہندی کی تھی ہاتھوں میں

جذبوں کی مدد حدت تھی

خوشبو چوری تھی سانسوں میں

شوگر بنا تھا چپوں کا

کچھ خواب بچے تھے آنکھوں میں

شبم سے موتی بھرے ہیں

اب بھری لمبی راتوں میں

جدائی کا موسم آنٹھما

کھلی کھلی میری آنکھوں میں

ماگ جو اجڑی سوا جڑی

کا بچھ جیسے تھے ہاتھوں میں

تو میں صبح کے رنگ نہ بٹھریں

بادل بھری اب آنکھوں میں

محبت کا بندھن وفا کا تقاضا
شاعرہ: خالدہ نسیم، لندن

اپنے دل کے ٹکڑے

شہاب اللہ خان کے نام

سدا جیون میں تم سکرانے رہو

باتوں باتوں پہ بس کلکھلاتے رہو

رہیں دور تم سے پریشانیاں

تم مستی مستی میں گیت سناتے رہو

ہو ماند تیرے سامنے ماو تمام

تم ہی تم اکیلے جھگڑاتے رہو

تو صاحبِ دل ہو مرے دل کی صورت

چاہتیں ہی چاہتیں لٹاتے رہو

تھکلیں پھول ایمان کے تیرے دل میں

خوشبو نیکی کی ہر سو پھیلاتے رہو

یہ دعا ہے میری صرف تمہارے لیے

تم سب کو دعاؤں میں یاد آتے رہو

از: صدف جاوید قریشی، ہری پور ہزارہ

یاد

تیرے ساتھ وہ گزردے لمحات یاد آتے ہیں

تیری باتیں، وہ فسانے، تعلقات یاد آتے ہیں

یاد ہے حیرے آنکھ کی خوشبو بھی ہمیں

ہوا میں لہراتے ہوئے جذبات یاد آتے ہیں

از: سہیامتا زعمای، لاڑکانہ



اعتبار

تیری نگاہ میں ایک رنگ اجنبیت تھا

کس اعتبار پر ہم کھل کے گفتگو کرتے.....؟

از: ثانی چوہدری، آکسفورڈ، یو کے

سندیس



پاکیزہ
پہنیں

پس مگر ان کی یادیں زندگی کی ساتھی بن جاتی ہیں۔
گنتی خوشگوار ہوتی ہے ایسے لوگوں کی یاد جب
آجائے تو گویا وقت ہی گھبرا جاتا ہے۔
از: حمیرا: ہاشمی، بنکر

بیاری بات

مسلمانوں کے لیے بہترین پیغام یو ایم اے تھے
مسجد تک نہیں لے جا سکتا، ذرا سوچ وہ تجھے جنت
تک کیسے لے جائے گا۔

شوق

خاوند، میں وہ نہیں جو شادی ہوئی اور بدل
گیا۔ میرا وہی حراج وہی ذوق ہے۔ شادی سے
پہلے بھی مجھے شادی کا شوق تھا شادی کے بعد بھی مجھے
شادی کا شوق ہے۔

از: مصباح رضا سید، فیصل آباد

کانچ سی لڑکی کے نام

دھنک رنگ بھرے ہیں نگاہوں میں میری
کھلے پھول ہر سو یہ کس کا ہے سوچا؟

خیالوں میں آیا تو دل میں مایا

بھی اچھی تھا وہ پھر وہ اپنا

انوکھا سا احساس اس نے چکایا

لوں پر بھی ابھری آنکھوں میں پتا

میرا دل یہ چاہے پوچھوں میں اس سے

کبھی تیرے دل میں میرا نام آیا؟

کبھی چاند میں تم نے مجھ کو ہے دیکھا

کبھی کھلتے پھولوں میں مجھ کو ہے ڈھونڈا

خود بھی ہوں اس کی محبت میں پائل

چاہوں اور ہے بن کے بچوں وہ میرا

میرے دل میں آکر میرا ہو کے رہنا

پیارے پیغامات

☆ پیڑی مشکل سے سلائے لگا ہوں اپنی
آنکھوں کو تیرے خواب کا لالچ دے کر۔ آج کک بار
میرے خواب میں آ جانا کہ میری آنکھوں کا اعتبار وہ
جاتا ہے۔

☆ پریشانی خاموش ہونے سے کم، مہر کرنے
سے ختم اور سگر کرنے سے خوشی میں بدل جاتی ہے۔

☆ دوست اور خون دونوں کی جگہ دل
میں ہوتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ خون دل سے ہو کر
گزر جاتا ہے اور دوست دل میں آکر دل میں ہی رہ
جاتا ہے۔

از: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

خوشگوار یادیں

کتے ایسے ہوتے ہیں وہ لوگ جو ایک ہی بار دل
کر آنکھوں کے راتے دل میں اتر جاتے ہیں اور پھر
دھڑکتوں میں بس کر ایسے گیت سناتے ہیں کہ ہر
سانس میں ان کی کاٹام ہوتا ہے۔ وہ لے تو ایک لمحے کو

ہوئی غم خزاں کا ہے نہ خواہش ہے بہاروں کی
ہمارے ساتھ ہے اچھڑ کسی کی یاد کا موسم
☆ عالیہ ناز..... حیدر آباد
ہے فجر شہر میں گہراں کا کہاں تک ڈھونڈوں
وہ جو کہتا تھا کہ آگن میں سور ہوگا
☆ شیم خان..... کوئٹہ
برسوں کا ساتھ چھوڑ کر وہ اس طرح گیا
جیسے کوئی ستون گرا ہو مکان سے
☆ فرح ملک..... خانیوال
رُتوں پہ بس نہ چلا ورنہ یہ چن والے
ہو امیں بیچتے بیلام رنگ دبو کرتے
☆ فری ناز..... کراچی
کیا کہیں کیسے ہر بھر کی راتیں کی ہیں
عمر بھر چاند سے اک شخص کی باتیں کی ہیں
☆ کنول شہاب..... پنجاب
ہمارے نام تو رسوائیاں ہی لکھی ہیں
وہ معترف ہے اسے معترف ہی رہتا ہے
کسی کے گھر کو گرا کر بنائیں اپنا مکان
بھر ہے یہ تو ہمیں بے ہنری رہتا ہے
☆ شفیق خان..... حیدر آباد
شع محفل کو تو جب سوز سے خالی رہا
تیرے پروانے بھی لذت سے بیگانے رہے
رشہ الفت میں جب آن کو پرہیز تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری تیغ کے دانے رہے
☆ زبیر وہاب..... کراچی
اے حسرت دیدار یہ کیا راز ہے آخر
وہ سامنے آتے ہیں تو دیکھا نہیں جاتا
☆ نضیب جاوید..... لاہور
کبھی خوشی تو کبھی رنج ہے شمار لے
حیات ایک تھی لیکن بڑے تضاد لے
☆☆☆

☆ ماریہ..... کراچی
رہنے دیا نہ اتر، نے کسی کام کا مجھے
اور خاک میں بھی مجھ کو ملا کر نہیں گیا
☆ ثانیہ..... کراچی
خود سے روٹیوں تو کئی روز نہ خود سے بولوں
پھر کسی روٹی کو دیوار سے لگ کر روٹوں
تو سمندر ہے تو پھر اپنی سخاوت بھی دکھا
کیا ضروری ہے کہ میں پیاس کا دامن کھولوں
☆ نادیہ..... کوئٹہ
حیات اب بھی کھڑی ہے اسی دورا ہے پر
وہی ہے جبر وہی اختیار کا موسم
☆ صائمہ..... کراچی
بھی گزرتے ہیں کہیں نہیں ٹھاہونے سے
یہ دل برباد ہوتا ہے بھی آباد ہونے سے
☆ نائلہ خان..... پشاور
کوئی تازہ پھول لے کر ملنے آجائے تو پھر
اپنے زخمی جسم و جان کو بھول جاتا جاپے
☆ روانہ سیاح..... کوئٹہ
جب نئے موسم کے پہلو میں سکوں پاؤں نہ تم
میری تحریریں پرائی کا پیوں میں ڈھونڈنا
نارمانی کی اذیت جب بھی سونے نہ دے
ہولے سے اٹھنا مجھے میرے خطوں میں ڈھونڈنا
☆ سریم رافع..... کوئٹہ
ستم ہے کہ اب وہ شخص بھی ہم پہ گزرتا ہے
کہ جس کی پست قامت کو بڑی دستداری ہم نے
☆ امینہ جہاں..... کراچی
تم آسمان کی بلند یوں سے جلد لوٹ آنا
ہمیں زمین کے مسائل پہ بات کرنی ہے
☆ ملائکہ طارق..... کراچی
رُتوں کا قاعدہ ہے وقت پہ یہ آتی جاتی ہیں
ہمارے شہر میں کیوں رک گیا فریاد کا موسم



میں اکثر گنگنائی ہوں

صغریٰ دیندی

☆ صغریٰ..... حیدر آباد
طلب کریں تو یہ آنکھیں مکی ان کو سے ہیں
مگر یہ لوگ ان آنکھوں کے خواب مانگتے ہیں
☆ فریدہ خان..... گوجرانوالہ
بھری بہار میں اب کے عجیب پھول کٹے
نہ اپنے رزم ہی سینکے ندول کے چاک کٹے
☆ حمیدہ شریف..... اسلام آباد
کیا بھلا مجھ کو پرکھنے کا نتیجہ نکلا
رغم دل آپ کی نظروں سے بھی گھبرا نکلا
☆ مادیہ..... کوئٹہ
جن کی آنکھیں میں دستک تھے محبت کے چرچ
ان کو اب ڈھونڈنے جاؤں تو کہاں پاؤں گا
وقت کی گرد میں ہند لائے وہ شہر کے لوگ
انجینی بن کے طے لب میں کدھر جاؤں گا
☆ سیدہ زہرہ..... لاہور
وہشتیں مٹھوئیاں قبریں ہیں رہ جائیں گی
خالی خالی، اجڑی اجڑی بستیوں رہ جائیں گی
جہنمیں کر کے چلے جائیں گے آخر سب نہیں
اور آویزاں گھروں پر تختیاں رہ جائیں گی
☆ نائلہ خان..... کراچی
اک بھولی ہوئی بات ہے اک ٹوٹا ہوا خواب
ہم اہل محبت کو یہ الماک بہت ہے
☆ نازیہ مجاہد..... کراچی
جب سے جدا ہوئے ہیں تیرے قافلے سے ہم
لوگوں نے اپنی راہ کا پتھر بنالیا

خوش فاقہ

پاکیزہ بہنیں



لوکی کا انا

اشیا کے لوکی، دوسو پیاس گرم۔ زیرہ، ایک چائے کا چمچ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ لال مرچ پسی ہوئی، نصف چائے کا چمچ۔ دہی، ہشٹی کی ہوئی، تین کپ۔ ترکیب کے لوکی چھل کر دھوئیں اور خشک کر لیں۔ کس کی ہوئی کو تھوڑا سا نمک ڈال کر پانچ منٹ تک لہا لیں۔ پانی نکال کر کس کی ہوئی کوئی کو خوشنما کریں۔ ہشٹی دہی کو چھینٹ لیں اور نمک اور لال مرچ پسی ہوئی ملا لیں۔ اہلی ہوئی لوکی ڈالیں اور اچھی طرح ملا لیں۔ زیرہ سے کوڑے پر بھونیں اور اسے موتا میں لیں۔ پسوا ہوا زیرہ اور حسب ذائقہ نمک ڈال کر لوکی کا رانکا پیش کریں۔

نوٹ: اہلی ہوئی لوکی سے زائد پانی چھوڑیں۔

بینگن کا بھرتا

اشیا کے بینگن، ایک کلو گرام۔ پیاز، تین عدد۔ دھنیا، ایک چائے کا چمچ۔ نمنا،

چار عدد بڑے۔ ادراک، کئی ہوئی دو چائے کے چمچ۔ ہری مرچیں، دو عدد۔ لال مرچ، ہوئی دو چائے کے چمچ۔ تیل، تین کھانے کے چمچ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ دھنیا کے کٹے ہوئے پتے، دو کھانے کے چمچ۔ ترکیب کے بینگن میں سوراخ کر کے انہیں کھلی آج یا تھوڑا پاپلے سے گرم ادوں میں رومٹ کریں یہاں تک کہ چھلکا اترتا اور بیٹن سکڑنا شروع ہو جائے۔ اسے ٹھنڈا ہونے دیں۔ آپ اسے پانی میں ڈبو کر ٹھنڈا کر سکتے ہیں۔ چھلکا اتر کر اے مکمل طور پر مکس دیں۔ پیاز چھل کر کاٹ لیں۔ نمنا فرو کر کاٹ لیں، ہری مرچوں کو دھو کر کاٹ لیں۔ ایک کڑائی میں تیل گرم کریں، زیرہ ڈالیں۔ آدھے منٹ تک پکائیں۔ کئی ہوئی پیاز ڈالیں اور بھونیں یہاں تک کہ وہ نرم ہو جائے پھر ادراک کی ہوئی، ہری مرچیں کی ہوئی ڈالیں اور آدھے منٹ تک پکائیں۔ لال مرچ پسی ہوئی اور مکس اور بھنے ہوئے بینگن ڈالیں۔ درمیان آج پر سات سے آٹھ منٹ تک پکائیں یہاں تک کہ تیل الگ ہو جائے۔ کٹے ہوئے برے دھنیے کے ساتھ چائیں۔

نوٹ: اگر رومٹ کیے ہوئے بینگن کو فوراً پانی میں ڈبو دیا جائے تو اس کا چھلکا اترنا آسان ہے اس ترکیب کے لیے بڑے سائز کے گول بینگن استعمال کریں۔ خریدتے وقت ایسے بینگن کا انتخاب کریں جو سائز کے مقابلے میں وزن میں ہلکے ہوں۔

آٹس کریم فروٹ سلاڈ

اشیا کے سمر فروٹ کس (اسٹرابری، انجور، رس بھری) آٹھ کپ۔ انڈے (زردی اور سفیدی) الگ الگ۔ دو عدد دہی، ایک کپ۔ انجور کا سرخ رس، پون کپ۔ جیلاں پاؤڈر، ایک کھانے کا چمچ۔

ترکیب کے آٹھے مکس ہیلنڈز میں ڈال کر ہیلنڈز کر لیں اور چھتی سے چھان لیں تاکہ سخت چیز بنے

پ۔ ہیلنڈز کے آمیزے میں دہی اور انڈے کی ردی ڈال کر خوب چھینٹ لیں۔ انجور کے رس کو گرم کریں جب اگلنے لگے تو جیلاں پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ جیلاں پاؤڈر کے مکس کو آہستہ آہستہ ہاں کے ہیلنڈز شدہ آمیزے پر اٹھائیں اور چھتی ہلاتے ہیں پھر کسی پیالے یا سانچے میں ڈال کر فریج میں بٹنے کے لیے رکھ دیں۔ انڈے کی سفیدی کو اچھی طرح ہٹائیں اور آدھا تھنہ ہوئے آمیزے میں ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ آمیزے کو دوبارہ سے فریزر میں رکھیں اور بٹنے دیں جب مکمل طور پر جم جائے تو نکالیں اور پھینا پچے ہوئے ہیلنڈز کے ساتھ پیش کریں۔

عائشہ اقبال..... کراچی

لیموں اور پودینے کا شربت

اشیا کے پودینے کے پتے، حسب ضرورت۔ جینی مار کھانے کے چمچ۔ برف، کرش کر لیں۔ لیموں کا ایک کپ۔ سوڈا واٹر، دو گلاس۔ لیموں کے ملاں (سجائے کے لیے)

ترکیب کے لیموں کے رس میں جینی کو مکس کر لیں۔ اس میں سوڈا واٹر ڈال کر مکس کریں اور گلاسوں میں لیں۔ اوپر سے برف، پودینے کے پتے ڈالیں اور لیموں کے ملاں سے سجا کر پیش کریں۔

چھکو اور کھیلے کا ملک شیک

اشیا کے چھکو، پانچ عدد۔ کھیلے، پانچ عدد۔ فریش دھنیا، دو کھانے کے چمچ۔ پانی، آدھا کپ۔ ترکیب کے صاب سے پہلے چھکو اور کھیلے کو چھل کر لیں جو سر میں چھکو اور کھیلے کے ٹکڑے اور ڈال دیا ڈال کر خوب اچھی طرح ہیلنڈز کر لیں۔ خوب مکس کریں اور کریموں کا لطف اٹھائیں۔

میتھیج..... کراچی

بھد ر آبادی مرچوں کا سالن

اشیا کے ہری مرچیں، موٹی والی، ایک پاؤ۔ پنا

خوش ذائقہ

دھنیا، دو کھانے کے چمچ۔ پنا کو پرا، دو کھانے کے چمچ۔ سفید زیرہ پنا ہوا، دو کھانے کے چمچ۔ پنے کی دال، ایک چائے کا چمچ۔ مونگ چلی پسی ہوئی، دو کھانے کے چمچ۔ رائی، کلوچی، پسی ہوئی ایک چائے کا چمچ۔ میتھی دالے پنے ہوئے، آدھا چائے کا چمچ۔ کڑی پنا، دس بارہ۔ ہری مرچ چھتی، ایک چھٹا نمک، حسب ذائقہ۔ تیل، ایک کپ۔ پیاز، دو عدد بڑی۔ اہلی، گاڑ حار، ایک کپ۔ لہسن، ثابت، تین چار عدد۔ لال مرچ، ثابت، چار پانچ۔

ترکیب کے صاب سے پہلے پیاز کو موتا کاٹ کر توڑے پر ہلکا سائیک لیں پھر دھنیا، زیرہ، رائی، کلوچی، پنے کی دال، مونگ چلی، کھوپڑے پر ہلکا سائیک کر پیاز کے ساتھ سارے پنے سالے ہیلنڈز میں ڈال دیں ساتھ میں چھتی ہری مرچ بھی ڈال دیں۔ اس میں لال مرچ نہیں ڈالنی۔ جب گاڑ حار سائیک بن جائے تو پھر ایک پتلی میں تیل گرم کر کے چند دالے رائی، کلوچی، ثابت، سفید زیرہ، لہسن ڈالیں ساتھ میں لال ثابت مرچ بھی ڈال دیں جب بھار تیار ہو جائے تو اس میں پنا ہوا سالہ ڈال دیں اور اچھی طرح بھونیں۔ جب سالہ اچھی طرح بھن جائے تو اس میں دھو کر موٹی ہری مرچ ڈال دیں ساتھ ہی کڑی پنا بھی۔ کڑی پنا اس طرح ڈالنے سے زیادہ خوشبو آتی ہے کچھ لوگ بھار میں ڈال دیتے ہیں ساتھ میں اہلی کا رس بھی ڈال دیں، ہلکا سا پانی ڈال کر ہلکے چولنے پر رکھ دیں جب مرچیں مکس جائیں تو اتار لیں۔ فریج میں رکھ کر چار پانچ دن بھی کھا سکتے ہیں ایک بات یاد رہے کہ یہ سالن ایک بار پک جائے کہ بعد دوبارہ گرم نہیں ہوتا سادے چاول اور حیدر آبادی بریانی کے ساتھ بہت مزہ دے گا۔

نازیہ خان..... کراچی



کثرت سے پڑھیں، انشاء اللہ کامیابی آپ کے قدم چومیں گی۔
زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی کے لیے آپ کثرت سے انار بی بی انکریم پڑھنے کی عادت ڈالیں۔

لڑکیوں کی شادی کے لیے

تمام بچیاں یہ تین شیخ روزانہ پڑھیں۔ انشاء اللہ ان کی شادی بہت اچھی اور کامیاب ہوگی۔
پہلی شیخ..... یادولی یادولی
دوسری شیخ..... لا حول ولا قوۃ الا باللہ
تیسری شیخ..... یا عیٰ قیوم
یہ تینوں شیخ کثرت سے پڑھیں۔

پیٹ میں کیڑے

جن بچوں یا بڑوں کے پیٹ میں کیڑے ہوں ان کی صحت عموماً خراب رہتی ہے۔ دے لے سنے اور چڑے سے ہوتے ہیں کہ غذا ان کے جسم پر نہیں لگ پاتی۔ یہ کیڑے بے شک کدوانے ہوں، کیچے سے ہوں۔ یا چھوٹے چھوٹے کیڑے (بچے) ہوں ان سے نجات حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ سورہ کوثر پوری سورہ تین بار پانی پر دم کر کے ہمارے ہاتھیں اور دن، رات و وقفے وقفے سے سورہ کوثر تین غباریں پڑھ کر پیٹ پر چھوٹ کراریں۔

انکس روز کے اس عمل سے پیٹ میں ہر قسم کے کیڑے ختم ہو جائیں گے۔ ایک بات اور جب بھی ال نہیں ہے شگ ایک بار یہی سورہ فاتحہ دم کر کے پینے کی عادت ڈالیں۔ سورہ فاتحہ کا پانی پینے سے کم کی بھی ہوئی پیاریاں بھی ٹھیک ہو جائی ہیں۔

مکان، دکان یا زمین کو

خالی کرانے کے لیے

اگر آپ کو اپنی جائداد اپنے کرائے دار کے

دل کی بند شریانوں کو

کھولنے کا نسخہ

جگر کی نماز پڑھنے کے بعد
اول تین مرتبہ درود ابراہیمی پڑھیں۔
سات مرتبہ سورہ فاتحہ (المدر شریف) پڑھیں۔
ایک سو چند مرتبہ یا سلام پڑھیں۔
تین مرتبہ درود ابراہیمی پڑھیں آخر میں۔

اب دوسری گلاب کی پتیوں کو اچھی طرح سے دھو کر ان پر دم کریں۔ دس گلاب کی یہ پتیاں چار سیاہ مرچ اور ایک چھوٹی الائچی کے ہمراہ اس طرح چپا کر کھائیں جیسے پان کھاتے ہیں۔ آپ کا ہمارا منہ کا یہ عمل چالیس دن جاری رہنا چاہیے۔ اللہ کے کرم سے دل کی بند شریانیں کھل جائیں گی۔ آپ بے شک اپنا ٹیسٹ کروا کے معلوم کر لیں۔ آپ یقین کے پیسے کسی غریب، یتیم یا یتیمہ کو دے دیں اور ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

سات سلام

ہر قسم کی پریشانی سے نجات کے لیے یہ سات سلام پڑھنا اپنی عادت بنائیے۔ بہت ساری بہنوں کی فرمائش پر میں یہ سات سلام اردو تلفظ میں لکھ رہی ہوں تاکہ انہیں پڑھنے میں دشواری نہ ہو۔

1۔ سلاک من قلم ہربز پر ز می

2۔ سلاک من ع لا..... اب ز می

3۔ سلاک من ع لا..... موسا ہارون

دل کی تکلیف دور

کرنے کے لیے

دل کی تکلیف خواہ کسی قسم کی بھی ہو۔ درد ہوتا ہو یا نالیاں بند ہوں۔ دن میں کسی بھی وقت اپنا سدا ساتھ سینے پر رکھ کر آیت کریمہ پڑھیں۔ انشاء اللہ جلد شفا ہوگی۔ آیت کریمہ پڑھنا اپنی عادت بنائیں۔

رزق کی فراوانی کے لیے

نماز کی باقاعدگی کریں۔ شکرانے کے فعل روزانہ پڑھیں۔ اس کے علاوہ ہر نماز کے بعد صرف ایک شیخ یادولی یا نصیر پڑھیں۔ رزق کی فراوانی ہوگی۔ انشاء اللہ!

امتحان میں

کامیابی کے لیے

پہلے اپنی نیشن پر قابو پائیے پھر آیت انکری

ماں کے نام

چاندکی روشنی سے دوستی کے کلم سے
جاہت مجھے الفاظ سے
لکھے ہیں آپ کے لیے چند الفاظ
سوئی نہیں ہوں سلا دو مجھ کو ماں
آ جا دھیرے پاس
مجھے لوری سن کر سلا دو ماں
اشک میری آنکھوں میں جم سے گئے ہیں

ماں

کر کے دل ہے میرے جگر سلا دو ماں
میری خوشیاں بھی لے لو
میری سائیں بھی لے لو
پرتم سلامت رہو ماں
رب سے ہر دعا میں آپ کی مانگی ہے
بسی زندگی ماں
نہ ہو جس کوئی غم
خدا سے ایسی دعا مانگی ہے ماں
صوفیہ، کراچی

حزبان سے عاجز ہونے کے سبب خالی کرانا مقصود ہوا اپنے ذاتی تصرف میں رکھنے کے خواہش مند ہونے کے باعث غیر ہندیدہ لوگوں کو اپنی جگہ سے ہٹانا چاہتے ہیں تو عشا کی نماز کے بعد دو رکعت نماز برائے حاجت پڑھیں اور سورہ استسقاء (30) کی آیت نمبر 4 کو تین سو مرتبہ پڑھ کر دعا مانگیں۔ وہ زمین اپنے اندر کی تیز دل کو باہر اگل دے گی اور خالی ہو جائے گی۔ انشاء اللہ!

☆☆☆



کریں۔

☆.....☆.....☆

بچوں کا قد

میں نے پچھلے ماہ اپنے بچوں کا مسئلہ نوکن کے ساتھ لکھ کر بھیجا تھا لیکن نمبر کے ماہنامہ میں اس کا جواب نہیں تھا اس لیے اب دوبارہ لکھ رہی ہوں۔ میرا بیٹا عمر 20 سال قد ساڑھے چار فٹ ہے۔ عموں صحت بالکل ٹھیک ہے ابھی خوراک کھاتا ہے جنگ فوڈ بالکل نہیں کھاتا اس کا قد پچھلے دو تین سال سے بڑھنا رک گیا ہے۔ مہربانی فرما کر اس کا علاج تجویز کریں اسٹوڈنٹ ہے اور غیر شادی شدہ ہے۔ نظر کمزور ہے اور تین سال پہلے اسے موڈ ڈس آرڈر ہوا تھا اور اب تقریباً 3 سال سے Epival کھا رہا ہے۔ پہلے 100 mg روزانہ اور اب 2 ماہ سے 750 mg کی ڈوز لے رہا ہے۔ نظر بھی کمزور ہے۔

اس کے علاوہ بچی کے قد کے لیے بھی دو چارے بچی کی عمر 16 سال ہے اسٹوڈنٹ اور غیر شادی شدہ ہے۔ قد 5 فٹ ایک انچ ہے اس کی بھی نظر کمزور ہے ریٹائٹ کمزوری ہے بانی صحت ٹھیک ہے کبھی بھی معدے کا ہلکا سا مسئلہ ہو جاتا ہے۔ میرے سارے خاندان کے لوگ لمبے یا اچھے قد کے ہیں مہربانی فرما کر بچوں کے لیے اچھی کھانسیں اور آدھو پر فرمائیں۔

شیر پازان، معدینہ خان (میانوالی) جواب: بچوں کا قد بڑھنے کی کئی ایک وجوہات ہوتی ہیں۔ کچھ ادویات بھی بالواسطہ یا

چہرے پر دانے

میری عمر 22 سال ہے۔ میں ایک اسٹوڈنٹ ہوں اور مجھے تقریباً ڈیڑھ دو سال سے یہ مسئلہ ہے کہ جب رات کو سوتی ہوں تو چہرہ بالکل ٹھیک ہوتا ہے لیکن صبح سو کر اٹھنے پر سارا چہرہ باریک باریک پیلے دانوں سے بھرا ہوتا ہے، دانے گرمی دانوں کی طرح باریک اور سخت ہوتے ہیں۔ ایک دو دن الیاس رہنے کے بعد پھر چہرہ خود ہی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ مجھے آج تک کبھی سبھ آئی کہ یہ کیا مسئلہ یا بیماری ہے، ارہی ہے یا کوئی اور پرائمل..... نہ ہی یہ پتا چلتا ہے کہ کچھ کھانے سے ہوتی ہے یا کیا وجہ ہے۔ میں پرہیز بھی بہت کرتی ہوں، الیاس پتھر ہوتے بعد ہوتا رہتا ہے، چہرہ سرخ رہتا ہے۔ اس ارہی کی وجہ سے میرا رنگ بھی سیاہ ہو گیا ہے جو کراچیا خاصا فریش تھا۔ میں نے ابھی تک اس کا علاج نہیں کروایا۔ دانے نکلتے ہیں تو کوئی سونک لوش استعمال کرتی ہوں۔ یہ مسئلہ صرف چہرے پر ہے۔

شاہدہ رانا (خانوال)

جواب: پانی کا استعمال بڑھائیں، تیز دلی والے کھانوں سے پرہیز کریں، شربت، لالہ رنگس سے بھی۔ خون ٹیسٹ FBS، RBS کر کے رپورٹ بھیجیں اور ڈاکٹر کو دے دیا ہے جرنی کی Sulphur 200 کی ایک ٹوراک صبح نہار منہ 5 قطرے لیں اور ایک دن بعد 30 Graphites 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع



from Nature
for Health

شوا بے
ہومیو پیتھنک



اس بات کی ضرورت کافی عرصہ سے محسوس کرائی جا رہی تھی کہ کئی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھنک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوئی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس بورڈ کے ماہر تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کریں تاکہ آپ کا معیار صحت بلند ہو لہذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں پوسٹ بکس نمبر 733 کراچی۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتہ اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، سب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔

جسم پر گھٹیاں
میری عمر تقریباً ساڑھے اٹھائیس سال ہے اور شادی شدہ ہوں۔ میرا وزن 60 کلو گرام ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ میرے جسم پر گھٹیاں بن گئیں ہیں، کچھ سخت قسم کی ہیں اور کچھ نرم ہیں۔ یہ تقریباً پندرہ سال کی عمر سے بننا شروع ہوئی تھیں جو کہ عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی ہیں۔ یہ پہلے چھوٹی ہوتی ہیں پھر آہستہ آہستہ بڑی ہو جاتی ہیں۔ بعض دفعہ ان پر خارش ہوتی ہے درد نہیں ہوتا۔ پہلے میری وادی کو یہ بیماری تھی پھر ایو کو ہوئی، اب ہم دو مہینے بھائیوں کو ہے۔ تین مہینے بھائیوں کی عمر ابھی پندرہ سال سے کم ہے ان کو یہ بیماری نہیں ہے۔

والاسلام یا سکین (راولپنڈی)
جواب: گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ چربی کی گھٹیاں ہیں، چربی یعنی گھی، تیل، مکھن چیز کا استعمال کم سے کم کریں اور 3 ماہ تک ڈاکٹر ولما رشوا بے جرنی کی Calc Fluor 3x دن میں 3 مرتبہ 5 قطرے لیں۔

☆.....☆.....☆

نوکن برائے شوا بے ہومیو پیتھنک

جولائی 2012

اپنا مسئلہ ان نوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ نوکن کے بغیر آنے والے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ میں بھیجیں اسی مہینے کا نوکن استعمال کریں۔

نام: _____
پتہ: _____



کریں، فروٹ اور سبز یوں کا استعمال کریں، قبض نہ ہونے دیں۔ پانی کا استعمال بڑھائیں۔

☆.....☆

مثلاً پا اور اسکن

میرا پہلا مسئلہ منا ہے کہ میری عمر 25 سال ہے اور میرا وزن 73 کلو گرام ہے۔ میرا پیٹ اور کولے کا کافی باہر نکلا ہوا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اسارٹ ہو جاؤں اور وزن کافی کم ہو جائے۔

دوسرا مسئلہ لیور یا کالے جو کبھی کبھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے میں بہت پریشان رہتی ہوں۔ تیسرا اور آخری مسئلہ اسکن کا ہے۔ میری اسکن کافی آٹلی ہے اور چہرے کے مسام بہت زیادہ کھلے ہوئے ہیں۔ اکثر چہرے پر دانے بھی نکل آتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ میری اسکن کے مسام بند ہو جائیں اور اسکن فریش نظر فرمادیں اور یہ بھی بتادیں کہ کھانے پینے میں کیا کیا پرہیز کرتا ہے۔ میں ایک گھریلو لکڑی ہوں گھر سے باہر بہت کم جانا ہوتا ہے مگر گھر میں 10 سے 15 منٹ داک ضرور کرتی ہوں پیلرز جلد از جلد جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

شاکتہ محمد رمضان
جواب: مثلاً پے کا علاج اتنا آسان نہیں ہے جتنا ہم سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر بھی کنٹرول کریں،

ماہنامہ میلہ کیونہ۔ جون 2012ء

یک خارش کے ساتھ ساتھ ہڈیوں میں بھی درد ہے Joint soreness میں زیادہ ہے، چکر بے چینی اور گھبراہٹ بھی بہت ہے۔ سر پر پانی پڑنے سے آگے نہیں red ہو جاتی ہیں بہت جلدی ہیں ایسی حالت میں جس میں ہاتھ پاؤں نکل رہی ہیں، دل کی دھڑکن بھی تیز ہو جاتی ہے۔

تیسرا مسئلہ میری skin کا ہے اب فیس بہت خراب ہو چکا ہے، بہت دانے نکلتے ہیں ختم دانے پریشان چھوڑ جاتے ہیں۔ سرخ رنگ کے دانے نکلتے ہیں، جلد کے اندر کئی نمونا سادانہ ہے اس کو پوری طرح بنے اور ختم ہونے میں 4,3 مہینے لگ جاتے ہیں، ان دانوں سے جو دانے نکلتے ہیں وہ زیادہ تر خون ہوتا ہے pus آتا فیس ہوتا ہے کچھ کھلی نما موٹے دانے نکلتے ہیں اور کچھ باریک pus والے دانے نکلتے ہیں، ہاتھ لگانے سے درد بھی ہوتا ہے کوئی ایسی دوا جو بیز کریں میرے لیے جس سے نہ صرف میری الرجی اور skin problem ٹھیک ہو جائے بلکہ میرا بڑھتا ہوا وزن بھی نازل ہو جائے۔

جواب: سالوں سے آپ مسائل سے لڑ رہی ہیں اس کے بارے میں نہیں لکھا کہ علاج کیا ہے۔ لیجئے کہ، کس طرح ہوئی یہ لکھا۔

آپ Hep Sulf30 اور Apis 30 کے 5,6 قطرے دن میں 3 مرتبہ استعمال ... تمام ادویات ڈاکٹر ولہار شوابے جرمنی کی استعمال کریں ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع

ایک خوراک ہفتہ میں بارہی 5 قطرے 1/2 کپ پانی لیں اور اس کے ایک دن بعد Alilum cepa 30 اور Gelsemium 30 کے 5 قطرے 1/2 کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

☆.....☆

وزن کی زیادتی اور جلدی مسائل

میری عمر 24 سال ہے۔ میں غیر شادی شدہ ہوں۔ میں زیادہ تر بیماریاں رہتی ہوں بظاہر بہت صحت مند دکھائی دیتی ہوں۔ جبکہ اندر سے بہت کمزور ہوں۔ ہر وقت چکر آتے رہتے ہیں۔ پچھلے 4,3 سال سے میرا وزن بڑھتا جا رہا ہے۔ میری 5 فٹ ایک انچ height ہے۔ پہلے میرا وزن 48 تھا اب 58 ہو گیا ہے۔

میرا دوسرا مسئلہ الرجی کا ہے، یہ تقریباً پچھلے چار سال سے ہے۔ پہلی دفعہ جب نمودار ہوئی تھی تب پورے جسم میں حد سے زیادہ خارش کے ساتھ red color کے چکے سے بنتے تھے ابھرے ہوئے۔ اب چکے نہیں بنتے، اسٹے، اب باریک باریک دانے بنتے ہیں اب اسرخی ہو جاتی ہے..... جگہ جگہ سے خارش بہت زیادہ ہوتی ہے نہ صرف جسم کے اوپر ہی صے بلکہ جسم کے اندر دھڑکن سے بھی ہوتی ہے جیسے گلے کے اندر، کانوں کے اندر بھی آگے پیچھے بھی..... ایسے ہی آگے

میں، سر میں، دانتوں میں، ناخنوں میں خوراک ہفتہ میں بارہی 5 قطرے 1/2 کپ پانی لیں اور اس کے ایک دن بعد Alilum cepa 30 اور Gelsemium 30 کے 5 قطرے 1/2 کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

بلا واسطاً اس پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ماحول بھی اثر انداز ہوتا ہے۔
بہر حال اپنے بچوں کو Baryta carb 30 اور Calc. Phos 5,5 کے 5 قطرے 1/2 کپ پانی میں 3 مرتبہ دن میں استعمال کریں۔ 3 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

☆.....☆

موسم سے حساسیت

میرا نام سامنہ ہے۔ میری بیٹی علیحدہ عمر ساڑھے گیارہ سال ہے، مکے لیے میں دو لیٹرا چاہتی ہوں۔ قد 5 فٹ ہے وزن 49 kg ہے۔ اس کا مسئلہ یہ ہے کہ 4 سال کی عمر سے سردیوں کے آغاز اور گرمیوں کے آغاز میں نزلہ شروع ہو جاتا ہے جو کہ ٹھیک ہونے کے بجائے بگڑ جاتا ہے۔ سخت نزلہ کے ساتھ کھانسی بھی شدید ہو جاتی ہے، چھینکیں بھی شدید آتی ہیں سینے سے کھڑک کھڑکی آوازیں آتی ہیں، سب ڈاکٹر ایچ جیسی دوائیاں دیتے ہیں۔ میں سخت ڈیسرس ہو چکی ہوں کہ وہ اتنی دوائیاں کھاتی ہے۔ مجھے پیلرز ایسی ہو مویو پیٹنگ دوائی بتائیں جس سے اس کا نزلہ ٹھیک ہو جائے۔

سامنہ خان (لاہور)
جواب: آپ کی بیٹی کا جسم موسم کی تبدیلی سے حساس ہے اس کے لیے کچھ عرصہ مختلف ادویات کا استعمال کرنا پڑے گا جو ہم آپ کے خط کے جواب میں بتاتے رہیں گے مئی الوقت ڈاکٹر ولہار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں Psorinum 200 کی

ماہنامہ میلہ کیونہ۔ جون 2012ء

ورزش بھی کریں کم از کم ایک گھنٹا روزانہ اور ایک ماہ تک مندرجہ ذیل ادویات ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی استعمال کریں۔ Fucus Ves Q کے 15 قطرے دن میں تین مرتبہ ½ گلاس پانی میں لیں۔ Calc Sulf 30 اور Belladonna کے 5,5 قطرے ½ کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ تازہ پھل اور سبزیوں کا استعمال کریں۔ یاد رکھیں وزن بڑھنے کی وجوہات میں خاندانی جسامتی ہارمونز کی کمی یا زیادتی بھی اہم وجہ ہے۔ ہم تفصیلی طور پر پہلے بتا چکے ہیں۔ کوئلڈرکس اور شربت کسی بھی قسم کے استعمال نہیں کریں گی۔

گرم موسم کی خصوصی احتیاطیں

جن کو اختیار کر کے آپ موسم گرما کو انجوائے کر سکتے ہیں

1۔ گرم ٹھنڈا یا ٹھنڈا گرم نہ کریں۔ یعنی گرم جگہ سے ایک دم اتر کٹھینڈ میں نہ جائیں یا ٹھنڈی جگہ سے گرم جگہ نہ جائیں اسی طرح نہا کر فوراً ٹھنڈے یا اتر کٹھینڈ میں نہ آئیں یا باہر لو میں نہ ٹھکیں۔

2۔ گرمی کی شدت کے حساب سے پانی کا استعمال کریں لیکن یاد رکھیں پیاس کتنی بھی لگ رہی ہو گرمی سے آ کر فوراً پانی نہ پئیں خصوصاً ٹھنڈا بلکہ پہلے ہاتھ منہ دھو کر خود کو ٹھنڈا کریں اس کے بعد پانی پئیں، دن میں کم سے کم 10 سے 12 گلاس پانی پئیں، بچوں کو 6 سے 8 گلاس پانی پلائیں دن میں لیکن یاو

رہے کہ کھانے کے ساتھ اور کھانے کے فوراً بعد نہیں پئیں۔ نہار منہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے ۱۱ سے ۱۲ بجے کھانے کے بعد پانی کا استعمال صحت و ہاضمہ کے لیے مفید ہے۔

3۔ مصنوعی شربتوں سے ہر قسم کی کوئلڈرکس سے دور رہیں، ہاں لسی، ستوا (سنت)، بھی (بھی) بٹل گیری، قالہ، انناس، کیری، آم، لیمو کے تازہ جوار شربت حقیقی صحت اور تازگی کے لیے مفید ترین ہیں۔ 4۔ موکی پھل اور سبزیوں کا استعمال آپ کی صحت کو بحال رکھے گا۔

5۔ اسی طرح گرمی کی مناسبت سے کپڑوں کا استعمال بھی کرنا چاہیے۔ سر کو گرمی سے ضرور بچائیں۔ 6۔ سینے کو کبھی ٹھنڈا یا ہوانہ لگائیں اس طرح جسم کے ٹھنڈے اکثر ٹھکے ہیں ان میں درد ہو سکتا ہے، دل کی حرکت بند ہو سکتی ہے یا فالج کا اثر ہو سکتا ہے۔ 7۔ صفائی کا خیال رکھیں، روزانہ کم از کم ایک مرتبہ ضرور نہائیں۔

8۔ باہر لو چل رہی ہو یا گرمی کی شدت ہو تو کم از کم ایک گلاس پانی لے کر گھر سے ٹھکیں۔ 9۔ جلد کو دھوپ کی تمناز سے بچانے کے لیے سن بلاک والا فیس واش لوٹن استعمال کریں یہم سے بھی منگوا سکتے ہیں

10۔ یاد رکھیں یہ وہ احتیاطی تدابیر ہیں جن کو اختیار کر کے آپ اپنی موجودہ صحت کو مزید بہتر کر سکتے ہیں۔ بیماریوں سے اور گرم موسم کی شدت سے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

☆.....☆.....☆



Dr. Willmar Schwabe , Germany.

Available at All Leading Medical & Homoeopathic Stores